
CHAPTERS FROM THE HISTORY OF MADINA

(مسیو وہ)

تاریخ مدینہ سے منتخب ابواب

اردو ترجمہ و اضافی باب

علی حافظ

مترجم: (اردو) مبشر احمد اختر

فہرست

صفحہ نمبر	عنوان	باب نمبر	نمبر شمار
18	پیش لفظ	1	
22	مصنف کے قلم سے	2	
24	عرض مترجم	3	
29	باب: 1 مدینہ کا تاریخی پس منظر	4	
30	مدینہ کے ابتدائی باشندے	5	
30	مدینہ کی حدود اور مدینہ کے نام	6	
32	یہود	7	
33	انصار	8	
34	نفرت آمیز یہودی جارحیت	9	
35	مدینہ..... اسلامی دور میں	10	
37	مدینہ..... خلفائے راشدین کے دور میں	11	
39	مدینہ..... بنو امیہ کے دور میں	12	
39	عین الزرقة	13	
40	حضرت امام حسین علیہ السلام کا یزید کی بیعت کرنے سے انکار	14	
40	جنگ حرۃ الشرقیہ	15	

41	مدینہ.....حضرت عبداللہ بن زیر کے دور حکومت میں بنوامیہ کی مدینہ پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کوششیں	16
41	مدینہ پر دوبارہ قبضہ کی دوسری کوشش	17
42	بنوامیہ کا مدینہ پر بقضہ	18
43	حضرت ابن زیر کی مدینہ میں تدفین	19
43	مدینہ.....عباسی دور میں	20
44	نفس الذکیہ کا قتل	21
44	مدینہ.....عثمانیہ دور سے پہلے	22
46	رسول اللہ کے جسد مبارک کو چرانے کی کوشش	23
46	روضہ رسول کی حفاظت	24
48	رسول اللہ اور ان کے دو صحابہ کرام کے جسد مبارک کی منتقلی کی کوشش	25
51	احمد کی پاشا کی رائے	26
52	جاز میں آتش فشاں	27
53	آتش فشاں تین مہینے جاری رہا	28
53	مسجد نبوی میں آتش زدگی	29
55	مدینہ.....عثمانی دور میں	30
56	دیوارِ مدینہ قصر مجیدی	31
60	جاز ریلوے، مسجد اور کالج	32
66	مدینہ.....ہاشمی اقتدار میں	33
		34

67	مدینہ..... سعودی عملداری میں	35
73	مسجد نبوی ﷺ 14 سو سالوں میں باب: 2	36
74	مسجد نبوی ﷺ	37
74	مسجد نبوی ﷺ کا مقام (Location)	38
74	مسجد کی زمین	39
75	رسول اللہ ﷺ کے وقت میں مسجد کی تغیر	40
75	مسجد کی حدود	41
76	جنوبی دیوار	42
76	شمالی دیوار	43
76	مغربی دیوار	44
77	مسجد میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں لگے ہوئے دروازے	45
77	مشرقی دروازہ	46
79	مغربی دروازہ	47
79	جنوبی دروازہ	48
79	شمالی دروازہ	49
79	رسول اللہ ﷺ کے نماز پڑھنے کی محراب	50
81	نبی ﷺ کی مسجد اقصیٰ کی جانب نماز ادا کرنے کی جگہ	51
81	رسول اللہ ﷺ کی ادائیگی نماز کی جگہ (مصلی) ستون سیدہ عائشہ پر	52
83	مسجد نبوی میں تاریخ ساز ستون	53

84	- ستون سیدہ عائشہ	54
84	-3 ستون توبہ	55
85	-4 نیند (سریر) کا ستون	56
85	-5 پھرہ دینے کا ستون	57
86	-6 وفود کا ستون	58
86	-7 ستون جبریل علیہ السلام	59
86	-8 ستون تجد	60
88	رسول اللہ کا منبر	61
89	منبر کی ارتقائی منازل	62
90	منبر کا بعد میں استعمال	63
91	قدس باغ (ریاض الحجت)	64
91	سلطنت عثمانی کے سلطان سلیم نے ریاض الحجت کے ستونوں کی تزئین کرانی	65
92	مینار	66
92	سلطان عبدالحید کے دور کی تزئین میں بنائے گئے مینار	67
92	-1 شامیان مینار	68
92	-2 مشرقی مینار	69
94	-3 جنوب مشرقی مینار	70
94	-4 جنوب مغربی مینار	71

94	5۔ مغربی مینار	72
95	سعودی دور میں بنائے گئے مینار	73
97	مسجد نبوی کو وسعت دینے والے	74
97	حضرت عمر <small>رض</small> بن خطاب کے وقت میں مسجد نبوی کی وسعت اور تزکین	75
97	حضرت عثمان <small>رض</small> بن عفان کے وقت میں مسجد نبوی میں وسعت اور تزکین	76
98	ولید بن عبد الملک کے دور میں مسجد نبوی کی توسعہ	77
99	سعید بن میتib کی ازواج مطہرات کے کمروں پر رائے	78
99	مہدی عباسی کا توسعی کام	79
99	اشرف قایباتے کے وقت کی توسعہ	80
100	قایباتے کی تزکین کا تذکرہ	81
101	مسجد نبوی کے رقبہ میں فرقہ	82
101	سلطان عبدالجید کے دور میں تزکین اور وسعت	83
104	شاہ عبدالعزیز کے دور میں توسعہ اور تزکین	84
105	مسجد نبوی کی بڑی تعمیر نو اور توسعہ	85
106	شاہ فہد نے مسجد نبوی <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کی سب سے بڑی توسعہ کروائی	86
109	سعودی تعمیر نو کی ضروری تفصیلات	86
110	اخراجات	87

110	تعمیر نو میں باہمی فرق	88
110	سالوں میں (تقریباً) فرق	89
111	وہ لوگ جنہوں نے مسجد نبوی کی تزئین کی مگر اس کا رقبہ نہیں بڑھایا	90
112	شاہ عبدالعزیز کے فرزندان (بیٹے)	91
117	روضۃ رسول ﷺ (بیت النبی ﷺ) باب: 3	92
120	بیت الرسول ﷺ کی بناؤٹ	93
120	رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک (روضۃ نبوی ﷺ)	94
121	(الف) حضرت عمر ﷺ کی قبر مبارک	95
121	ناائف بن ابی نعیمہ کا بیان	96
121	(ب) حضرت عمر ﷺ کی قبر مبارک، قاسم بن محمد بن ابو بکر کا بیان	97
123	(1) نائیں کے بیان کے مطابق چارٹ	98
123	(2) قاسم کے بیان کے مطابق چارٹ	99
125	روضۃ رسول میں چوتھی قبر کی جگہ	100
125	روضۃ رسول میں ترامیم کی گئیں	101
126	سیدہ عائشہؓ کی بنائی ہوئی دیوار برائے تقسیم روضۃ رسول	102
126	روضۃ رسول کو منہدم کر کے دوبارہ خلیفہ ولید نے بنوایا	103
126	قبور مبارکہ کی مرمت	104
127	حضرت عمر (بن العزیز) نے روضۃ رسول کو دوبارہ تعمیر کروایا	105
128	نبیرس (حاکم مصر) نے روضہ میں نماز ادا کرنے کی ممانعت کر دی	106

128	روضہ رسول میں پہلے گنبد کی تعمیر	107
129	گنبد کی ترمیم و آرائش	108
129	دوسری آتشزدگی کے بعد گنبد کی دوبارہ تعمیر	109
129	سلطان محمود نے گنبد کی مرمت کروائی	110
130	گنبد کو سبز رنگ دیا جانا	111
130	روضہ رسول کی ترمیم و آرائش سعودی عہد میں	112
131	تاریخی مساجد باب: 4	113
132	- مسجد قباء	114
136	نبی اکرم ﷺ کی مسجد میں جائے نماز	115
138	- مسجد جمعہ	116
139	مسجد قبۃ التین	117
141	مسجد لفۃ	118
143	فتح مسجد کے جنوب میں چار مساجد	119
146	- مصلی مسجد	120
147	علی بن ابو طالب مسجد	121
148	مسجد کو یہ نام کیسے دیا گیا؟	122
149	- مسجد ابو بکر صدیق	123
150	مناخہ میں وہ مقامات جہاں رسول اللہ ﷺ نے نمازیں ادا کیں	124
151	- مسجد عمر بن خطاب	125

152	9- مسجد شجرہ	126
154	10- مسجد فضیخ	127
155	11- مسجد سقیہ	128
156	12- مسجد ابوذر <small>رضی اللہ عنہ</small>	129
157	13- مسجد بنوساعدہ	130
159	باقع الغرقد..... شہداء احمد باب: 5	131
160	باقع الغرقد	132
160	اہل بیت، صحابہ کرام اور مومنین	133
162	انصار اور مہاجرین میں سے پہلے فن ہونے والے صحابہ کرام	134
162	عقیل بن ابوطالب کی قبر	135
162	رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کی قبور	136
163	رسول اللہ ﷺ کی بیٹیوں کی قبور	137
163	اہل بیت (رشتہ داروں) کی قبور	138
165	مالک بن انس اور نائف، (عمر <small>رضی اللہ عنہ</small> کے خادم) کی قبور	139
165	عثمان بن مظعون اور دیگر کی قبور	140
166	شہداء حرۃ کی قبور	141
166	حضرت عثمان <small>رضی اللہ عنہ</small> بن عفان کی قبر	142
166	حضرت فاطمہ بنت اسد اور سعد بن معاذ کی قبور	143
167	رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ کی قبر	144

167	صحابہ کرام اور اہل بیت کی قبور جو بقیع سے باہر واقع ہیں:	145
167	حضرت اسماعیل بن جعفر صادق کی قبر	146
168	حضرت ابوسعید خدرا (رض) کی قبر	147
168	رسول اللہ ﷺ کے والد ماجد کی قبر	148
168	نفس الذکیہ (المعروف مہدی) کی قبر	149
169	حضرت مالک (رض) بن سنان کی قبر	150
169	باقع.....امیہ دور میں توسعہ	151
170	سعودی دور حکومت میں باقع کی وسعت	152
170	باقع اعمات کا باقع الغرقد میں مدغم ہونا	153
170	نواحی علاقوں کو شامل کرنا	154
171	حضرت حمزہ (رض) جنگ اُحد کے شہید	155
172	سید الشہداء کی قبر	156
173	شہداء کی قبریں	157
173	شہداء کی قبور پر حاضری	158
175	تاریخی کنویں	باب: 6 159
176	1- بضاء کنوں	160
177	2- حاء کنوں	161
178	3- بوصۃ کنوں	162
179	4- اریس الاتم (انگوٹھی) کنوں	163

180	5- غرس کنوں	164
181	6- سقیہ کنوں	165
182	7- رومہ (عثمان) کنوں	166
182	8- احسن یا الیسر کنوں	167
183	باب: 7: ٹقیفہ بنی ساعدہ	168
185	مثاثل السلطانیہ	169
185	سقیفہ تاریخی پس منظر میں	170
186	سقیفہ کی طرف سڑک	171
187	بabc: 8: احمد اور اس کی پانچ جنگیں	172
188	کفار کی فوج	173
189	مشاورت اور قریش کی فوج کی نگرانی	174
190	اسلامی فوج	175
190	پہاڑ پر تیر اندازوں کا تقریر	176
192	جنگ کا دن: دونوں فوجوں کا لکھانا	177
192	تیر اندازوں کی غلطی اور مسلمانوں کی شکست	178
194	رسول اللہ ﷺ کی شجاعت اور ثابت قدمی	179
196	حضرت حمزہؓ نے کہاں شہادت پائی؟	180
199	پہلا میدان جنگ: حضرت حمزہؓ کی شہادت کی جگہ رومات کے مغربی طرف	181
200	اُحد کی پانچ لڑائیوں کی جگہیں	182

200	مسلمانوں نے اپنی عزت بحال کر لی	183
201	جنگِ أحد سے کیا سبق حاصل ہوا	184
203	غزوہ احزاب (مشترکہ اتحاد) یا جنگِ خندق باب: 9	185
204	بر معونہ (معونہ کا کنوائی)	186
206	متحده دشمن کی فوج	187
207	یہود کی جنگ	188
207	رسول اللہ ﷺ کو اس خبر کی اطلاع	189
208	خندق، مقام اور علاقہ	190
209	خندق کی لمبائی، چوڑائی اور گہرائی	191
209	اسلامی فوج	192
210	دشمن کی متحده فوج کا پڑاؤ	193
210	غزوہ احزاب	194
210	بنی قریظہ کی دھوکہ دہی	195
211	رسول اللہ ﷺ کی بخوغطفان سے مصالحت	196
212	نعمیم بن مسعود کا کردار	197
213	رسول اللہ ﷺ کی اتحادیوں کے خلاف دعا	198
214	اتحادی جنگ سے اُکتا گئے	199
214	اتحادیوں کی شکست	200
215	دونوں فریقین کے نقصانات	201
215	جنگ کی تاریخ اور محاصرہ کی مدت	202

215	خندق کی موجودہ دور میں جگہ	203
217	مطہری اور بشمائل کے نظریہ پر بحث	204
219	دھوکے باز بنی قریظہ کا اخراج	205
219	جنگ احزاب سے کیا سبق ملتا ہے	206
221	باب: 10 مدینہ میں تعلیمی سرگرمیاں	207
222	اسلامی یونیورسٹی	208
222	اسلامی یونیورسٹی کے قیام میں اخبار مدینہ منورہ کا کردار	209
224	یونیورسٹی کے مقاصد	210
224	طلباۓ کی تعداد	211
224	یونیورسٹی کا صدر مقام	212
225	صحرا میں تعلیمی کوششیں مساجید (Al-Misaijeed) میں صحرا تی سکول	213
228	مدینہ میں لائبریریاں (کتب خانے)	214
231	باب: 11 مدینہ موجودہ دور میں	215
232	عین الزرقہ۔ (نیلا چشمہ)	216
232	آب رسانی کے مقام	217
234	کھارے پانی کو پینے کے قابل بنانا۔ (Desalinated Water)	218
235	مدینہ میں بجلی	219
237	باب 12 مدینہ منورہ میں ترقیاتی منصوبے	220

238	بن لادن کے تکمیل شدہ منصوبے	221
238	1381-1385 ہجری (1961-1965ء) میں بلدیہ نے جو منصوبے کمل کئے	222
239	محکمہ صحت کے منصوبے	223
240	نشر و اشاعت کے منصوبے	224
241	القماش مارکیٹ میں آتش زدگی	225
243	حکومتی دفاتر۔ عمومی خدمات باب: 13	226
244	مدینہ کے علاقہ کی حاکمیت	227
244	سعودی دور میں مدینہ کے گورنر	228
245	محکمہ پولیس	229
245	محکمہ تارا اور ٹیلی فون کی خدمات کا مدینہ میں آغاز	230
246	محکمہ ڈاک	231
247	زمینی نقل و حمل (Land Transport)	232
247	محکمہ حج سعودی دور میں	233
247	محکمہ اوقاف	234
249	تمثہ کتاب شاہ فہد ابن عبدالعزیز کے منصوبوں کی شمولیت	235
250	شاہ فہد کا عظیم اسلامی پراجیکٹ قرآن حکیم پرنٹنگ کمپلیکس مدینہ منورہ	236
251	پراجیکٹ (منصوبہ) کی جگہ (مقام)	237
251	پرنٹنگ پریس کی استعداد	238

251	مسجد نبوی کی سب سے بڑی توسعی شاہ فہد کے دور میں	239
252	اسلام کی سب سے پہلی میونسپلی مدینہ تھی	240
255	اضافی: باب (عرض مترجم میں بیان شدہ نیا باب)	241
257	غزوہ بدر	242
258	جنگ بدر کا پس منظر	243
261	مکہ سے ہجرت کی اجازت	244
262	پہلی بیعت عقبہ	245
263	دوسری بیعت عقبہ۔ (بیعت عقبہ کبریٰ)	246
267	قباء میں تشریف آوری	247
267	مدینہ میں داخلہ	248
268	مدنی زندگی	249
268	مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کا ابتدائی مشن	250
270	مسلمانوں کی عسکری حکمت عملی	251
274	جنگ (غزوہ) بدر کی ابتدائی جگہ	252
277	اسلامی لشکر کو کی فوج کا علم ہونا	253
280	مسلمانوں کا بدر کے چشمیوں پر قبضہ	254
281	ترتیب لشکر اور شب گذاری	255
283	میدان جنگ میں کمی لشکر کی آمد	256
285	مبارزت	257
287	ابو جہل کا قتل	258

287	مکی لشکر کی مکمل شکست	259
289	جنگ بدر کے چودہ شہدا کے اسماء گرامی	260
291	جنگ بدر کے قیدیوں سے سلوک	261
292	قیدیوں سے درگزر کرنے کے ثبت اثرات	262
293	جنگ بدر کی اہمیت اور اسلامی تاریخ پر اثرات	263
301	رسول اللہ ﷺ اور اسلام کی اعلیٰ اقدار کے متعلق علمی شخصیات کی رائے	264
306	رسول اکرم ﷺ کا جنگی سامان	265
307	رسول اللہ ﷺ کے عسکری ہتھیار و دیگر حربی سامان	266
307	تلواریں	267
307	-1 الماثور	268
308	-2 البتار	269
310	-3 ذوالفقار	270
311	-4 حتف	271
312	-5 الخدم	272
313	-6 الرسوب	273
313	-7 العضب	274
314	-8 القصیب	275
314	-9 قلعی	276
315	تیرکمان	277

317	- نیزے	278
318	زره بکتر	279
318	ترکش	280
319	ڈھال	281
319	خود	282
319	لباس و دیگر حربی سامان	283
321	متفرق سامان	284
323	حرمین برق رفتار ریل	285
335	سیلِ العرم اور انصارِ مدینہ	286
336	وجہ سیلا ب اللہ کی نارِ اضکل	287
337	یمن اوس و خزر ج کا آبائی مسکن	288
338	قوم سبا اور اس کی سلطنت	289
345	عروج سبا کی وجہ	290
352	قوم سبا کی عسکری طاقت	291
354	مارب میں جدید ڈیم کی تعمیر	292
355	مصنف کا تعارف	293

پیش لفظ

تاریخ زندہ معاشروں میں دانشوروں کا پسندیدہ موضوع رہا ہے ماضی کی ثبت بنیادوں پر ہی حال کی تغیر اور مستقبل کے امکانات روشن ہوتے ہیں قویں اپنے تہذیبی و ثقافتی ورثے سے پہچانی جاتی ہیں۔ جو قویں اپنی تاریخ کی حفاظت نہیں کرتیں ان کا جغرافیہ بدل جاتا ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ، عالمی تاریخ کا ایک خوشگوار باب ہے، رسول اکرمؐ کی قیادت میں صحابہ کرامؐ نے ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھی جو دنیا کا پہلا فلاحی معاشرہ تھا پیغمبر اسلام کی اسی انفرادیت کی وجہ سے مائیکل ہاٹ نے اپنی کتاب Hundrad Great Men میں باوجود عیسائی ہونے محمد عربیؐ کا نام تاریخ عالم میں پہلے نمبر پر رکھا۔ عرب نہ صرف پیغمبر اسلامؐ کے حوالے سے معتر اور محترم ٹھہرے بلکہ ان مقامات اور شہروں کو بھی عزت ملی جن کا رشتہ ختمی مرتبتؐ کے ساتھ قائم ہوا۔ مدینہ، بلاد اسلامیہ کا ایک شہر ہی نہیں بلکہ مدینہ الرسولؐ بھی تھا، اس حوالے سے اس شہر کی اہمیت مسلمانوں کے لیے بہت اہم ہے۔ علی حافظ صاحب نے رسول اکرمؐ کی عقیدت اور اپنے مولد کی محبت میں سرشار ہو کر اس مشکل اور اہم کام کا بیڑا اٹھایا اور تاریخ مدینہ سے منتخب ابواب کے نام سے مدینہ کی تاریخ مرتب کی۔ علی حافظ صاحب سعودی افسرشاہی کے اہم رکن ہونے کے علاوہ ایک صاحب علم مورخ، ذمہ دار منظم، اور دانشور صحافی بھی ہیں..... ان کی تصنیف مدینہ کی تاریخ پر ایک معتر اور مستند کتاب ہے اس کی ایک بڑی وجہ تو یہ ہے کہ یہ کتاب بیسویں صدی عیسوی کی چھٹی دہائی میں لکھی گئی۔ ماضی کی تمام تحریریں ان کے پیش نظر رہیں اور 1984ء مصطف نے

دوسرے ایڈیشن میں ”مدینہ“ کے ترقیاتی کاموں کی تفصیل بھی اس میں شامل کر کے کتاب کو زیادہ مفید اور مستند بنادیا۔ انہوں نے جس لگن محنت اور جانشناختی سے اس تحقیقی کام کو مکمل کیا اس کی وجہ سے یہ کتاب ایک مستند مثالی دستاویز کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ مسلمانوں کے لیے مدینہ مدینۃ الرسول ہونے کی وجہ سے محترم اور مقدس ہے۔ یہ رب کی ترقی اصل میں عہد نبوی کے بعد سے اسلامی بنیادوں پر شروع ہوئی۔

مترجم جناب مبشر احمد اختر نے اس کتاب کا ترجمہ انگریزی متن سے کیا ہے، ترجمے کے اپنے مسائل ہوتے ہیں لیکن اگر ترجمہ اصل کتاب کے متن کے مطابق ہو تو اسے کامیاب ترجمہ کہا جاتا ہے..... ادب اور شاعری کے مقابلے میں تاریخ اور معاشرتی علوم کا ترجمہ نسبتاً آسان ہوتا ہے کیونکہ اس میں ”خبر اور متن“ میں کیسانیت زیادہ بہتر انداز میں ہوتی ہے اس طرح ترجمہ کرنے والا مصنف کے مانی الضمیر کو کامیابی سے اپنی زبان میں منتقل کر سکتا ہے، زیر نظر ترجمے کو میں نے توجہ سے پڑھا، مبشر صاحب خود ایک صاحب علم شخصیت ہیں پھر عربی متن کے انگریزی ترجمے پر بھی نظر ثانی ایک معروف مترجم اور اسلامی تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے شخص ماجد سرحان نے کی..... اس طرح یہ انگریزی ترجمہ بھی عربی متن کی طرح مستند اور معتبر ہے..... اسی انگریزی ترجمے سے استفادہ کرتے ہوئے مبشر صاحب نے اسے اردو زبان میں کامیابی سے منتقل کیا ہے۔

ترجمے سے متعلق خود مترجم رقم طراز ہیں:

”کتاب کے متن اور اسلوب کو ملاحظہ رکھتے ہوئے میری یہ کوشش رہی ہے کہ مصنف کے طرز بیان کو ہی قائم رکھوں اور اردو بیانی (لفاظی اور عبارت آرائی) سے گریز کروں تاہم دو زبانوں کو آپس میں ڈھالنے میں کچھ تفریق تو رہتی ہے میری یہ کوشش بھی رہی ہے کہ تاریخ کے

ہر اہم واقعہ کا ممن و عن ترجمہ کروں۔ تاہم بعض واقعات جن کا ذکر نہ ہونے سے مدینہ کی تاریخ پر کوئی خاص اثر اندازی نہیں ہوتی اُن کو یا تو مختصر بیان کیا ہے یا حذف کر دیا ہے۔“

مبشر صاحب کے ترجمے کی زبان، سادہ، عام فہم اور رواں ہے، قاری مصنف کے مانی اضمیر سے کامیابی سے آگاہ ہو جاتا ہے..... کتاب اس حوالے سے بھی اہم ہے کہ اس میں مختلف ادوار میں شہر مدینہ کی توسعی یافتہ عمارتیں، شاہراہیں، قبرستان اور خاص طور پر مسجد نبویؐ کی توسعی و تزکیٰں آرائش کے بارے میں خاصی تفصیل موجود ہے۔ مصنف نے مختلف ادوار میں ہونے والی اہم تبدیلیوں کا ذکر کیا ہے۔ مدینہ کی قدیم تاریخ سے لے کر بیسویں صدی عیسوی تک کی تفصیل اس کتاب میں موجود ہے، یقیناً یہ کتاب تاریخ کے طالب علم کے علاوہ اُن تمام افراد کے لیے ایک تحفہ کی حیثیت رکھتی ہے جن کی زندگی محبت رسولؐ اور عشق مدینۃ الرسول سے عبارت ہے، عقیدت کی فضائے ہٹ کر بھی کتاب یقیناً شہر مدینہ کی مکمل اور مسبوط تاریخ ہے..... مترجم نے تشگان علم کی سیرابی کے لیے اپنی جانب سے جس نئے باب کا اضافہ کیا ہے وہ بھی انہنائی مفید ہے..... خاص طور پر جنگ بدر کی تفصیل سے اس کا پس منظر اور اس کے بعد کی تاریخ کو اپنے نقطہ نظر سے بیان کیا ہے۔

اس کے علاوہ رسول اکرمؐ کے جنگی ساز و سامان کی تفصیل بھی موجود ہے تواریخ، ان کے نام، نیزے، تیرکمان، ترکش، ڈھال، خود اور جنگی لباس سب ہی کا ذکر ہے..... اس کے علاوہ اس کتاب میں قوم سبا اور اس کی تفصیل بھی مترجم نے بیان کی ہے..... مبشر صاحب لکھتے ہیں:

”سیبائی سلطنت کی تجارت اور زراعت پر اجارہ داری تمام خطہ میں کئی صدیوں تک قائم رہی“ سورہ سبا میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان جن کو ہم نے برکت عطا کی تھی نمایاں بستیاں آباد کر دی تھیں تاکہ ان راستوں میں امن کے ساتھ چلیں

پھریں.....، یعنی ان شہروں سے برکت والے شہروں، یعنی شام و فلسطین تک متواتر آبادیاں قائم کر دی تھیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدیم یمنی علاقے سے شام تک کا تمام تجارتی راستہ انسانی آبادیوں سے پر تھا اور ایک غیر آباد علاقے میں غیر یقینی حالت میں سفر کرنے کے برعکس ان راستوں کے مسافر پر امن طور پر اپنی الگی منزلوں کا تعین کر سکتے تھے.....“

اس اضافہ سے کتاب کی افادیت بڑھ گئی ہے، اس کے علاوہ اہم مقامات اور عمارتیں کی تصاویر اور نقشوں نے کتاب کی اہمیت اور حسن میں اضافہ کر دیا ہے۔

میری رائے میں یہ ایک کامیاب ترجمہ ہونے کے ساتھ ساتھ اردو زبان میں ایک مستند

تاریخ مدینہ بھی ہے۔

پروفیسر انیس احمد زیدی

ممبر سنڈیکیٹ (سابقاً)

جامعہ کراچی و فیڈرل اردو یونیورسٹی

7 مئی 2018ء

تعارف

مصنف کے قلم سے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُ وَنَصْلٰى عَلٰى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

تمام تعریف اللہ کے لیے اور ہر طرح کی امان محمد رسول اللہ ﷺ ان کے صحابہ کرام ﷺ اور حق کے ماننے والوں پر ہو۔

ایک بہت ہی عزیز دوست اور بے شمار قارئین نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ میری کتاب، ”تاریخ مدینہ سے ابواب“ کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا جانا چاہئے۔ بعض نے تو اس حد تک خواہش ظاہر کی کہ اس کتاب کا دوسری زبانوں مثلاً فرانسیسی، ہسپانوی، سویڈی، اردو اور انگلشی زبانوں میں بھی ترجمہ کیا جائے۔ جب سے میں نے یہ کتاب لکھی ہے میری بھی یہی خواہش رہی ہے۔

میں نے یہ خیال اپنے بیٹوں ہشام علی حافظ اور محمد علی حافظ کے سامنے پیش کیا اور انہوں نے بھی اس کی نہایت گرم جوشی سے تائید کی۔ تب میں نے اس معاملہ بارے اپنے دوست فاروق لقمان، جو جدہ کے انگریزی روزنامہ عرب نیوز کے مینیجنگ ایڈٹر ہیں، سے مشورہ کیا اور وہ بے پناہ پر جوش نظر آئے۔ انہوں نے تو دو باصلاحیت مترجم محمد ابراہیم اور عبدالوہاب البشیر کو اس کام کے لیے منتخب بھی کر لیا۔

دونوں مترجمین نے یہ رائے دی کہ کتاب غیر ملکی قارئین کے نقطہ نظر کے مطابق جامع اور مختصر ہونی چاہئے۔ میں نے اس کتاب کو مختصر انداز میں یوں لکھ دیا کہ اس کا اصل متن متاثر نہ ہو اور دونوں کو ایک ایک کاپی دے دی۔

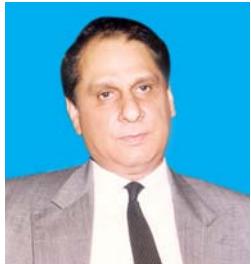
اقم ان صاحب نے ترجمہ پر نظر ثانی کی اور مشورہ دیا کہ مسودہ کی چھپائی کے آخری مرحلہ کی چھان بین کا کام اسلامی تاریخ کا کوئی مستند مصنف ہی کرے جو انگریزی زبان پر مکمل دسترس رکھنے کے علاوہ تالیف کے کام میں بھی مہارت رکھتا ہو۔ اس کام کے لیے ہماری نظر انتخاب اخبار اشراق الاوسط لندن آفس کے مترجم ماجد سرحان پر پڑی۔

میں اس جگہ ان تمام دوستوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے اپنے قیمتی مشورہ سے مستفیض کیا یا کتاب کو حقیقت کا رنگ دینے میں عملی طور پر حصہ لیا۔

میں یہ کتاب بطور تکھہ مسلم اور غیر مسلم انگریزی قارئین کو پیش کرتا ہوں۔ میں اللہ رب العزت سے دعا گو ہوں کہ یہ کتاب ان کے لیے سودمند ہو اور دینی، علمی اور تاریخی امور میں بصیرت افزاء ثابت ہو، اور مدینہ، محمد رسول اللہ ﷺ کی ہجرت اور اس سرز میں، جو آپ کے جسم اقدس کی امین ہے، کے متعلق ان کے ہر سوال کا تسلی بخش جواب فراہم کرے۔

علیٰ حافظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
عرض مترجم



میں سن 2000ء میں حج کی سعادت حاصل کرنے کی غرض سے
حجاز گیا۔ فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد اپنے دریینہ شوق کی تکمیل کی
خاطر اسلامی تاریخ پر مستند کتب کی تلاش شروع کر دی تاہم مدینہ پہنچنے
پر مکتبہ دارالزمان میں مدینہ ہی کے ایک رہائشی اور بلدیہ مدینہ منورہ
کے سابق معتمد اعلیٰ، علی حافظ کی عربی زبان میں لکھی کتاب کا انگریزی ترجمہ چند دوسری تاریخی
کتب کے ساتھ نظر آیا۔ اس کا عنوان ”CHAPTERS FROM THE HISTORY OF MADINA“ تھا۔ وہیں کھڑے کھڑے چند منٹ کی ورق گردانی سے ہی یہ اندازہ ہو گیا کہ یہ
کتاب مدینہ منورہ کی تاریخ بارے روایتی انداز میں لکھی ہوئی کتب سے ہٹ کر ہے۔ مصنف نے
عمرہ پیرائے میں مدینہ رسول کی تاریخی حقیقت پیان کی ہے۔

اس وقت یہی سوچا کہ میری لاہوری میں ایک اچھی کتاب کا اضافہ ہو جائے گا۔ پاکستان
واپس آنے کے کچھ عرصہ بعد اس کتاب کا مختصرًا مطالعہ کیا اور پھر اپنی ملازمت کی مصروفیات میں
کھو گیا اور کافی عرصہ یہ کتاب مجھ سے اوچھل رہی۔ تاہم چند سال قبل میں نے اس کتاب کا
باریک بینی سے مطالعہ کیا تو خیال آیا کہ کتاب کا اردو ترجمہ کیا جائے تاکہ اس کے مندرجات سے
اردو پڑھنے اور سمجھنے والے قارئین بھی استفادہ کر سکیں، مزید مصنف نے بھی اپنے تعارف میں اسی

خواہش کا اظہار کیا ہے۔

اس کتاب میں دیئے گئے واقعات کا بیان ایک طرف تو پڑھنے والے کے لیے تحقیق اور سوچ کے کئی دروازے کھولتا ہے تو دوسری طرف مصنف کی تاریخ مدینہ پر دسترس اور عبور کو ظاہر کرتا ہے۔ بہت سے ایسے واقعات کا انکشاف اس کتاب کو پڑھ کر ہوتا ہے جواب تک ہمارے علم سے باہر ہی تھے، مثلاً مصنف نے بتایا ہے کہ مدینہ کے ارد گرد یہود کی بستیاں کیسے آباد ہو گئیں اور اس کے رہنے والے کب اور کہاں سے آئے تھے؟ پھر جواب دیتا ہے کہ یہ لوگ یا تو ان یہودی قبیلوں میں سے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حج کی خاطر مکہ آئے تھے اور واپسی پر مدینہ سے گزرتے ہوئے اپنی کتاب تورات میں دی گئی ان نشانیوں کی ممااثلت دیکھ کر کہ نبی آخر الزمان کسی ایسے علاقہ ہی میں تشریف لا سکے گے، وہ یثرب میں ہی سکونت پذیر ہو گئے۔ اس واقعہ سے یہ قیاس بھی ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں انبیاء علیہ السلام سُنّت ابراہیم کی خاطر مکہ حج کے لیے تشریف لاتے تھے۔

مدینہ میں یہود کے آباد ہونے کا دوسرا ذریعہ مصنف نے یوں بیان کیا ہے کہ جب جنت نصر کے ظلم و ستم بنی اسرائیل کی برداشت سے باہر ہو گئے تو وہ وہاں سے بھاگ کر مختلف اطراف میں بکھر گئے اور بعض یہودی شام کے راستے مدینہ پہنچے جس کی ممااثلت ان کی مقدس کتاب تورات میں آخری نبی ﷺ کے ظہور پذیر ہونے والے شہر سے متعلق بتائی گئی نشانیوں والے علاقہ تھی۔

اسی طرح مصنف نے اوس اور خزر رج قبائل جو رسول اللہ ﷺ کے انصار تھے، کے مدینہ میں کب اور کہاں سے آ کر سکونت اختیار کرنے کی تاریخ پر بھی روشنی ڈالی ہے اور بیان کیا ہے کہ دو صدی قبل از مسیح میں میں ایک خوفناک سیلا ب آیا تھا جسے سیل عمر کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس طوفان نے بہت تباہی برپا کی اور حفاظتی بند کے پشتے بھی تباہ کر دیئے، زراعت کے لیے جو ڈیم

بانا ہوا تھا وہ بھی بہہ گیا۔ یمن کے بیشتر قبائل نے ہجرت اختیار کر لی، اوس اور خزر جنے بھی وہیں سے ہجرت کی اور یثرب (مدینہ) میں سکونت پذیر ہوئے۔

میں (مترجم) نے بھی اپنے تحقیقی شوق کی تکمیل میں سیل عرم کے بارے میں سرچ کی تو معلوم ہوا کہ یہ وہ وقت تھا جب قوم سباء وہاں آباد تھی اور یہ قوم بہت ترقی یافت تھی۔ انہوں نے اس دور میں بھی آپاٹھی کے لیے ڈیم تعمیر کئے ہوئے تھے۔ اس سیلا ب کی تباہ کاری اور قوم سباء کی ناشکری کے باعث اس پر اللہ کا طوفان کی شکل میں عذاب کالانا قرآن حکیم میں سورہ سباء آیات 15 تا 18 میں بیان کیا گیا ہے۔

مصنف نے کتاب میں مدینہ میونسپلی کے عنوان ”اسلام کی سب سے پہلی میونسپلی مدینہ تھی“ میں ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے اور یہ واقعہ کتاب ”لسان العرب“ جلد 12 کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے کہ خلیفۃ الرسول حضرت عمر بن الخطابؓ اپنے دور خلافت میں مکہ تشریف لائے اور شہر کی گلیوں کے گشت کے دوران گھروں کے مکینوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھروں کے صحن صاف رکھیں۔ ابو سفیان کے گھر کے قریب سے گزرتے ہوئے آپ نے اہل خانہ کو حکم دیا کہ وہ اپنا صحن صاف کر لیں، ابوسفیان نے جواب دیا کہ جب اس کے ملاز میں آئیں گے تو صفائی کر لیں گے۔

حضرت عمر بن الخطابؓ جب دوسری بار اس گھر کے قریب سے گزرے تو دیکھا کہ صحن کی صفائی نہیں ہوئی تو انہوں نے اپنی چھڑی سے ابوسفیان کو مارا۔

اس کتاب پر قارئین کے علم اور دلچسپی کی خاطر مصنف نے بہت عرق ریزی کی ہے۔

مصنف نے اس کتاب کے دو ایڈیشن شائع کئے تھے۔ پہلا ایڈیشن پچاس سال پہلے، 1388 ہجری (1968ء) میں اور دوسرا ایڈیشن 18 سال بعد، 1405 ہجری (1986ء) میں شائع ہوا۔ طویل وقت گزرنے کے باعث، کتاب میں دی گئی اکثر تصاویر یا تو دوبارہ استعمال کے قابل

نہیں تھیں یا ناپید ہیں، اس لیے میں نے کوشش کی ہے کہ ان مقامات کی موجودہ تصاویر کو کتاب کا حصہ بنادوں یا پھر اس مقدس شہر سے متعلقہ کوئی دوسری تاریخی تصاویر شامل کر دوں۔ البتہ کتاب کے متن اور اسلوب کو ملحوظ رکھتے ہوئے میری یہی کوشش رہی ہے کہ مصنف کے طرز بیان کو ہی قائم رکھوں اور اردو بیانی سے گریز کروں، تاہم دوزبانوں کو آپس میں ڈھالتے وقت کچھ تفریق تو رہتی ہی ہے، اور قاری کسی جگہ یہ فرق شاید محسوس کرے۔ مترجم کے طور پر میری یہ کوشش بھی رہی ہے کہ تاریخ کے ہر ضروری واقعہ کا من و عن ترجمہ کروں، تاہم بعض واقعات جن کا ذکر نہ بھی ہونے سے مدینہ کی تاریخ پر کوئی خاص اثر اندازی نہیں ہوتی، ان کو یا تو مختصرًا بیان کیا ہے یا حذف کر دیا ہے۔ امید ہے قارئین اس کو محسوس نہیں کریں گے۔

مصنف نے اپنی کتاب کا تفصیلی دائرة شاہ عبدالعزیز کے دور حکومت تک ہی محدود رکھا ہے اور اس دور کے بعد کے واقعات مختصرًا اپنے دوسرے ایڈیشن میں بیان کئے ہیں جن کے مطالعہ سے ایک قاری کی تشغیل نہیں ہوتی کیونکہ مدینہ منورہ اور اس کے گرد و نواح میں گزشتہ چالیس یا پچاس سال کے دوران تاریخی اور جغرافیائی لحاظ سے نمایاں تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔ ان تبدیلیوں کا مکمل ذکر تو ایک نئی کتاب لکھنے کے متراوف ہو گا، مگر میں نے کوشش کی ہے کہ مدینہ میں ہونے والی کچھ بڑی تبدیلیوں کو ان کی تصاویر کے ذریعہ ہی پیش کروں، تاہم چند معلومات مدینہ کی نسبت سے جن کا ذکر ضمناً مصنف نے کتاب کے شروع ہی میں کیا ہے، کو تفصیل سے بیان کرنے کی خواہش کی تکمیل میں ایک اضافی باب اپنی طرف سے پیش کر رہا ہوں۔ امید ہے قارئین کی دلچسپی اور معلومات کے اضافہ میں شائد یہ باب مدد ثابت ہو۔ مسجد نبوی کی تزئین و آرائش کا ذکر باب نمبر 2 میں شاہ فہد کے دور کی توسعے کے ضمن میں آچکا ہے اور اس کے بعد کچھ بہت زیادہ تبدیلی نہیں لائی گئی، اس لیے اس پر میں نے مزید لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی، البتہ مسجد

نبوی کی کچھ جدید تصاویر اس کتاب کا حصہ بنادی ہیں۔

میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ مصنف نے جنگ بدر کو تاریخ مدینہ کا حصہ کیوں نہیں بنایا اور اس جنگ کا تفصیلی ذکر دوسری دو جنگوں کی طرح نہیں کیا ہے، تاہم اس کی وجہ مصنف ہی کو معلوم ہو گی۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اسلام کی کفار کے خلاف پہلی بڑی اور فیصلہ کن جنگ کا مفصل ذکر کئے بغیر تاریخ مدینہ پر لکھی گئی کوئی بھی کتاب مکمل نہیں سمجھی جائے گی۔ چند دوستوں نے اپنی رائے کا اظہار یہ کہہ کر کیا ہے کہ یہ جنگ مدینہ شہر کے اندر واقع نہ ہوئی تھی بلکہ شہر سے 155 کلومیٹر دور واقع ہونے کی وجہ سے غالباً مصنف نے اسے مدینہ کی تاریخ کا حصہ نہیں سمجھا۔ میں (مترجم) ذاتی طور پر اس رائے سے متفق نہیں ہوں کہ شہر سے فاصلہ کی دوڑی ہی اس جنگ کو مدینہ کی تاریخ سے علیحدہ کر دے کیونکہ ہجرت کے بعد دوسرے ہی سال یہ فیصلہ کن جنگ وقوع پذیر ہوئی جس میں اسلامی لشکر میں شریک تمام مجاہد اہل مدینہ ہی تھے اور فتح کے بعد مدینہ شہر ہی نے اس جنگ کے تمام ثمرات سمیٹے تھے، مزید اسلام کی مضبوطی اور مدینہ کے مسلمانوں کی مالی حالت میں بہتری اس جنگ کی مر ہوں منت تھی۔ میرے خیال کے مطابق جنگ بدر تاریخ مدینہ کا انتہائی ضروری جزو ہے، اسی بناء پر میں نے جوباب اس کتاب کے آخر میں اپنی طرف سے لکھا ہے اس کی ابتداء بدر کی جنگ ہی سے کی ہے، تاکہ قارئین کتاب ختم ہونے کے بعد کوئی تشنگی محسوس نہ کریں۔

(مترجم)

باب 1

مدینہ کا تاریخی پس منظر

مدینہ کے ابتدائی باشندے

کہا جاتا ہے کہ مدینہ کے سب سے پہلے باسی جنہوں نے طوفان نوحؐ کے بعد یہاں سکونت اختیار کی وہ غینا بن مہله بیل بن عبیل تھے جن کے آباء اجداد کی کڑی حضرت نوح علیہ السلام تک جاتی ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جنہوں نے مستقل بود و باش رکھی اور فصلیں اور درخت کاشت کئے وہ عمالیق بنو عمالق تھے جو حضرت سام کی اولاد میں سے تھے۔ ان میں جو مدینہ میں سکونت پذیر ہوئے وہ بنو حاف اور بنو متراویل کے بیٹے تھے۔

مدینہ کی حدود اور مدینہ کے نام

مدینہ ایک کھلے اور زرخیز نخلستان میں واقع ہے۔ یہ شہر شمال مغرب کی طرف سے جبل سلع، جنوب میں جبل عیر اور وادی عقیق اور شمال میں جبل احد، جبل ثور اور وادی کنعاہ سے گھرا ہوا ہے۔ شہر کے وسط کو دو وادیاں، وادی بطحاء اور وادی رانو ناء کاٹتی ہیں۔ مشرق سے شہر کو وادی حارة الشرقیہ (چھوٹی پہاڑیوں کا علاقہ) نے گھیر رکھا ہے اور مغرب میں حارة الغربیہ واقع ہے۔ جبل ثور مسجد بنوی سے 8 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ جبل عیر بھی مسجد بنوی سے 8 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہی ہے۔ بعض مومنین کہتے ہیں کہ دونوں حارے مدینہ کی حدود کے اندر واقع ہیں۔ اس مفروضہ کی تقویت کے لیے رسول کریم ﷺ کے ایک قول کو بنیاد کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جو انہوں نے حارة الشرقیہ میں بنی حارث کے لوگوں کو اپنی تشریف آوری کے وقت فرمایا تھا کہ وہ حرم کی حدود کے اندر واقع تھے۔ بعض کا بیان ہے کہ مدینہ کی حدود 16 کلومیٹر تک ہیں۔ جبل ثور اور جبل عیر کے درمیان 16 کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ مدینہ سے بحر احمر کا فاصلہ (یعنی) 275 کلومیٹر ہے، جدہ کا فاصلہ 425 کلومیٹر، مکہ 497 کلومیٹر، شام، دمشق، تک فاصلہ 1303 کلومیٹر اور اردن کی حدود



مدینہ کے شمال میں جبل ثور جو موخرین کے بیان کے مطابق ایک ٹینٹ کی شکل میں ہے پس منظر میں جبل احد ہے



جبل عیر جو کہ مدینہ کی جنوبی سمت میں واقع ہے

تک فاصلہ 844 کلو میٹر ہے۔ مدینہ موجودہ سڑکوں کے نظام سے کمہ، جدہ اور پیغمبر کے ساتھ مسلک ہے۔ کچھ ہی عرصہ پہلے تک مدینہ کا دمشق اور اردن کے دارالخلافہ اومان کے ساتھ بذریعہ ریل بھی رابطہ تھا۔ ریلوے کی لائن سلطنت عثمانیہ کے آخری دور میں تعمیر ہوئی اور عربوں کی ترکی کے خلاف تحریک کے دوران تباہ ہو گئی تھی۔

یہ شہر 39 درجہ طول البلد اور 24 درجہ عرض بلد اور 597 میٹر سطح سمندر سے بلند واقع ہے۔

مدینہ کا موسم گرمیوں میں سخت گرم، خزان اور بہار کا موسم معتدل اور سرما سرد بیان کیا جاتا ہے۔ اس شہر کی آبادی 1345 ہجری (1926ء) میں 50,000 تھی۔ آج کل اس کی آبادی تقریباً 700,000 ہے۔¹

یہود

ابن منذر بیان کرتا ہے کہ اس نے سلیمان بن عبد اللہ بن حظله الغسلی اور کچھ دیگر قریشی لوگوں سے یہ کہانی سنی تھی کہ مدینہ کس طرح وجود میں آیا۔ وہ ابو عبیدہ رض بن عبد اللہ بن عمار بن یاسر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حج کی ادائیگی کے لیے روانہ ہوئے تو ان کے ساتھ بہت سے اسرائیلی بھی شامل تھے۔ واپسی پر اپنے وطن جاتے ہوئے وہ مدینہ سے گزرے اور اس کی مماثلت تورات میں بیان کئے گئے اس شہر سے پائی کہ جہاں ایک نبی کا ظہور ہو گا جو نبیوں کی مہر ہو گا۔ ان میں سے کچھ لوگ یہاں کے علاقہ سوق القماقہ میں آباد ہو گئے۔

حضرت ابو ہریرہ رض، جو احادیث بیان کرنے میں بہت مشہور ہیں، نے فرمایا کہ جب بنو اسرائیل کی اولاد بخت نصر کی سختیاں اور ظلم برداشت نہ کر سکی تو وہ وہاں سے بھاگے اور چونکہ انہوں نے اپنے صحیفوں میں پڑھ رکھا تھا کہ رسول اللہ حضرت محمد ﷺ عرب کے ایک گاؤں میں جو

¹ مصنف نے یہ کتاب 1388 ہجری (1968ء) میں لکھی تھی۔ (متترجم)

کھجور کے درختوں کی وجہ سے بہت مشہور ہوگا، ظاہر ہوں گے۔ لہذا جب انہوں نے شام کو چھوڑا تو وہ شام اور یمن کے بیچ تمام دیہات کو دیکھتے گئے کہ ان کے صحیفوں کے مطابق کونسا دیہہ ان خصوصیات کا حامل ہو سکتا ہے۔ جب انہوں نے شرب کو دیکھا تو ان میں سے ایک گروہ جو آرون کی اولاد میں سے تھا، مدینہ میں آباد ہو گیا جب کہ ان کے بڑے، رسول اللہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان رکھتے ہوئے وفات پا گئے اور اپنی اولادوں کو وصیت کر گئے کہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لا کیں۔ وہ لوگ جن کو رسول اللہ ﷺ کو دیکھنے کی توفیق ملی وہ بھی آپ پر ایمان نہیں لائے بلکہ انہوں نے ہر طرح کی بے وفائی اور مخالفانہ سازشیں شروع کر دیں اور اسلام کی مخالفت کے ساتھ ساتھ نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ کی جان لینے کے درپے ہو گئے۔ اس حسد کی بناء پر کہ انہوں نے مدینہ میں جور عرب اور اثر و رسوخ حاصل کیا ہوا تھا وہ ان کے ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ یہ حرکات انہوں نے اس امر کے باوجود کیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ان کے ساتھ ایک معاهدہ کیا تھا جس کے مطابق ان کو مذہبی آزادی اور ان کی جان و مال کی حفاظت کی ضمانت دی گئی تھی۔ اگر انہوں نے اس معاهدہ کی خلاف ورزی نہ کی ہوتی تو وہ (یہودی) مسلمانوں کے ساتھ صلح و آشتی کے ساتھ متحمل کر رہتے لیکن معاهدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے وہ اپنی ذمہ داریاں بھانے سے مخرف ہو گئے۔ ان کو ان کے کیے کی سزا رسول اللہ ﷺ اور ان کے صحابہ کی طرف سے ایسی ملی کہ وہ جس کے مستحق تھے۔ مدینہ میں یہودیوں کے ساتھ جودوسرے قبائل رہتے تھے، ابن زبالہ کے بیان کے مطابق وہ مدینہ میں شروع وقت سے ہی رہائش پذیر تھے۔ وہ بنو ہاؤف اور عمالیق کی اولاد تھے۔ یہودی قبائل 20 سے زیادہ تھے اور عربی قبائل 70 سے زیادہ۔

انصار

دوسری صدی قبل از مسیح کے اختتام پر یعنی اسلام کے ظہور پذیر ہونے سے نو صدیاں پہلے ملک یمن میں ایک سخت طوفان سیل عرم (The Arim Floods) نے پانی کے بند (Dam) کے

حلفتی پشتونوں کو توڑ ڈالا تھا اور اس بنا کاری کی وجہ سے یمن کے قبائل اس علاقہ سے بھرت کر کے جزیرہ نما عرب کے مختلف حصوں میں آباد ہو گئے تھے^۱۔ اوس اور خزر رج قبائل نے مدینہ میں آباد ہونے کو پسند کیا۔ (اوہ اور خزر رج رسول اکرم ﷺ کے انصار یا ماننے والے تھے)۔ یہ حارث بن شعبہ بن امر بن عامر بن ماء السماء کی اولاد میں سے ہیں۔ مؤمنین نے کہا ہے کہ ان کا شجرہ فقط ان تک جاتا ہے۔

اوہ اور خزر رج مدینہ میں آنے کے بعد شہر کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔ ان میں سے بعض یہود کے قرب میں ہی رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ اس وقت یہودی مدینہ کی معيشت اور تجارت پر پوری طرح حاوی تھے۔ انہوں نے یہودیوں کی مخالفت سے بچنے کے لیے ان کے ساتھ معاهدے کر لیے۔ اوہ اور خزر رج مالی طور پر مضبوط ہوئے اور اپنے اثر و رسوخ کو نمایاں کرنے میں بہت کامیابی حاصل کر لی جس کی وجہ سے یہودی ان دونوں سے خائف رہنے لگے اور ان کے ساتھ کیے گئے معاهدے منسون کر دیئے، اس خوف سے کہ کہیں یہودی ان کو مدینہ سے خارج نہ کریں، اوہ اور خزر رج نے اپنے آپ کو بدترین حالات کے لیے تیار کرنا شروع کر دیا۔

نفرت آمیز یہودی جاریت

یہودیوں کے مدینہ پر تسلط کے دوران اوس اور خزر رج کی نوبیا ہتا دہنیں اپنے شوہروں کے ساتھ اس وقت تک نہیں رہ سکتیں تھیں تا آنکہ وہ پہلے یہود کے بادشاہ ”فیطون“ کے پاس رہیں اور وہ ان کی پاک دامنی کو داغدار نہ کر دے۔ یہ رسوائیں اور نجی کام اب برداشت سے باہر ہو گیا تھا۔ جب مالک بن عجلان خزر رج کی بہن کی شادی ہوئی تو وہ اپنی تلوار اپنے کپڑوں میں چھپا کر عورتوں کے گروہ میں شامل ہو گیا اور جب وہ عورتیں یہودی بادشاہ کی رہائش گاہ میں داخل ہوئیں

^۱ قرآن مجید میں سورہ سبا آیات 14 تا 17 میں قوم سبا کی ترقی اور پھر خدا کی نافرمانی اور عذاب الہی جو طوفان کی صورت میں نازل ہوا تھا کا مفصل ذکر آیا ہے۔ نیزویہب سائٹ پر بھی اس قوم کی ترقی اور طوفان کی تفصیل ملتی ہے۔ مترجم نے اس کتاب کے اختتام پر ایک اضافی باب لکھا ہے جس میں سیل العزم اور قوم سبا سے متعلق صفحہ 331 پر تفصیلی مضمون دیا ہے۔ (مترجم)

تو وہ خاموشی سے اندر چلا گیا اور اس کو قتل کر دیا۔ اوس اور خزر ج کو یہ ڈر ہوا کہ یہودی اس قتل کا بدله ضرور لیں گے تو انہوں نے اپنے رشتہ کے عزیزوں سے، جو شام میں رہتے تھے، مدد طلب کی جنہوں نے آ کر یہود کو شکست دی اور اس کے بعد سے یہود کی طاقت کا اختتام ہو گیا۔ یہ کہانی یاقوت حموی نے اپنی کتاب ”مجم البلدان“ میں بیان کی ہے۔¹

تاہم جوں ہی اوس اور خزر ج قبل کا اثر و رسوخ بڑھا اور وہ مالی طور پر مضبوط ہو گئے تو ان دونوں قبائل کی باہمی دشمنی و بدله بازی بڑھ گئی اور آپ کی جنگوں کا آغاز ہو گیا۔ یہ جنگیں اسلام کے آنے تک جاری رہیں اور تب کل کے دشمن بھائی بھائی بن گئے۔

مذہب.....اسلامی دور میں

رسول اللہ ﷺ نے مذہب کی طرف ہجرت 622ء میں کی اور انصار (اوس اور خزر ج) کے ساتھ ایک معابدہ کیا کہ وہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کی حفاظت اور مدد کریں گے۔ انہوں نے اس کو پورا کیا اور مذہب کی حفاظت کی خاطر بہت قربانیاں دیں۔

مذہب تب اسلام کا محور اور محفوظ قلعہ بن گیا، جہاں سے اسلام کی روشنی تمام دنیا میں پھیل گئی۔

ہجرت کے دوسرے سال (624ء) میں رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں اسلامی لشکر نے بدر کی طرف کوچ کیا جہاں مسلمانوں نے کفار کے ساتھ پہلی جنگ کی۔ اس جنگ میں کفار کو شکست ہوئی اور ان کے 70 آدمی مارے گئے اور ان میں ابو جہل بھی شامل تھا۔ دشمنوں کے 70 آدمی قید بھی ہوئے۔

¹ مصنف لکھتا ہے کہ ”اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں اس نے لکھا ہے کہ حسن عواد نے اس کہانی کو کتاب میں شامل کرنے پر بحث کی ہے اور کہا ہے کہ یہ معاملہ واقعہ نہیں ہو سکتا اور اس کی تصدیق کمزور ہے۔ مگر یہ واقعہ یاقوت حموی نے اپنی کتاب کے صفحہ 185 اور سہودی نے اپنی کتاب ”وفا الوفا“ کے صفحہ 178 اور احمد ابن عبد الجمید عباسی نے اپنی کتاب ”امات الاخبار فی مدینۃ المختار“، صفحہ 35، 34 پر بیان کیا ہوا تھا۔ تاہم یہ رپورٹ اس کہانی کو غیر مستند ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہیں۔ لیکن یہودیوں نے اپنے دور میں جس قسم کا جو روستم روا رکھا تھا اس سے یہ بعید از قیاس نہیں۔

مذہب مدنیت کے قریب ہی اسلام کو دو متواتر جنگوں میں کفر کے خلاف فتح نصیب ہوئی جب کہ کفار کے پاس زیادہ آدمی اور اسلحہ تھا۔ یہ دو جنگیں مندرجہ ذیل ہیں:

1- جنگ اُحد جو مذہب مدنیت سے 4 کلومیٹر کے فاصلہ پر لڑی گئی۔ اس جنگ میں رسول اکرم ﷺ کے 70 صحابہ کرام شہید ہوئے۔ ان میں 64 انصار اور 6 مہاجرین تھے۔ یہ جنگ ہجرت کے تین سال بعد واقع ہوئی۔ (625ء)

2- جنگ خندق..... یہ جنگ مذہب مدنیت سے $\frac{1}{2}$ 2 کلومیٹر باہر جبل سلع کے شمال مغرب میں 5 ہجری (627ء) کو وقوع پذیر ہوئی۔

8 سن ہجری (630ء) میں اسلامی فوج نے اللہ کے رسول ﷺ کی سربراہی میں مکہ کی طرف کوچ کیا اور شہر میں فاتح کے طور پر داخل ہوئے۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا۔ اسی سال جنگ حنین واقع ہوئی۔ پہلے تو مسلمانوں کو شکست ہوئی لیکن پھر انہوں نے سنبھل کر اپنے آپ کو مستحکم کر لیا اور مشرکوں پر ایک بڑی فتح حاصل کر لی۔

رسول کریم ﷺ اور مسلمان فوج کی مذہب مدنیت میں واپسی کے بعد اہل عرب نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا اور لوگ جو ق در جو ق حلقة بگوش اسلام ہونے لگے۔ قریش میں اب نئے مذہب (اسلام) کی مخالفت کرنے کی سخت باتی نہیں رہی تھی اور مذہب اہل عرب قبائل کو اسلام میں داخل ہوتے دیکھ رہا تھا۔

جب مسلمانوں نے یہ فتوحات حاصل کر لیں تو پھر ان پر اور ان کے مضبوط قلعہ مذہب مدنیت پر کسی کو بھی حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اسلامی افواج نے اب ہر سمت آگے بڑھنا شروع کر دیا تھا اور دین کو پھیلانے اور اسلامی تعلیم کی بنیادوں کو مضبوط تر کرنے کی کوششیں ہونے لگیں۔ مکہ سے ہجرت کرنا نہ صرف مذہب مدنیت کی تاریخ کا بلکہ پوری دنیا کے لیے ایک بہت بڑا واقعہ ہے۔ اس

کے اثرات صرف مدینہ شہر اور جزیرہ نما عرب پر ہی نہیں بلکہ تمام دنیا پر مرتب ہوئے ہیں۔ ایک نئی تہذیب جو انصاف اور علم کی بنیاد پر وجود میں آئی وہ اسی ہجرت ہی کی مرہون منت ہے۔ مدینہ..... خلفاء راشدین کے دور میں

رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق ؓ پہلے خلیفہ منتخب ہوئے۔

یہ تقریباً کے بعد ہوا جب مدینہ کے مسلمانوں نے اپنی وفاداری ان کے ساتھ منسوب کر دی۔ حضرت ابو بکر ؓ کا انتخاب ثقیلہ بنی ساعدہ میں 11 ہجری (633ء) کو ہوا۔ حضرت ابو بکر ؓ نے یہ ذمہ داریاں نئے مذهب کی حفاظت، مرتد لوگوں اور زکوٰۃ دینے سے منحرف لوگوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے قبول کی تھیں۔ ان کے دور حکومت میں اسلام کی بنیاد جزیرہ نما عرب میں بہت مضبوط ہو گئی تھی۔ انہوں نے اسلام کے پھیلاؤ کے لیے عراق اور شام میں اسلامی افواج روانہ کیں۔

13 سن ہجری میں حضرت ابو بکر ؓ کا انتقال ہو گیا اور حضرت عمر ؓ نے خلافت سنگھائی۔ حضرت ابو بکر ؓ نے اپنی وفات سے قبل حضرت عمر ؓ بن خطاب کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ حضرت عمر ؓ کے دور میں اسلام دور دور تک پھیل گیا اور اسلامی افواج جزیرہ نما عرب کی حدود سے آگے نکل گئیں اور فارس و روم کی سلطنتوں کو فتح کر لیا۔ اسلامی افواج عدل و امن کا پیغام اور پاکیزگی کی تعلیم لے کر مصر تک پہنچ گئیں۔ ان فتوحات کی خبریں مدینہ میں خوشی اور مسرت کے ساتھ سنبھالیں اور اہل مدینہ نے ان خبروں کو جزیرہ نما عرب کے کونے کونے تک پھیلا دیا۔

مدینہ اس وقت تک نئی اسلامی حکومت کا دارالخلافہ مانا جا چکا تھا۔ حضرت عمر ؓ نے طرز حکمرانی، ریاستی نظم و نسق اور مالی امور پر اصول وضع کیے جو اس اسلامی ریاست میں لاگو ہونے تھے۔ یہ اصول اسلامی تعلیم اور اصولوں پر مبنی تھے۔ انہوں نے جو فوجی چھاؤنیاں اور فوجی اڈے

بنائے، وہ پر رونق شہروں میں تبدیل ہو گئے اور علم حاصل کرنے کے مرکز بن گئے۔ ان میں کوفہ، بصرہ اور فسطاط شامل ہیں۔ حضرت عمرؓ نے بیت المال بھی قائم کیا۔ ان کے دور میں مسلمان آبادی کی مردم شماری بھی کی گئی اور اس کی وجہ سے سو شل سیکیورٹی کا نظام قائم ہوا۔

حضرت عمرؓ نے اسلامی تعلیمات کی اس طرح تقید کی کہ وہ عوام کی نظر میں ایک مثال بن گئے اور عوام نے اس نئے مذہب کا خیر مقدم کیا اور برضاء رغبت اسے قبول کیا تاکہ اس کے انصاف، نیک نامی اور برباری کا فائدہ حاصل کر سکیں۔ انہوں نے اسلامی افواج کو حکم دیا کہ بوڑھے لوگوں، عورتوں، بچوں اور دشمن کے مذہبی علماء کو قتل نہ کیا جائے۔ انہوں نے اپنی افواج کو یہ ہدایات بھی دیں کہ عمارتوں اور گرجا گھروں کو مسمارنہ کیا جائے۔ یہ احکام رسول اکرم ﷺ کی ان ہدایات کی تعمیل میں تھے جو حضور ﷺ نے حضرت زیدؑ بن حارث کو شمال کی طرف جنگ موت کی اڑائی کے لیے بھیجے جانے کے وقت دی تھیں۔

تیسرا خلیفہ حضرت عثمانؓ بن عفان کو ایک مشاورتی کونسل جسے حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے پہلے 24 ہجری (646ء) میں نامزد کیا تھا، نے منتخب کیا۔ اسلامی فتوحات حضرت عثمانؓ کے عہد میں بھی جاری رہیں اور بحیرہ روم تک پھیل گئیں اور مسلمانوں نے قبرص کو فتح کر لیا۔ حضرت عثمانؓ کو ایک باغی گروپ نے مسجد نبوی کے قریب ان کے گھر پر 36 ہجری (657ء) میں شہید کر دیا۔

حضرت علیؓ بن ابو طالب نے اپنی خلافت اس وقت سنبھالی جب مسلمانوں نے مدینہ میں ان کی بیعت کر لی، لیکن جس بے یقینی اور شورش کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کی شہادت پیش آئی تھی وہ دوسرے علاقوں میں بھی پھیل گئی۔ غلیفہ بنے کے تھوڑا ہی عرصہ بعد جنگِ جمل کا واقعہ عراق میں پیش آیا جس میں ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ نے حضرت علیؓ کے خلاف فوج کی کمان

کی۔ اس جگہ کے بعد متواتر چند جنگیں حضرت علیؓ اور ان کے مخالف معاویہؓ بن ابوسفیان اور حضرت علیؓ اور خارجیوں کے درمیان ہوئیں۔ خارجی دراصل حضرت علیؓ کے ہی مانے والے تھے لیکن بعد میں انہوں نے ان کے خلاف بغاوت کر دی۔ حضرت علیؓ 40 ہجری (661ء) میں کوفہ میں شہید کر دیئے گئے۔¹

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد کوفہ کے لوگوں نے ان کے بیٹے حضرت امام حسینؑ سے صلح کا معاهدہ کر لیا۔
مدینہ..... بنو امیہ کے دور میں

ان شورشوں کے دوران ہی، معاویہؓ نے ربیع الاول 41 ہجری (662ء) میں حکومت سنبھال لی اور اپنا دارالخلافہ دمشق میں منتقل کر لیا، حضرت علیؓ کے عراق میں دارالخلافہ کی تبدیلی اور شام میں امیہ خاندان کی دارالخلافہ کی تبدیلی نے مدینہ کی سیاسی حیثیت کم کر دی تاہم اس شہر نے اپنا نامہ بھی مقام اور اپنی شہرت قائم رکھی۔

عین الزرقہ

حضرت معاویہؓ کے دور حکومت میں مدینہ کے گورنر مروان بن حکم نے مدینہ کے مشہور چشمہ جسے عین الزرقہ (نیلا چشمہ) کہا جاتا ہے، کو دوبارہ جاری کروایا جس کی تفصیل اس کتاب میں اگلے ابواب میں آئے گی۔ اسلامی دور سے پہلے اور اسلامی دور میں اہل مدینہ نے بہت سے کنویں اور نہریں کھود رکھی تھیں تاکہ پینے اور زراعت کے لیے تازہ پانی دستیاب ہو سکے۔ اس وقت کے مشہور کنوؤں میں سے بر السقہ، بضامہ، عریص، رومہ، غرس

¹ بعض مؤرخین کی رو سے یہ بیعت حضرت امام حسنؑ کی، کی گئی تھی (مترجم)

اور بوصة شامل ہیں۔ امیہ دور میں عین الزرقہ چشمہ کے دوبارہ جاری ہونے کا واقعہ بہت اہمیت کا حامل تھا۔

حضرت امام حسینؑ کا یزید کی بیعت کرنے سے انکار

بنی امیہ کے دور میں حضرت امام حسینؑ کا یزید کی بیعت نہ کرنا ایک اہم واقعہ تھا جسے اس کے والد نے اپنا وارث نامزد کر دیا تھا۔ حضرت امام حسینؑ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ہمراہ مکہ چلے گئے۔ بعد میں وہ عراق چلے گئے جہاں اہل کوفہ نے ان کے سفیر مسلم بن عقیل بن ابی طالب کے ذریعہ انہیں خلیفہ مقرر کر دیا تھا۔ حضرت امام حسینؑ 61 ہجری (682ء) میں یزید کی افواج کے ساتھ جنگ میں شہید ہو گئے۔

جنگ حارة الشرقیہ

سن 63 ہجری (684ء) میں اہل مدینہ نے یزید کی خلافت کو ان الزامات کی بنیاد پر کہ وہ شرابی ہے اور اسلام میں ممنوع دوسرا برائیوں کا بھی مرتكب رہتا ہے، رد کر دیا۔ انہوں نے عبداللہ بن مطعی قریشی جو مہاجرین میں سے تھے اور عبداللہ بن حظله جو انصار میں سے تھے، کو اپنا سردار مقرر کر لیا۔ اس وجہ سے ان کی یزید کے ساتھ جنگ ہوئی جسے جنگ حارة الشرقیہ کہا جاتا ہے۔ یزید نے مسلم بن عقبہ المنزل غرافانی جو ایک مجرمانہ ذہنیت کا بوڑھا شخص تھا، کی قیادت میں فوج بھجوائی۔ یہ فوج شام، اردن، فلسطین اور قبرص میں کے سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ انہوں نے مدینہ پر مشرقی سمت سے حملہ کیا اور ایک سخت جنگ ہوئی۔ دشمن کی زیادتی اور ہتھیاروں کی کمی کی وجہ سے نئے سرداروں کو شکست ہوئی اور یزیدی فوج تین دن تک وغارت، لوٹ مار اور جائیدادوں کو بتاہ کرتی رہی۔ انصار اور مہاجرین کے سات سوا شخص شہید ہوئے جب کہ 1,000 اہل شہر لڑتے ہوئے ہلاک ہو گئے۔

مدینہ.....حضرت عبداللہ بن زبیر کے دور حکومت میں

مدینہ کی بغاوت کو کچلنے کے بعد مسلم بن عقبہ کی فوج نے عبداللہ بن زبیر رض سے جنگ کرنے کی خاطر مکہ کا رخ کیا۔ بنو امیہ کی فوج نے اس با بر کت شہر کا محاصرہ کر لیا۔ تاہم یزید کے وفات پانے کے سبب فوج کو محاصرہ اٹھا کر شام واپس جانا پڑا۔ یزید کا جانشین معاویہ بنا مگر وہ ایک کمزور شخصیت کا مالک تھا۔ وہ اپنی وفات سے چالیس دن قبل ہی مستغفی ہو گیا اور اپنا کوئی جانشین نامزد نہ کیا۔ ابن زبیر رض مسلمانوں کے بلا شرکت غیرے لیڈر بن کراہرے اور ان کو ججاز، کوفہ، بصرہ، خراسان، مصر اور شام کی حمایت حاصل تھی۔ انہوں نے اپنے بھائی عبد اللہ بن زبیر رض کو مدینہ کا گورنر مقرر کر دیا لیکن ان کے ماننے والوں کے درمیان جو بے یقینی اور بد اعتمادی پیدا ہوئی تھی اس سے ان کی پوزیشن کو دھپ کا گا۔ وہ علاقے بھی جنہوں نے پہلے ان کی حمایت کی تھی، بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ 64 ہجری (685ء) میں عبد الملک بن مروان شام میں خلیفہ نامزد ہو گیا اور عبداللہ بن زبیر رض کی حامی ریاستوں اور بنو امیہ کی حمایت کرنے والی ریاستوں کے درمیان لڑائی شروع ہوئی۔ اس وقت تمام اسلامی دنیا انتشار کا شکار تھی اور بنو امیہ کی حکومت، ابن زبیر رض کے حامیوں، حضرت امام حسین رض کی شہادت کا بدلہ لینے والوں اور حضرت علی رض بن ابو طالب سے علیحدہ ہونے والوں کے مابین جنگیں ہوتی رہیں۔

بنو امیہ کی مدینہ پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کوششیں

اس نازک وقت میں کہ جب دنیاۓ اسلام انتشار کا شکار تھی، مدینہ بھی محفوظ نہ رہ سکا۔ عبد الملک بن مروان نے طاقت حاصل کر لینے اور اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے بعد اپنی توجہ باغی ریاستوں کو اپنا مطیع بنانے پر مبذول کر دی۔

اس نے ایک فوج حبیش ابن دبلہ کی قیادت میں ترتیب دی تاکہ مدینہ پر دوبارہ قبضہ کیا

جائے اور دوسری فوج عراق کی بغاوت کچلنے کے لیے روانہ کی۔ جب حیثیں پہنچا تو مدینہ کا گورنر جابر بن اسور مدینہ چھوڑ کر بھاگ گیا اور بنو امیہ کی فوج نے مدینہ میں داخل ہو کر اس پر قبضہ کر لیا۔ ابن زبیرؑ نے بصرہ سے جواہی تک ان کے تسلط میں تھا، فوج بھیجی کہ بنو امیہ کی فوج سے نبرد آزمائو کر مدینہ پر دوبارہ قبضہ کر لے۔ انہوں نے اس فوج کو عباس بن سہل بن سعد کے تحت فوج کی کمک سے مزید مضبوط کیا۔

بنو امیہ کی فوج ابن دلجم کے ماتحت اور ابن زبیرؑ کی فوج عباس بن سہل کے ماتحت مدینہ کے باہر ٹکرائیں اور جنگ میں ابن دلجم کو ایک شخص جس کا نام زید بن سعیہ تھا، نے قتل کر دیا۔ بنو امیہ کی فوج کو شکست ہوئی اور بیشتر لوگ قید کر لیے گئے اور بقیہ شام کی طرف بھاگ گئے۔ بنو امیہ کے 500 فوجیوں نے شہر کے اندر مورچہ بندی کر لی تھیں لیکن بعد میں عباس کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے جس نے انہیں قتل کروادیا۔

ابن سعیہ کا اہل مدینہ نے ایک فاتح کے طور پر استقبال کیا کہ اس نے بنو امیہ کی فوج کے سپہ سالار کو 65 ہجری (686ء) میں قتل کیا۔

مدینہ پر دوبارہ قبضہ کرنے کی دوسری کوشش

عبدالملک کی مدینہ پر قابض ہونے کی پہلی کوشش ناکام ہو گئی۔ اس نے دوسری بار کوشش کی اور اپنے چچا زاد بھائی عبد الملک بن حارث کی قیادت میں مدینہ پر قبضہ کرنے کے لیے دوسری فوج روانہ کی۔ ابن زبیرؑ نے مختار سے مدد حاصل کرنے کی درخواست کی جو اس وقت کوفہ پر قابض تھا اور حضرت امام حسینؑ بن علیؑ کی شہادت کا بدله لینے کا جواز پیش کیا۔ مختار نے ابن زبیرؑ کے ساتھ مل کر بنو امیہ کے خلاف جنگ کرنے کے لیے ایک فوج روانہ کی تھیں اس کی اصل نیت مدینہ شہر پر قابض ہو کر عبد اللہ بن زبیرؑ پر آخری ضرب لگانے کے لیے مکہ کی

طرف جانا تھا۔ تاہم ابن زبیرؓ کو بھی اس کی وفاداری پر شک تھا اور عباس بن سہل کی قیادت میں انہوں نے مدینہ کی حفاظت کے لیے ایک فوج روانہ کر دی۔ ابن سہل نے مختار کی فوج سے جو مدینہ کے قریب الرخیم کے مقام پر خیمه زن تھی، رابطہ کیا۔ اس نے اس فوج کے سردار کو قتل کر دیا اور بہت سے سپاہیوں کو گرفتار کر لیا۔ باقی ماندہ کوفہ کی طرف بھاگ گئے اور مختار کی صحیح نیت کا انکشاف ہو گیا۔ مدینہ پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کوشش 66 ہجری (687ء) میں ناکام بنا دی گئی۔

بنو امیہ کا مدینہ پر قبضہ

عبدالمالک بن مروان 72 ہجری (692ء) تک مدینہ پر قبضہ نہ کر سکا۔ اب اس نے حاج بن یوسف کے تحت ایک بہت بڑی فوج عبداللہ بن زبیرؓ سے جو مکہ میں تھے، جنگ کرنے کے لیے روانہ کی۔ اس فوج نے مدینہ سے کترا کر عراق سے آنے والی مشرقی سڑک کے راستہ سے مکہ کا رخ کیا اور عبداللہ بن زبیرؓ کا محاصرہ کر لیا۔ انہوں نے خانہ کعبہ میں اپنے آپ کو بند کر لیا۔ تاہم بعد میں وہ قتل کر دیئے گئے اور ان کی نعش کو لٹکا دیا گیا۔ تب اہل مدینہ نے عبدالمالک بن مروان کے حق میں ہتھیار ڈال دیئے۔ اس وقت مدینہ کے گورنر طلحہ بن عبداللہ بن عوف مقرر ہوئے۔

حضرت ابن زبیرؓ کی مدینہ میں تدفین

کہا جاتا ہے کہ جب ابن زبیرؓ کو مار دیا گیا تو حاج نے حکم دیا کہ ان کو یہودیوں کے قبرستان میں دفن کر دیا جائے۔ ایک دوسری روایت یہ ہے کہ ان کو اسی جگہ پر جون میں دفن کر دیا گیا، جہاں ان کی لاش کو لٹکایا گیا تھا اور ان کی والدہ حضرت اسماء بنت ابو بکرؓ نے ان کو عنسل دیا اور اسلامی شعار کے مطابق دفن کیا۔ ان کی نماز جنازہ پڑھائی گئی اور پھر ان کی والدہ انہیں مدینہ لے آئیں اور انہیں رسول اللہ ﷺ کی زوجہ ام المؤمنین حضرت صفیہؓ بنت حی بن اخطب کے

گھر میں فن کر دیا۔ یہ گھر بعد میں مسجد نبوی کی توسعی کے وقت مسجد میں داخل کر دیا گیا تھا۔ بنو امیہ کے دور کے آخر تک مدینہ ان ہی کے ماتحت رہا۔ اس سلطنت کے استحکام کے ساتھ ساتھ یہ شہر علم و ادب کا گھوارہ بن گیا اور نمایاں معاشری اور سماجی ترقی کر گیا۔

مدینہ..... عباسی دور میں

بنو امیہ کے دور کے خاتمه پر، مدینہ پر بنو عباس نے حکومت کرنا شروع کی۔ یہ دور 132 ہجری (751ء) سے شروع ہوا۔ تاہم مدینہ شہر سیاسی اور نفسیاتی ہیجان کا شکار بنا رہا جیسا کہ بنو امیہ کے دور میں تھا۔ اس شہر کا عدم استحکام اس وقت تک قائم رہا جب تک عباسیوں نے بنو امیہ کے تمام حامیوں کو مدینہ میں چن کر ختم نہیں کر دیا اور محمد بن عبد اللہ بن حسن جو کہ نفس الذکیہ کے نام سے جانا جاتا تھا، کو قتل نہیں کر دیا۔

نفس الذکیہ کا قتل

Abbasیوں کو مدینہ میں بنو امیہ کے حامیوں کی موجودگی کا علم ہوا تو وہ فکر مند ہوئے اور غالباً دشمنی اور بدلہ لینے کے لیے شہر میں موجود ان کے ہر حامی کو 133 ہجری (752ء) میں قتل کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ عباسی سلطنت کے بانی خلیفہ سفاح کے ایک چچازاد بھائی جس کا نام داؤد تھا، نے مدینہ کو بنو امیہ کے ہر شخص سے پاک کرنے کی مہم شروع کی۔

حضرت علیؑ بن ابو طالب کے وفادار اپنے آپ کو قانونی حکمران تصور کرتے تھے اور انہوں نے عباسیوں کو اپنی وفاداری کا حلف دینے کے باوجود بھی اپنی کوششیں ختم نہ کیں۔ محمد نفس الذکیہ اور اس کا بھائی ابراہیم مدینہ سے باہر چلے گئے اور مسلمانوں سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کرنے کے علاوہ اقتدار حاصل کرنے کے صحیح وقت کا انتظار کرنے لگے۔ عباسیوں نے انہیں گرفتار کرنے کی ناکام کوشش کی لیکن ان کے حامیوں اور ہمدردوں نے ان کو حفاظت سے رکھا۔ تب عباسیوں

نے ایک اور چال چلی اور ان کے والد عبداللہ کو جیل میں بند کر دیا جہاں وہ تین سال تک رہے۔ عباسیوں نے حسن رض کی تمام اولاد کو گرفتار کر لیا اور انہیں ہتھیڑیاں پہننا کر عراق کی ایک جیل میں ڈال دیا اور وہ وہیں پڑے رہے۔ ان کے بزرگ جیل ہی میں وفات پا گئے۔

اپنے خاندان کے لوگوں سے یہ سلوک دیکھتے ہوئے، نفس الذکیہ اور اس کے بھائی ابراہیم نے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کے خلاف جنگ کر دی اور نفس الذکیہ نے مدینہ پر قبضہ کر لیا اور خود خلیفہ بننے کا اعلان کر دیا۔ ماہ ربیعہ 145 ہجری (763ء) میں اس نے وہاں ایک خود مختار ریاست قائم کر دی اور اپنے وزراء برائے قانون، انصاف اور عدل، صحابہ کرام کی اولادوں میں سے مقرر کر دیئے۔

منصور نے اپنے چچا زاد بھائی عیسیٰ بن موسیٰ کی قیادت میں ایک مضبوط فوج روانہ کی۔ یہ فوج مدینہ سے ایک میل باہر قیام پذیر ہوئی، جہاں نفس الذکیہ نے اپنے آپ کو ایک خندق کھود کر مورچہ بند کر لیا تھا اور عباسی فوج کو علیحدہ کر دیا تھا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے وقت خندق کھودی تھی۔ تاہم یہ خندق آسانی کے ساتھ عبور کر لی گئی اور دونوں فوجوں میں تصادم ہوا۔

یہ لڑائی صبح سے شام تک جاری رہی لیکن نفس الذکیہ کے حامی تعداد اور جنگی حکمت عملی میں مات کھا گئے۔ اپنے ساتھیوں کو پسپا ہوتے دیکھ کر نفس الذکیہ نے اپنے گھوڑے کی ٹانگوں کو باندھ دیا اور اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ جنگ کرتا رہا یہاں تک کہ ابو موسیٰ کے بہت سے سپاہیوں کو مار کر وہ بھی مارا گیا۔ یہ واقعہ ماہ رمضان 145 ہجری (763ء) کا ہے۔ اس کے بھائی ابراہیم نے بصرہ میں عباسیوں کے خلاف بغاوت کر دی اور وہ بھی مارا گیا۔

کہا جاتا ہے کہ نفس الذکیہ جبل سلع کے مشرق میں اور عین الزرقة کے شمال کی طرف ڈن

ہوا۔ دوسرے بیانات کے مطابق اس کی بہن اور بیٹی نے اس کو جنتِ الْبَقِیع میں دفن کیا۔ اس کے بعد مذہبیہ میں استحکام ہو گیا اور شہر دوبارہ پر سکون ہوا اور یہ حالت عباسی خاندان کے زوال تک جاری رہی۔^۱

Abbasی دور میں مدینہ کی تاریخ کا ایک خاص واقعہ خلیفہ مہدی کا 161-165 ہجری (779ء) میں مسجد نبوی کو تو سچ دینا ہے۔

مدینہ.....عثمانیہ دور سے پہلے

Abbasی سلطنت نے اپنے آخری دور میں خلافت کو ٹوٹتے ہوا دیکھا۔ بغداد میں خلیفہ بے اختیار تھا۔ صوبوں کا حال بھی بہتر نہ تھا۔ جو طاقت ور ہوتا وہی حکومت چلاتا۔ یہی حال صوبہ جات مصر، شام، اردن، جاز اور حلب کا تھا۔ اس وقت مدینہ کا حاکم اشرف حسینیون (حضرت امام حسین رض کا معتبر وارث) تھا۔ 335 ہجری (948ء) میں عباسی سلطنت اپنی کمزوری کی انہتا پڑھی۔ اس دور میں مدینہ میں بہت سے تاریخی واقعات رونما ہوئے۔

رسول اللہ ﷺ کے جسد مبارک کو چرانے کی کوشش

557 ہجری (1164ء) میں کہا جاتا ہے کہ عیسائیوں نے ایک منصوبہ بنایا جس کے تحت خفیہ طور پر رسول اللہ ﷺ کے جسد خاکی کو چوری کر کے آپ کی قبر مبارک سے منتقل کر دینا تھا۔ (نوعذ باللہ)، انہوں نے دو شخص مرکاشی باشندوں کے بھیس میں روانہ کئے اور وہ یہ بتاتے تھے کہ وہ اندرس کے رہنے والے ہیں۔ ان دو اشخاص نے روضہ رسول ﷺ کے قریب ہی ایک گھر کرایہ پر لیا۔

دونوں آدمیوں نے یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ بہت نیک ہیں، باقاعدہ نمازیں پڑھنی شروع کیں، غریب و نادار لوگوں کو کھانا کھلاتے اور مسجد نبوی کی زیارت کرتے اور جنتِ الْبَقِیع

¹. دیکھیں، باب 5، بقیع الغرقہ۔ صفحہ 166۔

جاتے جہاں رسول کریم ﷺ کے بہت سے صحابہ اور ماننے والے مدفون تھے۔ انہوں نے خفیہ طور پر ایک سرگ کھودنی شروع کی جو کہ روضہ رسول ﷺ میں جا کر ختم ہوئی تھی۔ وہ کھودی ہوئی مٹی کو اپنے گھر میں بنے ہوئے ایک کنویں میں پھینک دیتے اور بعض اوقات وہ یہ مٹی ایک چڑی کے تھیلے میں بھر کر جنت البقع میں پھینک دیتے تھے۔ وہ یہ حرکت کچھ عرصہ تک اس خیال سے کرتے رہے کہ اب وہ اپنی منزل کے قریب ہی ہیں مگر یہ بھول گئے کہ اللہ ان کے تمام کام دیکھ رہا تھا اور جلد ہی ان کو ناکامی کا منہ دیکھنا تھا۔

سلطان نور الدین محمود بن زنگی نے ایک خواب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے دو آدمیوں جن کے بھورے بال تھے، کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اوْحَمُودُ! مُجْهَّهُ اَنْ سَبَقَاؤ“۔ سلطان گھبرا کے اٹھا، نماز پڑھی اور پھر سو گیا۔ لیکن یہ خواب اس رات تین بار آیا۔ سلطان نے اپنے وزیر جمال الدین موصلى جو ایک نیک اور عالمگرد شخص تھا، کو بلا یا اور یہ خواب بیان کیا۔ اس نے سلطان کو مشورہ دیا کہ مذہب کے سفر کی تیاری کریں۔ سلطان اور اس کا وزیر مذہب کے لیے ایک بہت بڑے قافلہ کی شکل میں روانہ ہوئے جسے ایک تاریخ دان مجدد الدین مطری بیان کرتا ہے کہ یہ قافلہ ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا۔ انہوں نے شام سے مذہب کا سفر 16 دن میں طے کیا۔ سلطان سیدھا مسجد نبوی میں گیا، نماز ادا کی اور وہیں بیٹھ کر سوچنے لگا کہ آگے کیا کیا جائے۔ وزیر نے سلطان سے پوچھا کہ اگر اس نے ان دونوں اشخاص کو دیکھ لیا تو کیا ان کی شناخت کر سکے گا؟ اور جب سلطان نے ہاں میں جواب دیا تو وزیر نے اہل مذہب کو بلا یا اور کہا کہ وہ تمام ضرورت مندوں کے نام دیں تاکہ سلطان ان کی مالی معاونت کریں۔

ان تمام لوگوں میں سے جو امداد وصول کرنے آئے تھے سلطان کو وہ دو آدمی جو اس نے خواب میں دیکھے تھے، نظر نہ آئے۔ اس کو بتایا گیا کہ صرف دو غیر ملکی مرکاش کے باشندے امداد

لینے کے لیے نہیں آئے۔ اس نے حکم دیا کہ ان دونوں آدمیوں کو اس کے سامنے حاضر کیا جائے اور ان کو دیکھتے ہی سلطان نے انہیں فوراً پہچان لیا کہ یہی اس کے خواب میں نظر آئے تھے۔ جب ان سے پوچھ گئی کی گئی تو انہوں نے بتایا کہ وہ مرکاش کے باشندے ہیں اور یہاں حج کرنے کی غرض سے اور مسجد نبوی کی زیارت کے لیے آئے ہیں اور ان کا مدینہ میں ایک سال ٹھہرنا کا ارادہ ہے۔ ان دونوں کو اپنے آدمیوں کے پاس چھوڑ کر سلطان اس گھر میں گیا جہاں وہ رہتے تھے اور اس نے کوئی ایسی چیز وہاں نہ دیکھی کہ ان پر شک کیا جا سکتا۔ پھر وہاں سے بڑی تعداد میں نقدی ملی۔ تلاش جاری تھی کہ اس کو ایک لکڑی کے تختے سے ٹھوکر لگی۔ جب اس تختے کو اٹھایا گیا تو اس نے ایک خندق کا آغاز دیکھا جو روضہ رسول ﷺ کی طرف جا رہی تھی۔ یہ خندق مسجد نبوی کی دیوار کے نیچے سے جاتی تھی۔ اہل مدینہ اس خبر کو سن کر حیران رہ گئے کیونکہ وہ ان دونوں مرکاشی لوگوں کو دیندار سمجھ رہے تھے۔ دونوں آدمیوں کو کوڑے مارے گئے یہاں تک کہ انہوں نے اپنا گناہ تسلیم کر لیا۔ انہوں نے مان لیا کہ وہ عیسائی تھے اور ان کے بادشاہ نے انہیں یہاں بھیجا تھا اور وہ مرکاشی زائرین کا بھیس بدلت کر یہاں مقیم تھے، انہوں نے بتایا کہ انہیں بہت بڑی رقم مہیا کی گئی تھی اور حکم دیا گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا جسد خاکی روضہ مبارک سے نکال کر اپنے ساتھ لائیں۔ ان کو موت کی سزا دی گئی اور ان کے جسم جلا دیئے گئے۔

روضہ رسول ﷺ کی حفاظت

سلطان نور الدین نے روضہ رسول کے گرد خندق کھودنے کا حکم دیا اور اس میں سیسیہ بھروا دیا تاکہ آئندہ دیواروں کو توڑ کر اندر جانے کی کوشش نہ کی جاسکے۔

یہ کہانی تاریخِ داں جمال الدین مطہری اور جمال الدین اسنوفی نے بیان کی تھی اور اس کا ذکر سمهودی اور برزنخی نے بھی کیا ہے۔ اس روپرٹ کو اس لیے رذہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ سگین جرم

عیسائیوں نے کیا تھا۔ اگر یہ کسی سلطان یا مسلمان بادشاہ کی سازش کھلائی جاتی تو یہ خیال کیا جاتا کہ یہ خبر اس کے کسی دشمن نے اڑائی ہو گی تاکہ اسے بدنام کیا جائے کیونکہ وہ زمانہ بدلہ بازی اور ناجائز مقابلہ بازی کا تھا۔ جہاں تک کہ عیسائی بادشاہ یا بادشاہوں کے نام ظاہرنہ کرنے کا سوال ہے، جنہوں نے اس مکروہ کام کا حکم دیا تو ان کے نام ظاہر کرنا ممکن نہ تھا کیونکہ اس کے محک کو ان دو مجرموں سے بھی رکھا گیا ہو گا۔ اگر وہ یہ نام بتا دیتے تو تاریخ کا حصہ بن جاتے۔ اس واقعہ کو یہیں ختم کر دینا چاہیے اور یہ تعجب کرنا چاہیے کہ عیسائی کس جرأت سے ایسا کام کر لیتے تھے اور یہ بات بھی سوچنے کے قابل ہے کہ کیا اس وقت مسلمان اتنے کمزور تھے کہ ان کے خلاف اس قسم کی جرأت بھی کی جاسکتی تھی؟

تاہم اس واقعہ کو ایک خودکشی کے مترادف سمجھنا چاہیے اور اس کا انجام منطقی طریقہ سے ہوا جس میں مجرموں کو ان کے گناہ کے مطابق جائز سزا سلطان نور الدین کے ہاتھوں ملی۔ اللہ اس کی روح کو سکون دے۔

رسول اللہ ﷺ اور ان کے دو صحابہ کرام کے جسد خاکی کی منتقلی کی کوشش دو اور واقعات جو اس وقت مسلمانوں میں افراتفری، کمزوری اور انتشار کی غمازی کرتے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے دو صحابہ کرام حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جسد خاکی کو مصر سے مصر منتقل کرنے کی کوششیں تھیں۔

پہلے واقعہ کے متعلق سہودی اپنی کتاب خلاصۃ الوفا میں ابن نجارتی کی "تحریک بغداد" کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ چند بے دین لوگوں نے مصر کے سلطان عبیدی کو مشورہ دیا کہ وہ رسول اکرم ﷺ اور ان کے دو صحابہ کرام کے جسد خاکی مدینہ سے مصر منتقل کر لے تاکہ لوگ ان کی زیارت کے لیے یہاں آیا کریں۔

عبدیٰ نے خفیہ طور پر ایک شخص کو جواب الفتح کے نام سے جانا جاتا تھا، ابتدائی جانچ پڑتاں کے لیے بھیجا۔ لیکن جب اہل مذہبیہ کو اس کے ارادے کا علم ہوا تو وہ اس قدر رطیش میں آگئے کہ ابو الفتح اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرنا چاہا، تب انہوں نے اپنے ارادہ سے اجتناب کیا۔

سمہودی نے دوسرے واقعہ کے متعلق مسجد بنبوی کے متولی شمس الدین ثواب الامانی کے حوالہ سے بتایا کہ کچھ لوگ شام کے شہر حلب (Aleppo) سے مذہبیہ آئے اور یہاں کے امیر یا گورنر کو ایک خطیر رقم کی پیشکش کی کہ روضۃ رسول ﷺ کو کھول دے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کے جسد خاکی نکالنے دے۔

امیر ان کی بات پر راضی ہو گیا اور مسجد کے متولی کو حکم دیا کہ روضۃ رسول ﷺ کی طرف جانے والے دروازے کھول دو۔ چالیس آدمی ہاتھوں میں کداراں پھاواڑے، بیلچے، روشنی کے چراغ اور کھدائی کے لیے دوسرا سامان لے کر مسجد میں داخل ہوئے لیکن روضۃ رسول ﷺ تک پہنچنے سے پہلے ہی زمینی تودہ گرنے سے تمام وہیں فن ہو گئے۔ متولی کو جب ان مجرموں کا ارادہ معلوم ہوا تو ان کو مسجد میں داخلہ کی اجازت دینے پر بہت متناسف ہوا۔

حلب (Aleppo) کے رہائشی شیعہ تھے اور اس زمانہ میں مذہبیہ کے امیر بھی شیعہ ہی ہوتے تھے۔ اس حکایت کے بیان کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور اس کے مستند ہونے میں اختلاف ہے۔ میں نے یہاں اس لیے لکھا ہے، کیونکہ اسے سمہودی نے بیان کیا ہے۔

عبدیٰ یوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابو طالب کی اولاد میں سے تھے۔ لیکن بعض موئرخین نے اس پر اختلاف کیا ہے اور ان کے مطابق وہ یہودی یا مجوہی (آتش پرست) تھے۔ تاریخ دانوں نے بھی عبدیٰ یوں کو زندیق یا ملحد کہا ہے جو عقیدہ تنازعِ روح (آواگوں) کا پرچار کرتے تھے۔ ان کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ اپنے وقت کے انتہائی جابر، بد

خلصلت اور فاسد فطرت کے حامل حکمران تھے۔

احمد ذکریٰ پاشا کی رائے

الہلال رسالہ نمبر 1920 جلد 27 میں ایک مضمون میں احمد ذکریٰ پاشا جس کو شیخ العرب کہا

جاتا ہے، نے لکھا ہے کہ:

تاریخ دان جمال الدین مطیری اور جلال الدین اسنوی نے اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کو مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جنہوں نے نور الدین اور ان کے ہم عصر لوگوں کے متعلق لکھا تھا یا ان کے بعد کے لکھنے والوں نے باوجود یہ کہا یہ نہایت اہمیت کی کہانی تھی، اس کے متعلق کوئی ذکر نہیں کیا۔ وہ اس واقعہ کو من گھڑت، خیالی اور جھوٹا تصور کرتے ہیں۔

میری رائے میں واقعات کا یہ تسلسل تاریخی لحاظ سے بہت اہم ہے۔ مدینہ میں ایک شاہراہ ہے جو ”تحقیفۃ الرصاص“ یا سیسے پلاٹی سڑک کہلاتی ہے۔ یہ مسجد نبوی کے جنوب مغرب میں باب السلام کے قریب ہی واقع ہے۔ ایک اور مقام جو دارالضیافت یا مہمان خانہ کہلاتا ہے اور یہ مسجد نبوی کے شمال کی طرف واقع ہے اور مجیدی گیٹ سے زیادہ دور نہیں ہے، میں یہ دونوں جگہ پیچانتا ہوں اور آسانی سے ان دونوں کا موقع شناخت کر سکتا ہوں گو آج کل ان کو شہر کی سڑکوں کی توسعے کی خاطر اپنی جگہ سے ختم کر دیا گیا ہے۔

اہل مدینہ کے علم میں ہے کہ ”تحقیفۃ الرصاص“ وہ جگہ ہے جہاں اس خندق کے اندر جس نے روضہ رسول ﷺ کو گھیر رکھا ہے سیسے اٹھیا گیا تھا۔ دارالضیافت غریب اور نادار لوگوں کی دیکھ بھال کرنے کے لیے بنائی ہوئی جگہ ہے، یہاں سلطان نور الدین نے دونوں مرکشی باشندوں کی شناخت کے لیے اہل مدینہ کو اکٹھا کیا تھا۔

احمد ذکریٰ پاشا، اپنی رپورٹ میں ان واقعات کا تسلسل برقرار نہیں رکھ سکا۔ اس بات کو رد نہیں

کیا جاسکتا کہ اس واقعہ کو خفیہ رکھا گیا اور جن لوگوں نے نور الدین کے متعلق کچھ لکھا ہے وہ بھی اس واقعہ سے ناواقف ہوں گے۔ مطربی اور اسنوی کی تحریروں میں جو فرق آیا ہے وہ قدرتی امر ہے کیونکہ ہر تاریخ دان کا واقعات کے لکھنے کا انداز دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔
جہاز میں آتش فشاں

مذہبیہ کی تاریخ کا ایک اہم واقعہ 654 ہجری (1256ء) کا آتش فشاں ہے جو حارة الشرقیہ میں پھوٹا تھا۔ اس زلزلہ کا ذکر رسول کریم ﷺ نے کیا تھا جو دو احادیث کی کتب میں درج ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ قیامت سے پہلے جہاز میں ایک بہت بڑی آگ بھڑ کے گی جو اونٹوں کی گردنوں کو روشن کر دے گی۔ رافع بن بشر سلمی نے اوابیہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آگ جب نامی جگہ سے آئی تھی، جو رات کو بھڑکتی تھی اور دن میں ختم ہو جاتی تھی۔

یہ آتش فشاں نہایت زور سے پھٹا اور تاریخ دان کہتے ہیں کہ یہ ایک زلزلہ سے پہلے رونما ہوا تھا جس کے بعد ایک دن میں 18 جھنکے ہوئے اور عمارتوں کو ہلا دیا اور وہ اس زور کے تھے کہ مسجد نبوی کی چھت کو بھی نقصان پہنچا۔

قسطلانی کے مطابق آتش فشاں ایک جمعہ کے روز دوپہر کے وقت پھوٹا اور اس میں سے لاوا گہرے دھویں کے ساتھ بہنا شروع ہوا جو تمام ماحول پر چھا گیا۔ جب رات ہوئی تو دھماکوں اور آگ کے زور سے تمام شہر روشن ہو گیا۔

قرطبی نے بیان کیا کہ جہاز میں مدینہ کے قریب بدھ کی رات ایک آگ بھڑک اٹھی جس کے بعد شدید زلزلہ آیا۔ یہ تین جمادی الاول 654 ہجری (1256ء) کا واقعہ تھا۔ یہ آگ جمعہ کے روز دوپہر کے قریب ختم ہو گئی۔ وہ بیان کرتا ہے کہ چشم دید گواہان کا بیان ہے کہ یہ آگ بہت دور

سے دیکھی جاسکتی تھی یہاں تک کہ مدینہ سے پانچ روز سفر کے فاصلہ پر بھی دیکھی جاسکتی تھی۔ دوسرے لوگوں نے بتایا کہ وہ مکہ سے بھی نظر آتی تھی اور تیما^۱ میں رہنے والے لوگ اس آگ کی چمک اور روشنی سے لکھ سکتے تھے۔

العماد بن کثیر کا بیان ہے کہ چیف جسٹس صدر الدین البنا کی نے بتایا کہ اس کے والد نے کہا تھا کہ بدلوگ کہتے تھے کہ انہوں نے اس آگ کی روشنی میں اپنے اونٹوں کی گرد نیں بھی دیکھی ہیں۔

آتش فشاں تین مہینے جاری رہا

یہ آتش فشاں تین ماہ وقفے وقفے سے جاری رہا اور پھر یہ خشک اور ختم ہو گیا۔ لا وہ آتش فشاں سے نکل کر نیچے حارة الشرقیہ میں بھر گیا اور متواتر بہتا ہوا جبل رایہ (Jabal Al Raya) کے دامن میں اکٹھا ہو گیا۔ یہ وادی کنغان ”حجزہ“ کے نیچے میں سے بہتا ہوا جبل احمد کے متوازی مشرقی طرف سے حارة العریض میں جم گیا۔ قسطلانی کہتا ہے کہ لا وہ جبل رایہ تک پہنچ گیا تھا اور وادی شزا میں بہتے ہوئے مسجد کے قریب جم گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا بہاؤ ایک راستہ کی شکل میں 14 میل لمبا اور 4 میل چوڑا اور ۱½ میٹر گہرا تھا۔ اس نے وادی رایہ کو بند کر دیا اور ایک بہت بڑا بارش کے پانی کا ذخیرہ بن گیا۔ اس ذخیرہ کی جگہ کو، اقول کہا جاتا ہے اور یہ مذہبیہ سے 22 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ جبل معقد متیر پر کھڑے ہو کر جہاں ایک پانی کا پہپ مذہبیہ شہر کو تازہ پانی مہیا کرتا ہے، کوئی بھی شخص پکھلی ہوئی چٹانوں کو دیکھ سکتا ہے۔

مسجد نبوی میں آتشزدگی

مسجد نبوی میں دوبار آتشزدگی تاریخ مذہبیہ کے اہم واقعات میں شامل ہے۔ جمادی اول

۱۔ تیما سعودی عرب کے شمال مشرق میں اس حصے میں واقع ہے جہاں مذہبیہ منورہ اور جوف کے راستے نفوذ صحراء سے گزرتے ہیں۔ تیما توبک سے 264 کلومیٹر جنوب مشرق میں اور مذہبیہ منورہ سے 400 کلومیٹر شمال میں واقع ہے۔ (مصنف)

654 ہجری (1258ء) میں حجاز میں آتش فشاں پھٹا، اسی سال ماہ رمضان میں مسجد نبوی میں اس کے سامان رکھنے والے کمروں سے اٹھنے والی آگ نے مسجد کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہاں کا سٹور کیپر مسجد کے شمال مغربی حصہ میں بنے ہوئے سامان رکھنے کے کمروں میں سے ایک کمرہ میں قدریلیں لینے کے لیے داخل ہوا اور اپنے ساتھ لائی ہوئی جلتی موسم ہتھی ایک بکس کے اوپر رکھ دی۔ اس بکس کو آگ لگ گئی اور اس نے تمام سامان یعنی قالین، نماز پڑھنے والی چٹائیاں وغیرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ بیچارہ اس آگ کو بجھانے میں ناکام رہا اور آگ کرہ کی چھپت سے ہوتے ہوئے مسجد کے باقی تمام حصوں یعنی محراب، مال خانہ، چبوتروں، قرآن اور دیگر دینی کتب تک پہنچ گئی۔ مذہبیہ کے گورنر آگ بجھانے کی کوششوں میں خود شامل ہوئے اور مذہبیہ کی بیشتر آبادی نے بھی اس کام میں حصہ لیا۔ آگ نے مسجد کی دیواروں پر لگی سجاوٹوں کو بھی ختم کر دیا اور صرف کمرہ کے درمیان واقع گنبد ہی بچا رہا۔ یہ گنبد مصر کے سلطان ناصر الدین اللہ نے 576 ہجری (1182ء) میں بنوایا تھا تاکہ مسجد کی بیش قیمت اشیاء جن میں عثمانی قرآن اور بہت سی نوادرات کے صندوق جو 300 ہجری (914ء) تک مددود تھے کو حفاظت سے رکھا جاسکے۔ مسجد کے ستون جن پر عمارت کھڑی تھی، کھجور کے جلے ہوئے توں کی مانند ہو گئے تھے۔ مسجد کی شاندار عمارت کو جسے آگ لگ گئی تھی، بنوامیہ اور عباسی خلفاء نے دوبارہ تعمیر کیا۔

دوسری بار مسجد کو 886 ہجری (1484ء) میں آگ لگ گئی۔ رمضان کے ایک ابراً الوددن کو جب کہ موڈن مسجد کے مینار کے اوپر کھڑے ہو کر نماز کے لیے پکار رہا تھا تو مینار پر بچالی گری اور موڈن فوراً ہلاک ہو گیا اور چھپت پر آگ لگ گئی۔ مسجد کے دروازے مکمل طور پر کھول دیئے گئے تاکہ لوگ داخل ہو کر آگ بجھانے میں مدد کر سکیں جو اس وقت تک مسجد کے مشرقی حصہ کو جلانے کے بعد شمالی اور مغربی حصہ کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی۔ بہت سے لوگ جو آگ بجھانے کے

لیے دوڑے آئے تھے، مسجد کی چھت سے گرے اور ہلاک ہو گئے، لوگوں میں بھگدڑ مجھ گئی، کل دس آدمی آتشزدگی کی وجہ سے وفات پا گئے اور مسجد کو بری طرح نقصان پہنچا۔ آگ نے محراب، مینار، منبر اور دروازوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ آگ نزد یکی گھروں تک پہنچ گئی تھی اور اس کے مکینوں نے گھبراہٹ میں بھاگ کر جان بچائی۔

پہلی آگ کے بعد بہت سے مسلمان بادشاہوں اور امراء سلطنت نے مسجد نبوی کو دوبارہ بنانے میں حصہ لیا لیکن دوسری آتشزدگی کے بعد سلطان قایتبائی نے اسے خود دوبارہ تعمیر کیا۔
مذہب میہنے..... عثمانی دور میں

سلطنت عثمانی کے فرمانرواؤں اور مذہب میہنے کے لوگوں کے بیچ پہلا تعلق 922 ہجری (1516ء) میں عثمانی سلطنت کے سلطان سلیم کا مصر فتح کرنے کے بعد ہوتا ہے۔

اس وقت شریف (فرمانروایہ) مذہب، شریف برکات تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کو دونوں متبرک عبادت گاہوں کی چاپیاں سلطان کے حوالے کرنے کے لیے مصر بھیجا۔ اس کے بدله میں سلطان نے شریف برکات کو مکہ اور مذہب میہنے کا فرمانروایہ قائم رکھا اور اس کا پیٹا اس کا نائب مقرر ہوا۔
مذہب میہنے میں، عثمانی ترکوں نے نظم و نسق اور دینی امور چلانے کے لیے چار ملکے قائم کئے تھے۔

- 1. قانون شریعت کا مکملہ۔
- 2. ملکہ پولیس، جواندرونی حفاظت کا ذمہ دار تھا۔
- 3. ملٹری گورنر کا ملکہ جو پریونی سیکورٹی کا ذمہ دار تھا۔ اس کے سربراہ کو شہر کا میسر (Mayor) کہا جاتا تھا۔
- 4. مسجد نبوی کے متولی (شیخ) کا ملکہ جو سب سے افضل اور برتر ملکہ تھا جو تمام دوسرے ملکموں کا گمراں بھی تھا۔ سلطنت عثمانی کے سلطان (بادشاہ) کے ساتھ اس کا براہ راست رابطہ رہتا

تھا۔ قاضی یا چیف جسٹس کا گرک ہونا لازمی تھا۔ اس کی تعیناتی ایک سال کے اضافہ کے بعد ختم ہو جاتی تھی۔ شیخ مسجد (امام) کا ایک مشہور دینی عالم ہونا، قانون شریعت میں مہارت اور دینی امور میں وسیع تجربہ رکھنا ضروری تھا۔ مزید یہ کہ اس کو اسلامی مملکت، انتیبول میں کام کرنے کا تجربہ حاصل ہونا شامل تھا۔^۱

ہر جمعہ کے روز مسجد نبوی کے متولی جنہیں شریف کہا جاتا تھا، انہی مجلس شوریٰ سے ملتے تھے جو شہر کے میر، اسلامی مکتبہ فکر کے چاروں فقهاء اور شہر کے مشہور شہریوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ یہ مجلس عوام کی مشکلات اور ان کی شکایات کا جائزہ لیتی اور انہیں دور کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ عثمانی ترکوں نے اہل مدینہ کے ساتھ تکی اور فیاضی کا سلوک روا رکھا اور وہ ان کو انعامات، تحائف اور نقدی سے نوازتے تھے جس کی وجہ سے شہر میں استحکام ہونے کے علاوہ علم و ادب کے گھوارے بھی ترقی پانے لگے۔

دیوارِ مدینہ

ترکوں کے دور حکومت میں مدینہ کی بڑی دیوار بنائی گئی۔ اس دیوار کو بنانے کی ابتداء سلطان سلیمان بن سلطان سلیم نے کی۔ اس کام کو 937 ہجری (1533ء) میں شروع کیا گیا اور یہ 948 ہجری (1544ء) میں مکمل ہوا۔ سلطان نے دیوار کے ساتھ متعلق ایک قلعہ بھی بنایا۔ اس کا مینار جبل سلیع سے شمال مغرب کی طرف پھیلا ہوا تھا۔ یہ دیوار 2,304 میٹر لمبی تھی۔

بعض لوگوں نے اس کی لمبائی 3,000 میٹر بتائی ہے۔ سمجھو دی نے اس کی لگت

۱۔ سلطنت عثمانیہ نے اپنے دور حکومت میں دینی علماء اور امام مساجد کو بہت اہمیت دی تھی اور ان کی امامت کے معیار کی بلندی کی ایک جھلک سلطان سلیمان کے دور (1520-1566ء) میں انتیبول کی سب سے بڑی مسجد کے امام کی تعیناتی کے لیے اس کی اہمیت کے متعلق دیے گئے ایک اشتہار سے عیاں ہے جو مصر کے مشہور اخبار الاحرام نے اپنی اشاعت 22 ستمبر 1986ء میں عوام الناس کے علم کی خاطر شائع کیا تھا جس کی نقل قارئین کی دلچسپی کی خاطر بیہاں پیش کر رہا ہوں۔ (مترجم)

Job Vacancy During Year 1520 - 1566

Here's a job advertisement for the position of Imam of the Grand Mosque in Istanbul at the time of Sultan Suleyman (Khaleefa) who ruled the Ottoman Empire from 1520 - 1566:

- ☞ To have mastered the language of Arabic, Latin, Turkish and Persian.
- ☞ To have mastered the Qur'an, the Bible and Torah.
- ☞ To be scholar in Shari'ah and Fiqh.
- ☞ To have mastered Physics and Mathematics up to teaching standard.
- ☞ To be Master of Chivalry, Archery, Dueling and the Arts of Jihad.
- ☞ To be of handsome countenance.
- ☞ To have a strong melodious voice.

(Source: Al-Ahram newspaper 22nd September 1986, Egypt)

ترجمہ:

(1520-1566 عیسوی میں خالی آسامی کے لئے اشتہار)

ترک سلطان سلیمان (غلیف) جنہوں نے سلطنت عثمانیہ پر (1520-1566) میں حکمرانی کی، کے دور حکومت میں استنبول کی جامع (گرینڈ) مسجد کے امام کی تعیناتی کے لئے جو اشتہار دیا گیا، اس میں مندرجہ ذیل قابلیت ضروری تھی:

- ☞ عربی، لاطینی، ترکی اور فارسی زبانوں پر عبور حاصل ہو۔
- ☞ قرآن، بائبل اور تورات پر عبور حاصل ہو۔
- ☞ قانون شرعیہ اور فقہ کا عالم ہو۔
- ☞ طبیعت اور ریاضی کے علوم پر تدریسی معیار تک عبور حاصل ہو۔
- ☞ جانبازی، تیر اندازی، توار بازی اور فن جہاد میں ماهر ہو۔
- ☞ وجہہ و خوبرو ہو۔
- ☞ مظبوط اور خوش الحان آواز کا مالک ہو۔

ماخذ: (اخبار الامارات، مورخہ 22 ستمبر 1986ء مصر)



مدینہ شہر کی قلعہ نما بڑی دیوار جو توکوں کے دور 937 تا 948 ہجری میں سلطان سلیمان بن سلطان سلیم نے بنوائی
(یہ فوٹو 1330 ہجری میں لی گئی)



دوسری فصیل مدینہ۔ جو گھر بڑی دیوار سے باہر رہ گئے تھے ان کو شہر کی حدود میں شامل کرنے کی خاطر بنائی گئی

100,000 دینار بتائی تھی۔ عمر بن محمود مدنی اپنی کتاب تاریخ عباسی میں جعفر حسین ہاشم کے مطابق اس کی تعمیر کا خرچ 70,000 دینار بتاتا ہے، 14000 بشل¹ (Bushels) گھبیوں، چاول، لوہا اور جو کے علاوہ ایک بڑی تعداد میں لکڑی، فولاد اور رنگ روغن بیان کرتا ہے۔

اس دیوار کے چار دروازے تھے۔ باب جمع جو جنتِ بیرونی کی طرف ہے، باب قلعہ جسے باب شامی بھی کہتے ہیں جو جرفِ گلی اور حمزہ کی طرف کھلتا ہے، باب صغیر جس کا رخ منا کہ اور باب مصری کی طرف ہے۔ بعد میں چار اور دروازے دیوار میں سے نکالے گئے باب مجیدی کا حاءِ کنویں کی طرف رخ ہے، یہ دروازہ سلطان عبدالجید کے عہد میں کھولا گیا۔ باب حمام، عوامی سٹریٹ کا رخ کرتا ہے، باب بصری اس کا رخ حسامی سٹریٹ کی طرف اور باب قاسمیہ کا رخ وادیِ شوانا کی طرف ہے۔

باب حمام کا افتتاح بالا کیہے نے اور باب قاسمیہ کا افتتاح مدنی نے کیا تھا۔ یہ دیوار پتھر کی بنی ہوئی ایک عالیشان عمارت تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ایک اونچا پہاڑ نیچے شہر کو دیکھ رہا ہے۔

ایک دوسری دیوار ان گھروں کو جو اس بڑی دیوار سے جو سلطان سلیمان نے بنوائی تھی، باہر رہ گئے تھے، شہر میں شامل کرنے کے لیے بنائی گئی تھی۔ دوسری دیوار بیرونی طرف سے قباء، عنبریہ اور قلعہ سے ہوتے ہوئے بڑی دیوار میں مل جاتی تھی۔ اس دیوار میں پانچ گیٹ تھے۔ دو بیرونی میں جن کا نام باب اول اور باب سد تھا۔ دوسرے تین گیٹ باب قباء جو قباء مسجد کی طرف تھا، باب عنبریہ جس کا رخ جدہ اور مکہ کی طرف تھا اور باب قومہ جو قلعہ کے مغرب میں واقع تھا۔

شہر مذہبیہ بہت عرصہ تک ان دیواروں کے اندر ہی رہاتا آنکہ جدید موڑ کاروں اور طیاروں کا

1. بشل (Bushel) غلہ ناپنے کا پیمانہ ہے، (ایک بشل 36 سیر کا ہوتا ہے)۔ (متترجم)

اس مملکت میں تعارف ہو گیا۔ سعودی دور میں ان دیواروں کی ضرورت ختم ہو گئی اور جدید کھلی سڑکوں کو بنانے کے لیے ان کو مسما رکر دیا گیا۔
جہاز ریلوے، مسجد اور کالج

ترکوں نے جہاز ریلوے لائن بچھائی جس کی دمشق سے مدینہ تک توسعہ کی گئی تھی۔ اس لائن نے مدینہ کو یورپی دنیا سے ملا دیا، خاص طور پر استنبول کے ساتھ۔ یہ کام 1326 ہجری (1908ء) میں مکمل ہوا۔ اس کو اس ارادہ سے شروع کیا گیا تھا کہ اسے بعد میں مکہ اور پھر جنوب کی طرف یمن سے منسلک کر دیا جائے گا۔ نو سال تک ریل دمشق اور مدینہ کے درمیان چلتی رہی اور حاجیوں کو شام، اردن، فلسطین، عراق، ترکی اور یورپ سے ارض مقدس لاتی رہی۔ ریلوے کے شروع ہونے سے مدینہ نے فوری طور پر تجارتی لحاظ سے ترقی کرنی شروع کر دی۔

عرب کے انقلاب نے 1335 ہجری (1917ء) میں اس ریل کا بیشتر حصہ تباہ کر دیا۔ جب



مدینہ میں عنبریہ کے علاقے میں ریل کا بڑا اسٹیشن جو ترکوں نے 1325 ہجری (1907 عیسوی) میں تعمیر کیا



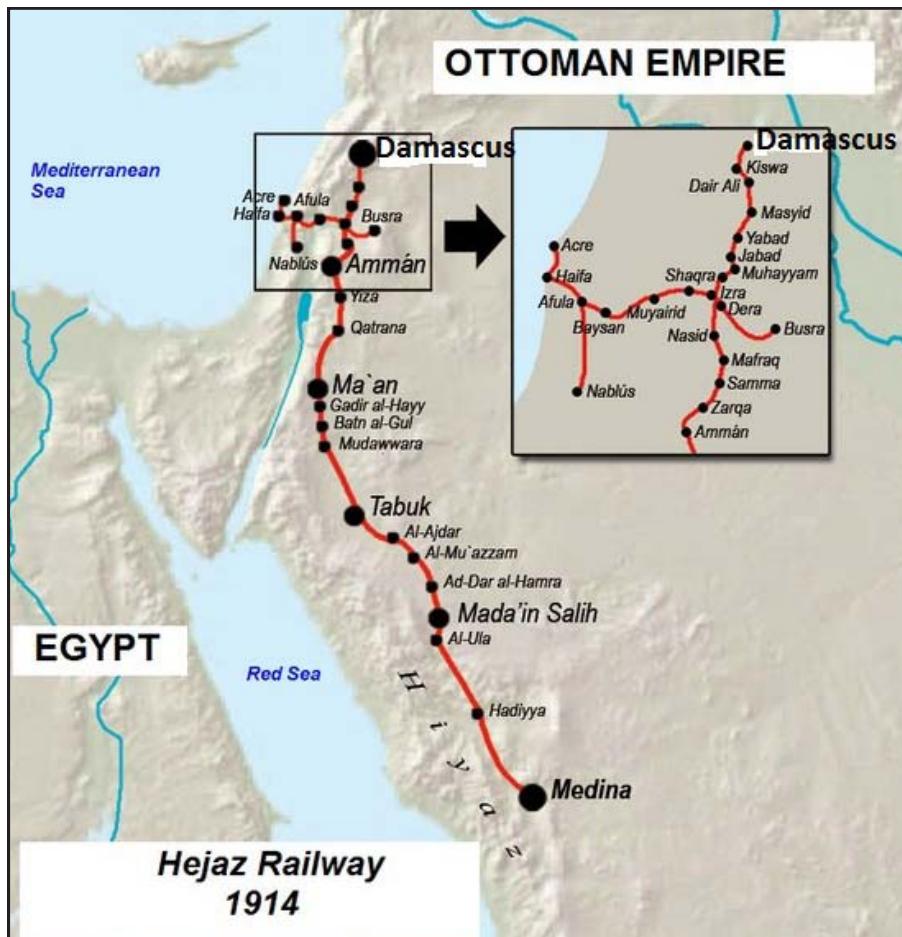
جاڑ ریلوے کا انجن مدینہ میں کھڑا ہے



غیریہ آٹیشن پر ریل کا ڈپ کھڑا ہے (جواب ریلوے میوزیم میں تبدیل ہو چکا ہے)

پہلی ریلوے ٹرین عرب میں داخل ہوئی تو اس نے 1303 کلومیٹر کا فاصلہ دمشق سے مدینہ تک طے کیا۔ اردن سے مدینہ تک 844 کلومیٹر کا فاصلہ طے ہوا۔ حال ہی میں ان تمام حکومتوں نے جہاں سے یہ ریلوے لائے گزرتی تھی، یہ فیصلہ کیا کہ اس کو دوبارہ جاری کیا جائے۔ یہ ممالک سعودی عرب، اردن اور شام ہیں۔

دمشق اور مدینہ کے درمیان ریلوے کے بہت سے اسٹیشن قائم کئے گئے۔ مدینہ میں



سلطنت عثمانی کے دور میں حجاز ریلوے کے روٹ کا نقشہ



چاڑیل

ریلوے کا بڑا اسٹیشن عنبریہ چوک پر واقع تھا۔ یہ 1325ء ہجری (1907ء) میں مکمل کیا گیا۔ اس اسٹیشن کے عقب میں ایک مسجد 1326ء ہجری (1906ء) کو بنائی گئی۔

اسی سال اسلامک کالج کی تعمیر کا کام شروع ہوا لیکن اس عمارت کی تعمیر مکمل نہ ہو سکی۔

سعودی دور میں اس عمارت کی پہلی منزل کی تعمیر مکمل ہو گئی لیکن اس بلڈنگ کو ثانوی (سینکنڈری) سکول میں تبدیل کر دیا گیا تھا اور اب تک یہ (سکول) کام کر رہا ہے۔

حسبہ: میونسپلی کے سربراہ

عثمانی ترکوں نے 1328ء ہجری (1910ء) میں مدینہ کے علی رضا پاشا کی گورنری کے دور میں بلدیہ (میونسپلی) کا نظام راجح کیا۔ مدینہ کے پہلے میرشیخ محمد حسن ثمان مقرر ہوئے۔ انہوں نے میونسپلی کے نئے دفاتر بنوائے جو بعد میں سعودی حکومت کے مدینہ شہر کو جدید بنانے والے منصوبہ کے تحت ختم کر دیے گئے۔ اب مناخہ ضلع میں محکمہ پولیس اور ٹیلی فون کے دفاتر کے مشرقی

(نوٹ مترجم) مصنف نے اس جگہ ترک، اشرف اور سعودی دور حکومت میں مقرر کیے گئے مختصوں کے ناموں کی تفصیل درج کی ہے مگر مترجم نے اختصار کی خاطر ان کا ترجمہ نہیں کیا کیونکہ تاریخ مدینہ پر اس کا کوئی نتیجہ خیز اثر نہیں پڑے گا۔

طرف ایک جدید اور کشادہ میوپلی بلڈنگ واقع ہے۔

میسر جسے پہلے محتسب اور اس کے فرائض کو حسابہ کہا جاتا تھا بھی وہی فرائض سرانجام دیتا ہے اور یہ فرائض موجودہ زمانہ کے میسر سے مختلف نہ تھے۔ علاوہ ازیں اس کے فرائض میں مزید اضافہ یوں کر دیا گیا کہ وہ نیک کاموں کے لیے حکم دے اور برائیوں کو روکے۔ اس کو اختیارات دیئے گئے تھے کہ وہ تحقیقات کر سکے۔ جرام کرنے والوں پر فیصلہ صادر کرے..... وہ فوجداری مقدمات اور اخلاقی رویوں کے خلاف معاملات پر سزا کا فیصلہ دے سکتا تھا۔ وہ مجرموں کو ڈروں (کوڑوں) اور قید کی سزا بھی دے سکتا تھا۔

ترکوں کے دور حکومت میں مدینہ کا محاصرہ

مدینہ کی تاریخ کا ایک نمایاں واقعہ عرب انقلاب کے دوران شہر کا دوسال تک محاصرہ ہے۔



عمر خیری پاشا ملٹری گورنمنٹ مذہبیہ

ترکوں نے اپنے مفاد کو چجانے کی خاطر جزیرہ نما عرب کے عین درمیان میں واقع شہر مدینہ کو ایک فوجی اڈہ میں تبدیل کر دیا تھا۔ انہوں نے عمر خیری پاشا کو شہر کا ملٹری گورنر مقرر کیا اور اپنی افواج کو مضبوط بنانے کی خاطر مزید فوجی دستوں اور سازوں سامان سے لیس کر دیا۔ کھانے پینے کی اشیاء صرف اسمگنگ

کے ذریعہ ہی سے دستیاب تھیں۔ جو لوگ اس طرح خرید و فروخت کرتے ہوئے پکڑے جاتے ان کو سخت سزا ملتی تھیں۔ یہ محاصرہ 1336 ہجری (1917ء) اور 1337 ہجری (1918ء) میں اپنے عروج پر پہنچ چکا تھا۔

مذہبیہ شہر کی حفاظت اور نظم و ضبط کو یقینی بنانے کے لیے اور بھوک و قحط کے خلاف شورش کو دبانے کے لیے فخری پاشا نے مذہبیہ کی آبادی کو شام، لبنان اور ترکی میں بے دخل کرنا شروع کر دیا۔ اس کی ان سرگرمیوں کی وجہ موجودہ فوجی صورت حال سے نہ مٹتا تھا۔ شروع میں ترک شہر کی آبادی کے اخلاع کی حوصلہ افزائی کے لیے ان کی پسند کے ملک میں بھجوادیا کرتے تھے مگر بعد ازاں ان کا جبری اخلاع کیا جانے لگا۔ شہر کو اس کی رہائش آبادی سے خالی کرانے کے لیے ایک منظم اور بھرپور تحریک سوچی گئی تھی۔ لوگوں کو زبردستی ریل گاڑیوں کے ذریعے نکالا جانے لگا۔ خوراک کی ابتدا حالت کی وجہ سے عوام مذہبیہ شہر چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور چشم دید گواہان کے مطابق محاصرہ کے دوران اس حد تک ظلم برپا ہوا کہ لوگ بلیاں اور کتنے تک کھانے پر مجبور ہو گئے بلکہ بعض اوقات وہ مجبوراً انسانی مردہ لاشوں تک کوکھا جاتے تھے۔ جن لوگوں میں کوئی خوف خدا نہ تھا وہ ان مجبور لوگوں کو یہ خوراک فروخت کرتے تھے۔ بعض لوگوں کو اس بہانہ سے شہر بدر کیا گیا کہ وہ اشرف خاندان سے مل گئے تھے۔ ترکوں نے بھر حال شہر چھوڑنے والوں کے لیے ایک رقم مختص کر دی۔ عوام انساس کے اس اخلاع کے دوران بہت سے لوگ وفات پا گئے اور جو نیچ رہے ان کی زندگی ایک دردناک عذاب میں تبدیل ہو گئی۔

محاصرہ کے دوران ظلم و ستم کو دیکھ کر بعض لوگوں نے اپنا گھر ایک بوری غله کے عوض پیچ ڈالا۔ ہم اس وقت چھوٹے بچے تھے، اور میرے والدین اس سے پہلے کہ محاصرہ کے نتائج اور زیادہ سنگین ہوتے پہلے گروپ ہی کے ساتھ شام منتقل ہو گئے۔ مجھے یاد ہے کہ میرے مرحوم والد

(اللہ ان پر اپنی رحمت فرمائے) نے کچھ غلہ انہائی مہنگی قیمت پر خریدا۔ اس غلہ کو ہمارے گھر ہی میں ایک مقامی شخص نے پیسا اور میرے والد نے اس آٹے کو ایسی جگہوں پر چھپایا کہ اگر حکومت کے لوگ گھر کی تلاشی لیں تو یہ نظر نہ آ سکے۔

روز بروز حالات کے سنگین ہونے پر ترک حکومت نے فخری پاشا کو حکم دیا کہ وہ مدینہ چھوڑ کر شام چلا جائے اور اپنے پیچھے اتنی فوج چھوڑ دے جو شہر کی حفاظت کر سکے۔ اس نے انکار کر دیا اور محصور شہر کے اندر ورنی حصہ پر قبضہ جاری رکھنے پر مصر ہوا اور مسجد نبوی میں پناہ لے لی۔ جمادی اول 1337 ہجری (1918ء) میں اس کسوٹے ہوئے اسی کے سینئر افسران نے چھاپ مار کر گرفتار کر لیا۔ بعد میں اسے امیر علی بن حسین کے حوالے کر دیا گیا۔

اس محاصرہ کی وجہ سے ترک فوجیوں کی ایک بڑی تعداد بھی بھوک اور بیماری سے ہلاک ہوئی۔

مذہبیہ..... ہاشمی اقتدار میں

شعبان 1334 ہجری (1915ء) میں مکہ کے شریف حسین بن علی نے ترکوں کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی ”الاتحاد“ اور ”الترقی“، تنظیمیں بن گئیں۔ ”یونین“ اور ”پروگریس“، جن کا مقصد عرب سرزمین کو آزاد کروانا اور طاقت کے بل پر عربوں کو ترک بنانے کے منصوبہ کی مزاحمت کرنا تھا کیونکہ یہ عربوں کو ترکی اور ترکوں کو عرب میں آباد کرنے کا منصوبہ تھا۔ عرب انقلاب کی وجہ سے ترک باشندوں میں جو حجاز، شام، لبنان، اردن اور فلسطین میں مقیم تھے خوف و ہراس پھیل گیا تا آنکہ انہوں نے عربی سرزمین کو خیر باد کہہ دیا۔ جنگ عظیم اول کے دوران انقلابی انگریزوں کے ساتھ مل گئے تاکہ فتح حاصل کر سکیں۔ اس وقت تک عربوں کے پاس ضروری طاقت اور تجربہ نہ تھا کہ وہ ترکوں کو اپنی سرزمین سے باہر نکال سکیں۔ انگریزوں نے عربوں سے وعدہ کیا کہ وہ عرب سرزمین کو آزاد کروادیں گے، لیکن متحده فوجوں کی ترکوں اور جمنی کے خلاف فتح

کے بعد انگریز اپنے وعدہ سے منحرف ہو گئے۔ متحده ملکوں نے عرب سر زمین کو تقسیم کر کے اپنی نو آبادیاں بنالیں۔ یورپ والوں نے عراق، شام، لبنان، اردن، اور فلسطین کو اپنی نو آبادیاں بنالیا۔ مصر اس وقت تک پہلے ہی انگریزوں کے ماتحت تھا۔ لیبیا، تیونس اور الجیریا، اٹلی اور فرانس کی نو آبادیاں بن گئے۔

اہل مذہبیہ کی واپسی

عثمانی دورِ اقتدار میں جواہل مذہبیہ اپنے گھر چھوڑ کر محاصرہ کے دوران پناہ گزیں ہو گئے تھے وہ واپس اپنے گھروں میں آ گئے۔ ہاشمی حکومت نے واپس آنے والوں کی مدد کی اور ان کو ماہوار مالی امداد فراہم کی۔ ان لوگوں نے باوجود کمزور سکت اور غربت کے ایک نئی زندگی کا آغاز کیا۔ ترکوں کی حکمرانی کے آخری ایام میں مذہبیہ کی کل آبادی 80,000 تھی اور 15,000 مزید واپس شہر میں آ گئے۔

امیر علی بن حسین نے مذہبیہ کی حکمرانی کی تا آنکہ وہ جدہ کے بادشاہ بنادیئے گئے۔ مذہبیہ کے نائب حاکم امیر احمد بن منصور تھے۔ اشرف کے پورے دور حکومت میں مذہبیہ میں ان کا نائب

(Regent) شریف بنی حسین رہے۔

مذہبیہ..... سعودی عملداری میں

مذہبیہ میں اشرف کی حکومت زیادہ دیر نہ چل سکی اور جلد ہی شاہ حسین بن علی اور شاہ عبدالعزیز سعود کے مابین ایک علاقہ جو دو دیہاتوں 'خرما' اور 'تربا' پر محصور تھا کی حاکمیت پر جھگڑا ہو گیا۔ ان دو دیہاتوں کا امیر، اشرف کے دور میں خالد بن لوئی تھا۔ وہ بعد میں شاہ عبدالعزیز کے ساتھ مل گیا اور دونوں دیہات سعودی مملکت میں شامل کر دیئے گئے۔ دونوں بادشاہوں کے درمیان کوئی معاهدہ طے نہ پایا تھا، جس طرح معاهدہ کے لیے گفت و شنید ہوئی تھی اور شاہ حسین

نے خبد کے لوگوں پر حج کرنے کی پابندی عائد کر دی تھی شاہ عبدالعزیز اس پر خوش نہ تھے۔ اس ایک بناء پر شاہ عبدالعزیز کی فوجوں نے اس علاقے پر قبضہ کر لیا۔ مکہ 14 ربیع الاول 1343 ہجری (1924ء) کو فتح ہو گیا اور اس کے بعد جدہ 4 جمادی الثانی 1343 ہجری (1925ء) کو فتح کر لیا گیا۔ جب مدینہ کا محاصرہ لمبا ہو گیا تو اہل مدینہ نے ایک وفد جو شیخ مصطفیٰ عیدل اور شیخ زائد ناصر پر مختصر تھا، نامزد کیا۔ یہ وفد ریاض میں شاہ عبدالعزیز سے ملا اور کہا کہ اہل مدینہ آپ کے کسی بھی بیٹے کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے لیے تیار ہیں۔ بادشاہ نے اپنے بیٹے محمد کو شہر مدینہ کا کنٹرول حاصل کرنے کے لیے نامزد کیا تاکہ اس وقت کے گورنر شریف احمد بن منصور اور اس کی چھاؤنی کے کمانڈر عبدالجید پاشا سے قبضہ حاصل کرے۔ یہ تقریب 19 جمادی الاول 1344 ہجری (1925ء) کو منعقد ہوئی۔ جب شہر میں امن و امان بحال ہو گیا تو شہزادہ محمد، ریاض واپس چلے گئے لیکن وہ مدینہ کے گورنر ہی رہے۔ مدینہ میں نائب گورنر نامزد ہوتے رہے جن کو گورنر کے مکمل اختیارات نظم و نقش چلانے کے لیے دیئے گئے تھے۔

مدینہ میں علماء اور اسلامی فقہاء

مدینہ منورہ اسلامی تعلیم اور اسلامی علم فقہ کے لاتعداد ابتدائی ذرائع سے بھرا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سب سے بڑے استاد اور رہبر تھے اور پھر ان کے گروں قدر صحابہ کرام۔ انصار اور مہاجرین انتہائی مخلص اور دیانتدار طالب علم واقع ہوئے تھے۔ جن علماء، فقہاء اور خدام نے نبی ﷺ کے سکول سے اسناد حاصل کیں ان میں بے شمار مومن مرد اور خواتین شامل ہیں۔ کوئی بھی عالم جو قرآن اور سنت کی سختی سے پیروی کرے گا وہ اسی سکول کا طالب علم ہی جانا جائے گا۔

نبی ﷺ نے جوشع روشن کی تھی اس نے علم، ایمانی حقیقت اور ہدایت کے نور سے مدینہ کو

بقع نور بنا دیا، پھر یہ نور مدنیہ سے نکل کر جزیرہ نما عرب اور تمام دنیا میں پھیل گیا۔ یہ نورِ دائمی ہے اور اللہ کے فضل سے بڑھتا ہی رہے گا اور دنیا کی کوئی طاقت اس کو ختم نہیں کر سکتی۔

نبی کریم ﷺ کے شاگردوں کے پہلے گروپ میں حضرت مصعب بن زبیر تھے جن کو حضور ﷺ نے ہجرت سے پہلے مدینہ بھجا کہ وہاں کی آبادی کو دینی شعار کی تعلیم دے سکیں۔ ان کے علاوہ حضرت ابو بکر صدیق، عمر بن خطاب، عثمان بن عفان، علی بن ابو طالب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت، عبد اللہ بن سلام، ابو ہریرہ، ابو ذر غفاری، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر، حضرت عائشہ بنت ابو بکر صدیق (ام المؤمنین)، حضرت حفصہ بنت عمر بن خطاب (ام المؤمنین) اور ان کے دوسرے فقیہ اور عالم ساتھی شامل ہیں۔ ان کے بعد دو سے چھ گروپ بننے ہیں وغیرہ۔ ان میں یہ شامل تھے:

عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد بن ابو بکر، محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس، محمد بن علی بن حسین، عامر بن عبد اللہ بن زبیر، سعید بن مصعب، محمد بن عبد الرحمن بن مغیرہ، مالک بن انس مالکی فقہ کے بانی، امام مالکؓ کے بے شمار شاگرد تھے جنہوں نے ان کے خیالات کو اندرس اور مغرب میں متعارف کر دیا۔ امام مالکؓ نے مدینہ منورہ میں تعلیم حاصل کی اور ماسوائے حج ادا کرنے کے وہ بھی بھی مدینہ سے باہر نہیں گئے تھے۔ وہ 94 ہجری (714ء) میں ذوالمرودہ کے مقام پر جو مدینہ کے شمال میں واقع ہے پیدا ہوئے۔ ان کی وفات 176 ہجری (794ء) میں ہوئی اور ان کو مدینہ میں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ ان کے شاگردوں میں سے ایک امام شافعی بھی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنی تمام زندگی مسلمانوں کی تعلیم و تربیت میں صرف کرداری تاکہ وہ اسلام کو پھیلانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ ان کے ماننے والوں نے بھی پوری کامیابی کے ساتھ ان کے

اس پیغام کو پھیلایا۔ انہوں نے پوری دیانت اور لگن سے نہ صرف اسلام کی اشاعت کی بلکہ اس کی بنیادوں کو مضبوط بنایا۔ مدینہ نے اپنی تاریخ میں لا تعداد مفکر، عالم اور مبلغ پیدا کئے اور اس کی آبادی دینی علم کے مختلف شعبوں کی وارث بن گئی۔

مسجد نبوی ایک عالیشان اسلامی یونیورسٹی کے طور پر اپنا کردار ادا کرتی رہی جہاں تمام دنیا کے طالب علم اکٹھے ہو کر علم حاصل کرتے اور فقہ (قانون شریعت) کے مشکل اور دقیق مسائل پر تجویزیہ نگاری و بحث کرتے تھے۔ علماء دین کے گھر کا الج بن گنے تھے جہاں طلباء ابن ہرمز اور ابن شہاب کے پیغمبر سنا کرتے تھے۔ امام مالک ہرمز کے شاگرد تھے اور وہ ان کی جماعت میں رات دیر تک حاضر رہتے۔

شاگرد بڑی تعداد میں علماء کی جماعتوں میں حاضر ہوتے تھے اور جماعت شروع ہونے سے بہت پہلے ہی انتظار کرتے رہتے تھے۔ امام مالک[ؓ] نے اس وقت تک فتویٰ دینا شروع نہیں کیا تھا جب تک 70 علماء نے ان کے لیے ایسا کرنے کی سفارش نہیں کی تھی۔ ابن شہاب ان چند بڑے علماء میں شامل ہیں جنہوں نے احادیث نبوی لکھیں اور اس شعبہ کے بنیادی نقااط کی تشریح کی۔ علماء کی ایک بڑی تعداد مدینہ سے دوسرے اسلامی ممالک میں چلی گئی تاکہ عوام کو اسلام کی صحیح تعلیم کے متعلق رہنمائی دے سکیں۔

علماء اور فقهاء کے علاوہ اس یونیورسٹی نے مصنفوں (نج) مبلغوں، سیاستدانوں اور ریفارمرز کو بھی اسناد دیں۔ ان لوگوں نے اسلامی تہذیب کی بنیادوں کو بہت مضبوط بنا دیا تھا۔ اس یونیورسٹی نے مصنفوں، دانشوروں اور ان صاحب قلم احباب کو بھی اسناد عطا کیں جنہوں نے اس کائنات کے خفی رازوں سے پرده اٹھانے کی خاطرا پی تحقیق اور کاؤشوں پر خیم کتابیں لکھیں۔ ان کاموں نے ایک ایسی اسلامی سوسائٹی بنانے میں مدد کی جو اسلام کے ان دشمنوں کے لیے رشک

کا باعث بنی جو اس مذہب کو ختم کرنا چاہتے تھے۔

گزشتہ 1300 سال میں مختلف رکاوٹوں کے باوجود شہر مدینہ نے اپنی علمی فضیلت کو قائم رکھا ہوا ہے۔ یہ شہر آج بھی علم و دانش کا مرکز ہے۔

مسجد نبوی اب بھی ایک عظیم دانش گاہ کے طور پر اپنا کردار ادا کر رہی ہے۔ دنیا کے مختلف علاقوں سے طلباء حصول علم کی خاطر مسجد نبوی میں آتے ہیں اور دینی علوم، عربی زبان، ریاضی، فلکیات، تاریخ اور دوسرے شعبہ جات میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ جب ہم سکول میں پڑھا کرتے تھے اس وقت بھی یہ تمام علوم تقریباً 20 کلاسوں میں پڑھائے جاتے تھے۔ ممتاز عالم دین بطور معلم یہاں کام کرتے تھے۔ درس و تدریس کا عمل صحیح بعد نماز فجر شروع ہوتا تھا اور رات عشاء کی نماز کے بعد تک چلتا تھا۔

جنگ عظیم دوم کے بعد، یونیورسٹیوں کے قیام اور پرائزیری و سیکنڈری تعلیم کے آغاز کی وجہ سے مسجد نبوی میں تدریسی عمل ماند پڑ گیا۔ دینی تعلیم میں کمی کو پورا کرنے کی خاطر حکومت نے مدینہ میں ایک اسلامی یونیورسٹی قائم کی جس میں مختلف اسلامی مکونوں کے رہنے والوں کو داخلہ دیا جاتا ہے۔ ریاض میں بھی ایک اسلامی یونیورسٹی کا قیام کیا جا چکا ہے۔ سعودی عرب کی سلطنت میں مختلف علاقوں میں دینی تعلیم کے مدارس کھول دیئے گئے ہیں۔

باب 2

مسجد نبوی ﷺ 1400 سالوں میں

مسجد نبوی ﷺ

رسول اکرم حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کو صرف تین مساجد میں جانے کے لیے سفر کرنا چاہیے، میری مسجد، مسجد الحرام اور مسجد قصیٰ۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ میری مسجد میں ایک نماز ادا کرنے کا ثواب دوسری مساجد میں ایک ہزار نمازیں ادا کرنے سے بہتر ہے مساواۓ مسجد الحرام کے۔ یہ بات مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کی فضیلت کی تصدیق کرتی ہے۔

مسجد نبوی ﷺ کا محل و قوع

مسجد نبوی ﷺ خط عرض بلد کے 0.35 درجے، زمین کے 24 ڈگریز، 28 منٹ پانچ سینٹ اور خط طول بلد کے 0.61 درجے، زمین کے 31 ڈگریز، 36 منٹ ایک سینٹ پر واقع ہے۔

یہ مسجد سطح سمندر سے 597 میٹروں پر ہے اور مدینہ کے عین وسط میں ایک چمکتے چاند اور دمکتے زیور کی طرح واقع ہے۔ یہ اسلام کی روشنی اور نور افشا نی کا ایک ذریعہ ہے۔

مسجد کی زمین

مسجد نبوی کی زمین کا قطعہ جس پر یہ بنائی گئی تھی شروع میں اسے کھجوریں خشک کرنے کے کام کے لیے استعمال کیا جاتا تھا اور یہ دو یتیم بھائیوں جن کے سرپرست (حضرت) اسد بن ذرارہ انصاری تھے، کی ملکیت تھی۔ وہ سہیل اور سہل تھے جو نافع بن عمر بن عقبہ نجاشی کے بیٹے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی مسجد بنانے کے لیے ان کی یہ زمین خرید لی تھی۔

یہ جگہ کھجور کے درختوں سے بھری پڑی تھی اور یہاں مشرکین کی قبریں اور کھنڈرات تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ درخت کاٹ دیئے جائیں، قبریں اکھاڑ دی جائیں اور

کھنڈرات ہٹا دیئے جائیں۔ یہ کام کرنے کے بعد زمین کو اس حد تک ہموار کیا گیا کہ وہاں تعمیری کام ہو سکے۔

رسول اللہ ﷺ کے وقت میں مسجد کی تعمیر

رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں مسجد کی دو بار تعمیر ہوئی۔ پہلی بار، پہلے ہجری سال میں (622ء) میں، تب اس کا رقبہ 850.5 مربع میٹر اور انچائی 2.9 میٹر تھی۔

دوسری بار سات ہجری میں خیر کی فتح کے بعد۔ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی وجہ سے مسجد کی توسعی کی ضرورت پیش آئی تاکہ زیادہ نمازیوں کے لیے گنجائش پیدا ہو سکے۔ اس بار مسجد کی وسعت 2025 مربع میٹر ہو گئی تھی۔ اس کی بنیاد پتھروں سے رکھی گئی، دیواریں انپتوں کی اور ستون کھجور کے درختوں کے تنوں سے بنائے گئے۔ انچائی بھی 4.06 میٹر کر دی گئی تھی۔

چھت کھجور کے درختوں کی ٹھینیوں کو گارے سے مضبوط کر کے بنائی گئی تھی اور ڈھلان دی گئی تاکہ برسات کے موسم میں پانی کا اخراج ہو سکے۔

رسول اکرم حضرت محمد ﷺ نے خود بھی تعمیر کے کام میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ حصہ لیا۔ وہ پتھر اور انپتوں ڈھوتے تھے۔

مسجد کی حدود

مسجد میں آنے والے آج کے شخص کے لیے بعد میں ہونے والی بہت سی توسعیات اور تعمیری مرمتوں کی وجہ سے بہت مشکل ہے کہ وہ نبی ﷺ کے وقت کے بنے ہوئے حصہ کی شاخخت کر سکیں۔ تاہم میں کوشش کروں گا کہ قارئین صاحبان اور زائرین کو رسول اکرم ﷺ کے وقت کی حدود مسجد کی دیواروں کی تشریح کر کے بتاسکوں۔

جنوبی دیوار

یہ دیوار جہاں رسول اکرم ﷺ محراب¹ میں نماز پڑھا کرتے تھے، سے آدھا میٹر فاصلے پر واقع ہے۔ موجودہ زردرنگ کے چھوٹے ستون جو مشرق سے مغرب کی طرف جاتے ہیں اور چبوترے (Dais) سے آدھے میٹر کے فاصلے پر رکھے گئے ہیں، یہ رسول اللہ ﷺ کے وقت میں صحیح جنوبی دیوار تھی۔

شمالی دیوار

رسول اللہ ﷺ کے وقت کی پرانی تعمیر شدہ شمالی دیوار کو سلطنت عثمانیہ کے سلطان عبدالمجید کے عہد میں کی گئی ترمیم کے دوران جوئی شمالی دیوار بنائی گئی تھی، اس میں شامل کر لیا گیا تھا۔ یہ دیوار مشرق سے مغرب کی طرف موجودہ مسجد کے دروازہ جسے مستورات کا دروازہ کہتے ہیں، کی توسعہ ہے۔

مشرقی دیوار

یہ دیوار چبوترے کے مشرقی حصہ کے دائیں جانب پانچویں ستون سے 1.8 میٹر پر واقع ہے۔

مغربی دیوار

یہ دیوار شمال سے جنوب میں واقع ان ستونوں پر محضرا ہے جن کے اوپر عربی زبان میں لکھا ہوا ہے کہ ”مسجد نبوی کی حدود کا اختتام“۔

یہ نبی ﷺ کے وقت میں بنائی گئی مسجد کی حدود ہیں۔ احادیث صحیح کے مطابق اب بھی پوری مسجد نبوی ﷺ کو مسجد (مسجد نبوی) ہی کہا جائے گا خواہ اس کو کتنا ہی بڑھا دیا گیا ہو۔ ایک حدیث میں جوابن شیبہ اور یحییٰ پیغمبر نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ ”اگر یہ مسجد صنعتاء (شمالی یمن) تک بھی بڑھاوی جائے تب بھی یہ میری ہی مسجد ہوگی۔“

۱۔ اسی کتاب میں ہی بتایا گیا ہے (صفحہ 78) کہ رسول اللہ ﷺ اور چاروں خلفائے راشدین کے وقت میں مسجد نبوی میں کوئی محراب نہ تھی اور پہلی بار محراب حضرت عمر بن عبد العزیز گورنر زمینہ کے دور میں بنائی گئی (مترجم)

ان دونوں اشخاص نے ہی ابن الی عمرؓ سے ایک دوسری حدیث میں روایت کیا ہے کہ ”اگر ہم اس مسجد کو قبرستان تک بڑھادیں تو بھی یہ مسجد نبوی ہی ہو گی“^۱ مسجد میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں لگے ہوئے دروازے جو دروازے اب ہم دیکھ رہے ہیں یہ وہ نہیں ہیں جو پرانی تعمیر میں لگے تھے۔ ان کی جگہ بھی تبدیل ہو گئی ہے۔ تاہم میں کوشش کروں گا کہ بتا سکوں کہ اس عمارت میں وہ پرانے دروازے کس جگہ واقع تھے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے پہلی بار اپنی مسجد کی تعمیر کی، نماز کا رخ شمال کی طرف القدس (یروشلم) میں مسجد اقصیٰ کی طرف تھا۔ مسجد (نبوی) میں صرف تین دروازے تھے۔ جو مشرق، مغرب اور جنوب میں کھلتے تھے۔

جب قبلہ مکہ میں کعبہ کی طرف تبدیل ہوا تو ایک نیا دروازہ مسجد کے شمالی حصہ میں کھولا گیا اور جنوبی دروازہ بند کر دیا گیا۔
مشرقی دروازہ

اس دروازہ کو مختلف نام دیئے جاتے رہے تھے جن میں باب عثمان اور باب نبی شامل ہیں (کیونکہ نبی ﷺ اسی دروازہ سے مسجد میں داخل ہوا کرتے تھے)۔ یہ دروازہ اب باب جبرائیل کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اگر کوئی زائر اس دروازہ سے داخل ہو کر سیدھا مغرب کی طرف چلے تو وہ زردرنگ کے چھوٹے ستونوں تک پہنچ جائے گا، جو انحوں چبوترہ کے سامنے رکھے ہوئے ہیں، پھر وہ فانوس جو کہ وہاں لٹک رہا ہے، کے نیچے کھڑا ہوتا ہے اکل اس جگہ پر ہوگا جہاں رسول اللہ ﷺ کے وقت

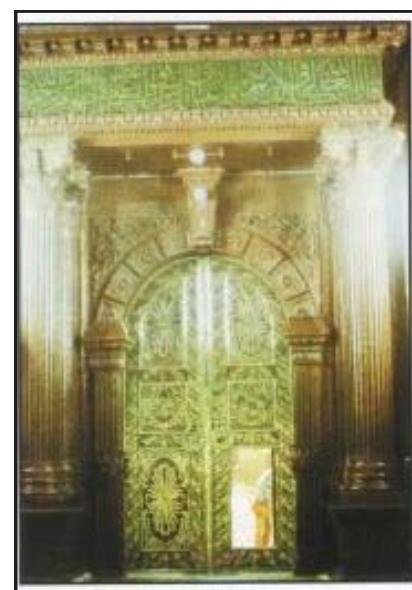
^۱ قبرستان مسجد کے مشرقی طرف وہ جگہ ہے جو بقیع کہلاتی ہے اور اہل مدینہ اپنے وفات یافتہ لوگوں کی تدفین کرتے ہیں اور تقریباً 10,000 صحابہ کرام یہاں دفن ہیں۔



باب جبراًئِل



باب السلام



باب رحمت

کا بنا ہوا مشرقی دروازہ تھا۔

مغربی دروازہ

پرانے وقتوں میں اس کو باب عقیقہ کے نام سے پکارا جاتا تھا لیکن اب اس کا نام باب رحمت ہے۔ جب کوئی زائر اس دروازہ سے داخل ہوتا ہے اور مشرق کی طرف چلتا ہے اور پھر آخری ستون پر کھڑا ہوتا ہے جس کے اوپر عربی میں لکھا ہے کہ ”مسجد نبوی کا اختتام“ تو وہ عین اس جگہ پر کھڑا ہے جہاں رسول اکرم کے وقت میں مغربی دروازہ لگا ہوا تھا۔ موجودہ مغربی دروازہ عین نبی ﷺ کے بنائے ہوئے دروازہ کے مقابل ہے۔

جنوبی دروازہ

یہ دروازہ اب باب عمر کے نام سے جانا جاتا ہے اور جنوبی دیوار کی مشرقی طرف واقع ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھنے کی جگہ اور روضۃ رسول ﷺ کے درمیان واقع ہے۔ اس کو اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ روضۃ رسول کی کھڑکی کے جنوب مغربی زاویہ پر ہے۔ یہ دروازہ بند کر دیا گیا تھا اور ایک نیا دروازہ شمال کی طرف اس وقت کھول دیا گیا تھا جب قبلہ مسجد اقصیٰ سے تبدیل ہو کر کعبہ کی طرف ہو گیا تھا۔

شمالی دروازہ

یہ دروازہ نبی اکرم ﷺ نے شمالی دیوار میں پرانے جنوبی دروازہ کے متوازی کھولا تھا جب کہ قبلہ کی مسجد اقصیٰ سے کعبہ کی طرف تبدیلی کی وجہ سے اس کو (پرانے جنوبی دروازہ کو) بند کر دیا گیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے نماز پڑھنے کی محراب

مسجد اقصیٰ سے خانہ کعبہ کی طرف قبلہ تبدیل کر دیا گیا جیسا کہ سورہ نمبر 2 (ابقرہ) آیت نمبر 144 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ”ہم تمہارے چہرہ کو (رہنمائی کے لیے) بار بار

آسمان کی طرف مڑتے دیکھ رہے ہیں! اب ہم تمہیں کعبہ کی طرف موڑ دیں گے جو کہ آپ کو خوش کر دے۔ اپنا چہرہ مسجد الحرام کی طرف موڑ دو: جہاں کہیں بھی تم ہو، اپنا چہرہ اس طرف (جهت) موڑ دو۔“

رسول اکرم ﷺ اور چاروں خلفاء کے وقت میں نماز کے لیے کوئی محراب موجود نہ تھی۔ اس کا سب سے پہلے آغاز حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بنو امیہ کے عہد میں کیا جب حاکم وقت ولید بن عبد الملک نے 88-91 ہجری (708-711ء) میں مسجد نبوی کی توسعہ اور تزئین کا کام کیا۔

موجودہ محراب، شریف قایتاً¹ کے وقت کی گئی تزئین کے آثار ہیں۔ جس جگہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کی جانب نماز پڑھا کرتے تھے وہ محراب کا مغربی حصہ ہے۔

اگر کوئی زائر محراب کو اپنے باائیں ہاتھ پر رکھے اور پھر چبوترے (Dias) سے چھ میٹر دور کھڑا ہو جائے تو وہ عین اس جگہ کھڑا ہو گا جہاں نبی اکرم ﷺ نماز پڑھاتے وقت کھڑے ہوا کرتے تھے۔

چبوترے (Dias) کے اوپر لکھا ہوا ہے ”یہ رسول اللہ ﷺ کی نماز ادا کرنے کی جگہ ہے۔“ پس ایک زائر کو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اللہ کے سامنے اپنی سپردگی پیش کرنی چاہیے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”جب میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں سوال کریں تو کہو کہ میں ان کے بہت قریب ہوں: میں اپنے ہر بندے کی دعا سنتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے۔ میرے بندوں کو بھی چاہیے کہ وہ دل سے میرے احکام کو مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں۔ (سورہ بقرہ آیت 186)

¹ حاکم مصر۔

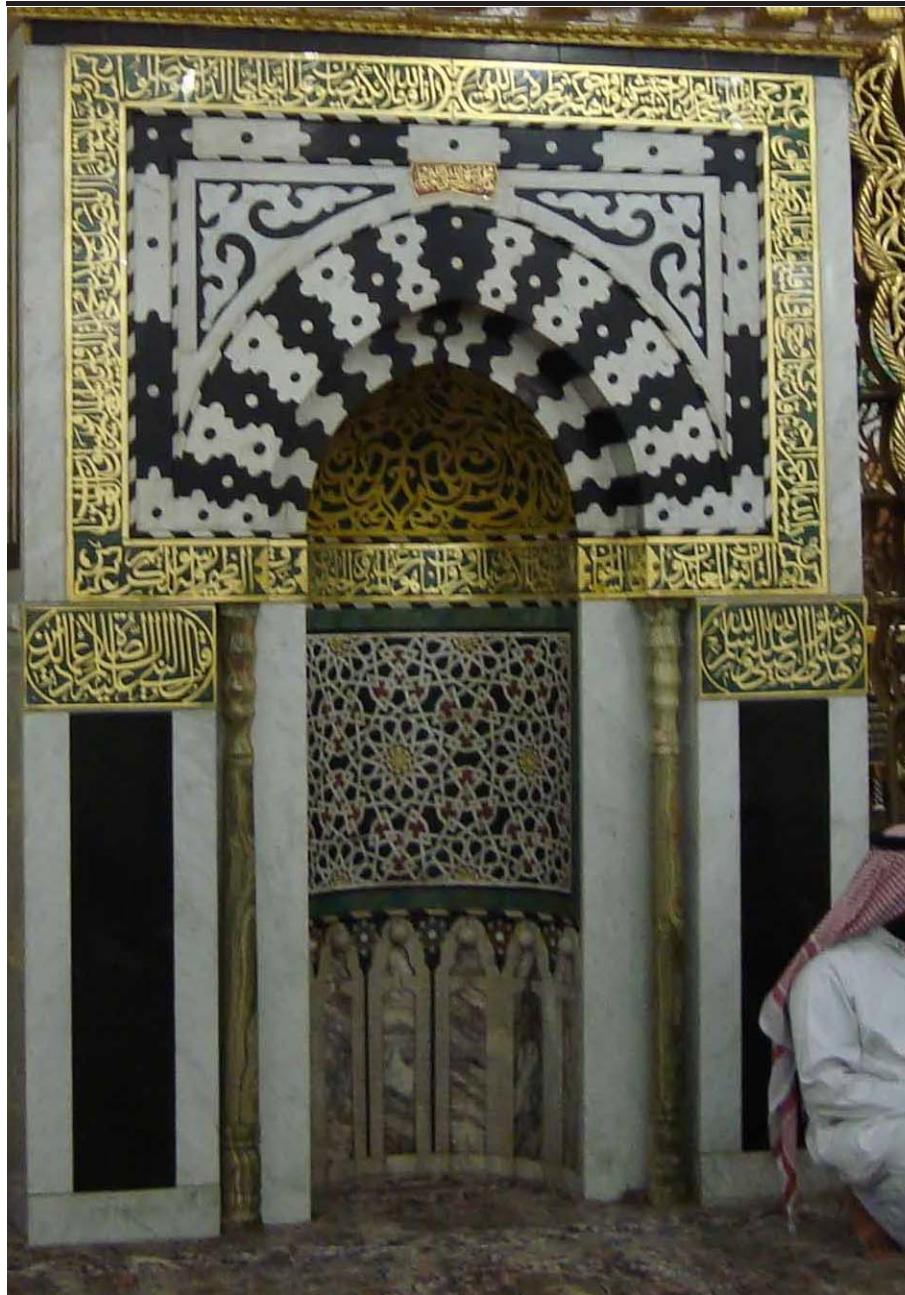
اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے: ”کہ مجھے بلا و تو میں تمہاری دعا کا جواب بھی دوں گا،“ – (سورہ مومن (غافر): 40 آیت: 60)

نبی ﷺ کی مسجد اقصیٰ کی جانب نماز ادا کرنے کی جگہ
نبی اکرم حضرت محمد ﷺ 16 یا 17 ماہ مسجد اقصیٰ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ جب تک کہ ان کو قبلہ، کعبہ کی طرف تبدیل کرنے کا حکم نہیں ملا، جو جنگ بدر سے دو ماہ پہلے دیا گیا تھا۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں ”رسول اللہ ﷺ نے قبلہ تبدیلی کے بعد پہلی نماز جس مسجد میں ادا کی وہ مسجد قباتین (دو قبلوں والی مسجد) کہلاتی ہے جو مدینہ میں بنی سالم کے محلہ میں واقع ہے۔ یہ تبدیلی نماز عصر کے وقت آئی۔“

اس مسجد میں ایسی کوئی نشانی نہیں ہے جس سے رسول اللہ ﷺ کے قبلہ کی تبدیلی سے پہلے مسجد اقصیٰ کے رخ نماز پڑھنے کی جگہ کا تعین کیا جاسکے۔ میں یہاں کوشش کروں گا کہ اس جگہ کے متعلق جس قدر ممکن ہو بتا سکوں۔

اگر آپ مسجد میں داخل ہو کر سیدہ عائشہؓ کے ستون سے گزر جائیں اور وہ آپ کے پیچھے رہ جائے اور پھر آپ سیدھا شمال کی طرف چل کر باب جبرائیل کے متوازی آجائیں تو آپ اس جگہ پر ہوں گے جہاں رسول اللہ ﷺ مسجد اقصیٰ کی طرف نماز ادا کیا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی ادائیگی نماز کی جگہ (مصلی) (مصلی) ستون سیدہ عائشہؓ پر رسول اللہ ﷺ اپنی محراب میں مستقل طور پر نماز پڑھنے سے پہلے (جو جگہ میں نے پیچھے واضح کر دی ہے)، کافی دن نماز کی امامت سیدہ عائشہؓ ستون پر فرماتے رہے۔ میں اس جگہ کی تشریع بعد میں کروں گا۔

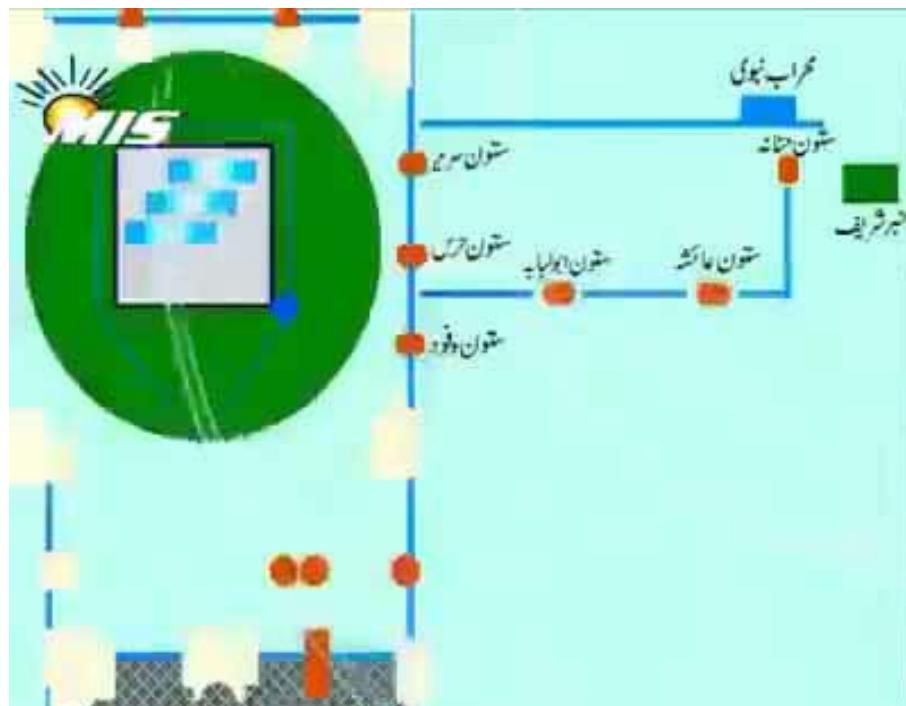


محراب، جس کی دائیں جانب کی سیاہ پٹی وہ جگہ ہے جہاں رسول اللہ ﷺ ادا نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے
(اس کے اوپر عربی زبان میں مخفی آویزاں ہے)

مسجد نبوی میں تاریخ ساز ستون

مسجد کے جنوبی حصہ میں جو ستون نظر آتے ہیں وہ سلطنت عثمانیہ کے حاکم سلطان عبدالحمید کے وقت ترمیم کے دوران بنائے گئے تھے۔ یہ ستون رسول اکرم ﷺ کے بنائے ہوئے گھور کے تنول سے بنے ستونوں کی جگہ تھے۔

یہ آٹھ ستون ہیں جن کی خاص اہمیت ہے اور اس طرح یہ تاریخی بھی ہیں۔ وہ یہ ہیں:



-1 - یہ وہ ستون ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ کی جائے عبادت پر ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے اسے خوشبو (حناء) کا ستون بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت مسلمہ بن اقوعہ جو رسول اللہ ﷺ کے صحابی تھے کو اکثر اس ستون کے پاس نماز پڑھتے دیکھا جاتا تھا۔ جب ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ یہاں نماز ادا کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ امام مالک نے بھی فرمایا کہ

نوافل ادا کرنے کے لیے سب سے بہترین جگہ ستون خوشبو ہی ہے۔

یہ ستون قدرے قبلہ کی سمت میں ہے اور اس کا کچھ حصہ محراب میں داخل ہونے کے لیے بنایا گیا تھا۔

2- ستون سیدہ عائشہؓ

یہ ستون منبر سے تیسرا ہے اور روضہ رسول ﷺ سے تیسرا اور تیسرا ہی مسجد میں قبلہ سے ہے۔ اس کو ستون مہاجرین بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ یہاں اکٹھے ہوتے تھے۔

اس ستون کا تیسرا نام ستون قرעה بھی ہے۔ طبرانی اپنی کتاب الاوسط میں سیدہ عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میری مسجد میں ایک جگہ ایسی ہے کہ اگر لوگوں کو اس کی فضیلت کا علم ہو جائے تو وہ وہاں اس قدر تعداد میں دعا کے لیے اکٹھے ہو جائیں کہ اس جگہ پر نماز پڑھنے کے لیے قرעה اندازی کرنی پڑے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ نے وہ جگہ بتانے سے گریز کیا لیکن یہ خیال ہے کہ انہوں نے خاموشی سے اس کے متعلق حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کو بتا دیا تھا۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے بہت سی فرض نمازوں کی امامت قبلہ کی تبدیلی (مسجد القصی سے خانہ کعبہ کی طرف) سے پہلے اسی جگہ پر ادا کی ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عثمان بن عفان، حضرت عبد اللہ بن زبیر اور حضرت عامر بن عبد اللہ رضوان اللہ عنہم نے بھی اسی ستون پر نماز پڑھی ہے۔

3- ستون توبہ

یہ ستون منبر سے چوتھا، روضہ رسول ﷺ سے دوسرا اور قبلہ سے تیسرا ہے۔ اس کو ابی لبابؓ ستون بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ حضرت ابولبابؓ نے خود کو سزا دینے کی خاطر اس ستون کے ساتھ باندھ لیا تھا۔ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کا ایک راز اپنے پرانے اتحادی بنو قریضہ کے یہودیوں پر

افشا کیا تھا۔ وہ اپنے اس فعل پر پشیمان ہوئے اور اپنے آپ کو اس ستون کے ساتھ باندھ لیا اور کئی روز بغیر کھائے پیٹے بندھ رہے اور قسم کھائی کہ وہ اس جگہ سے نہیں جائیں گے جب تک رسول اللہ ﷺ خود ان کو نہ کھولیں گے۔

ان کی صاحزادی ان کو نماز ادا کرنے یارفع حاجت کے لیے کھوتی تھیں اور پھر باندھ دیتی تھیں۔

آخر رسول اللہ ﷺ نے ابوالبابہؓ کو اس وقت کھول دیا جب اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ ان کی

چھی توہہ کی قبولیت کا اعلان کر دیا۔

حضرت ابوالبابہؓ کے متعلق دوسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے خود کو اس وجہ سے ستون کے ساتھ باندھ لیا تھا کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک میں نہیں جاسکے تھے۔

رسول اللہ ﷺ اپنے نوافل اس ستون کے پاس پڑھتے تھے۔ وہ فجر کی نماز کے بعد اس ستون کے پیچے بیٹھتے تھے اور غریب و ناقواں لوگوں کے ساتھ اور نو مسلموں کے ساتھ باتیں کرتے تھے اور انہیں گزشتہ شب کی آمد وحی کے متعلق بتاتے تھے۔

4- نیند (السریر) کا ستون

یہ وہ ستون ہے جو روضہ رسول ﷺ کی کھڑکی کے ساتھ اور ستونِ توبہ کے آگے مشرقی سمت پر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک بستر کجھور کے پتوں کا بنایا ہوا¹ گاہے بگاہے نیند کرنے کے لیے اس ستون کے ساتھ رکھوایا تھا۔ اس وجہ سے اس ستون کو یہ نام دیا گیا ہے۔

5- پھرہ دینے کا ستون

یہ ستون، توبہ کے ستون کے پیچے شمال کی طرف واقع ہے۔ یہ ستون حضرت علیؓ بن ابو

¹ غالباً چٹائی ہو گی (مترجم)

طالب کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی نمازیں یہاں ادا کیا کرتے تھے۔ وہ (حضرت علیؑ) اس ستون کے اس حصہ کی طرف جو رسول اللہ ﷺ کے گھر کے دروازہ کے ساتھ واقع تھا پھرہ کی خاطر بھی بیٹھتے تھے۔

مدینہ کے بعد کے حاکم بھی یہاں عبادت کیا کرتے تھے۔

6- وفود کا ستون

یہ ستون شمالی جانب پھرہ دینے والے ستون کے عقب میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس ستون پر تشریف رکھا کرتے تھے اور مقابل کے وفود کو بھی یہاں ہی ملتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ کے بہت سے صحابہ کرام اکثر یہاں بیٹھا کرتے تھے۔

7- ستون جبرائیل علیہ السلام

یہ ستون حضرت جبرائیل علیہ السلام کے نام سے جانا جاتا ہے اور روضہ رسول ﷺ کے مغربی جانب واقع ہے۔ اکثر موئخین کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی اور خلیفہ رسول حضرت علیؑ بن ابو طالب کی بیوی حضرت سیدہ فاطمہؓ کا گھر اس ستون کے سامنے تھا¹

8- ستون تہجد

یہ ستون سیدہ فاطمہؓ کے گھر کے شمالی حصہ کے پیچھے ہے۔ اس کی ایک محراب بھی ہے۔ اگر کوئی شخص اس ستون کے ساتھ کھڑا ہو تو مسجد کا باب جبرائیل اس کے باہمیں ہاتھ پر ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس نماز کے لیے ایک پتوں کی بنی ہوئی چٹائی تھی جو وہ رات کے پچھلے پھر نکال کر حضرت سیدہ فاطمہؓ کے گھر کے پیچھے ڈال کر نماز (تہجد) پڑھنا شروع کر دیتے تھے۔

¹ بعض دوسری کتب میں لکھا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اسی جگہ سے رسول اللہ ﷺ کو ملنے کے لیے داخل ہوتے تھے۔ اب یہ ستون عام لوگ نہیں دیکھ سکتے۔ (مترجم)



حضرت علیؑ سیدہ فاطمہ الزہرؓ کے گھر کے اصل دروازہ کا مقام، نشان

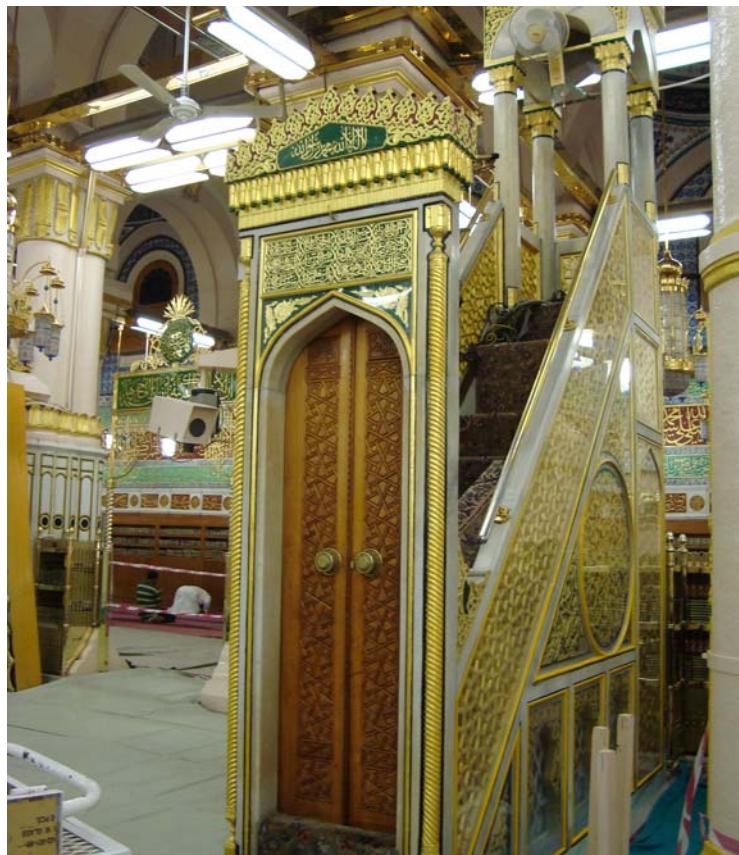


خاتون جنت حضرت فاطمہؓ کی شادی پر لی گئی اوزھنی (VEIL) جو کلمہ طیبہ لکھے جز دان میں رکھی گئی ہے۔ یہ نادر تبرک اس وقت استنبول (ترکی) کے تاریخی میوزیم توپ کاپی (Topkapi) میں فہرست نمبر 480-21 کے تحت درج شدہ ہے (مترجم)

اس نماز کو تہجد یا رات کے چھپلے پھر کی خود اختیاری (Voluntary) نماز کہا جاتا ہے۔ جب ایک رات آپ کے صحابہ نے آپ کے ساتھ شمولیت کی تو آپ نے فرمایا کہ یہ ایک خود اختیاری نماز ہے جو وہ ان کو نہیں بتانا چاہتے تھے مبادا یہ نمازوں کے لیے فرض بن جائے۔

رسول اللہ ﷺ کا منبر

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔“ انہوں نے مزید فرمایا ”میرا منبر جنت کے ایک تالاب پر کھڑا ہے۔“



منبر رسول ﷺ (موجودہ)

نسائی جو احادیث بیان کرنے والے معتبر شخص ہیں، نے ایک حدیث کا ذکر کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”کوئی شخص بھی اگر میرے منبر کے پاس کسی مسلمان کا پیسہ ناجائز طور پر حاصل کرنے کے لیے جھوٹی قسم کھائے گا اس پر اللہ، اس کے فرشتے اور سب لوگ لعنت بھیجیں گے۔“ اسی قسم کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ”اگر کوئی بھی شخص میرے منبر کے پاس اپنے چھوٹے سے گناہ کو بھی چھپانے کے لیے جھوٹی قسم کھائے گا تو وہ دوزخ میں جائے گا۔“ منبر کی ارتقائی منازل

رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ مسجد میں ایک کھجور کے درخت کا تنار کھوا�ا تاکہ جب کبھی خطبہ دیتے ہوئے وہ تھک جائیں یا کمزوری محسوس کریں تو اس کا سہارا لے سکیں۔ مدینہ کے ایک مسلمان شخص نے جب آنحضرت ﷺ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ میں رسول اکرم ﷺ کے لیے اس سے بہتر منبر بنائیں ہوں جس پر بیٹھا بھی جا سکتا ہو۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے اس شخص کو کہا کہ وہ اپنی اس تجویز پر کام کرے۔

اس شخص نے لکڑی کا ایک منبر تیار کیا جس میں تین یا چار سیٹریں تھیں۔ رسول اکرم محمد ﷺ نے اس کو آرام دہ پایا کہ خطبہ کے دوران اس پر بیٹھا جا سکتا تھا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے نئے منبر کا استعمال شروع کیا تو پرانا منبر اس طرح آپ کے لیے چیخ چیخ کروایا جیسے ایک اونٹی اپنے بچھڑے بچے کے لیے بلبلاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے محسوس کیا اور اس کو اپنی آغوش میں لے لیا تا آنکہ وہ خاموش ہو گیا۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ ایک گڑھا کھود کر اسے عزت کے ساتھ دفن کر دیا جائے۔ رسول اکرم حضرت محمد ﷺ اپنے خطبہ کے لیے تیسرا سیٹری پر کھڑے ہوا کرتے تھے۔ جب حضرت ابو بکر خلیفہ مقرر ہوئے تو وہ دوسری سیٹری پر کھڑے ہوتے تھے اور حضرت عمر بن خطاب پہلی سیٹری پر کھڑے ہوتے تھے۔

خلیفہ عثمان بن عفان پہلے چھ سال حضرت عمر کی تقلید کرتے رہے پھر وہ رسول اکرم ﷺ

والی سیڑھی پر آ گئے۔
منبر کا بعد میں استعمال

امیریہ عہد کے حاکم معاویہؓ نے منبر کی سیڑھیوں کا اضافہ کیا اور ان کو چھ کر دیا۔ پہلے وہ تین یا چار تھیں۔ جب 654 ہجری (1258ء) میں مسجد نبوی میں آگ لگنے کی وجہ سے یہ مکمل طور پر جل گیا تو یہن کے حاکم مظفر نے صندل کی لکڑی کا بنا ہوا ایک نیا منبر بھیجا جو دس سال تک استعمال ہوا۔

وہ سال بعد 664 ہجری (1268ء) میں مصر کے ظاہریہ س بندہ قاری نے ایک منبر بھجوایا جسے یمنی منبر کی جگہ رکھ دیا گیا۔ وہ 797 ہجری (1397ء) تک استعمال ہوا جب ظاہر برقوق نے ایک دوسرا منبر بھجوا کر اسے تبدیل کر دیا۔

880 ہجری (1478ء) میں مُعید شیخ منبرا نے ایک نیا منبر بھجوادیا اور جب چھ سال بعد مسجد نبوی جل گئی تو اہل مدینہ نے ایک اور منبر اینٹوں سے تعمیر کیا۔

دو سال بعد 886 ہجری (1486ء) میں اشرف قایتبائے نے ایک سنگ مرمر کا بنا ہوا منبر بھجوایا۔ اینٹوں کا بنا ہوا منبر توڑ دیا گیا اور اس کی جگہ یہ نیا لگا دیا گیا۔

998 ہجری (1593ء) میں سلطنت عثمانیہ کے سلطان مراد نے ایک سنگ مرمر کا بنا ہوا نیا منبر بھجوایا جو اس وقت دنیا کے عجائب میں سے ایک شمار کیا جاتا تھا۔ یہ منبر جمالیاتی اصولوں اور سونے کی نقاشی پر بنایا گیا تھا۔

قایتبائے والا منبر مسجد قباء اور سلطان مراد کا بھیجا ہوا نیا منبر بہاں (مسجد نبوی ﷺ) میں رکھ دیا گیا تھا۔ دونوں منبر ابھی بھی ان دونوں مساجد میں موجود ہیں۔

مقدس باغ (ریاض الجھت)



ریاض الجھت۔ رسول اللہ ﷺ کے گھر اور منبر کے درمیان جگہ

رسول اکرم محمد ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے گھر اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ موجود ہے۔ موئخین اور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ وہ باغ رسول اللہ ﷺ کے گھر جو سیدہ عائشہؓ کا بھی گھر ہے اور منبر کے درمیان واقع ہے۔

سلطنت عثمانیہ کے سلطان سلیم نے ریاض الجھت کے ستونوں کی تزئین کرائی سلطان سلیم، جو 945ھ/1541ء میں وفات پا گئے۔ انہوں نے ریاض الجھت میں ستون تعمیر کرائے جو آدھے سفید اور آدھے سرخ رنگ کے سنگ مرمر سے بنے ہوئے تھے اور ان پر سونے کے پانی کا کام ہوا تھا۔

جب سلطان عبدالجید نے مسجد نبوی کی تو ریاض الجھت والی چھت ختم کر دی لیکن سنگ مرمر کو بچالیا گیا اور نئے ستونوں کے بنانے میں استعمال کر لیا۔ بعض ستونوں کا سنگ مرمر



وقت کے ساتھ اکھڑ گیا تھا۔ ایسے ستونوں پر کچھ نقوش بنادیئے گئے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ ان پر سنگ مرمر لگا ہوا تھا۔

مینار

رسول اللہ ﷺ اور ان کے بعد چاروں خلفاء جنہوں نے حکومت کی، ان کے ادوار میں مسجد نبوی پر کوئی مینار نہیں بنا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز جو امیہ دور میں مدینہ کے گورنر تھے، نے مسجد نبوی میں سلطان سلیم جنہوں نے روپہ کے ستونوں پر پتھر لگایا اور تزمین و آرٹش کی پہلی بار جب اس کی 91-88 ہجری (708ء) میں تزمین ہوئی، میناروں کو روشناس کیا۔ انہوں نے مسجد نبوی کے چاروں کناروں پر چار مینار بنوائے۔

سلطان عبدالجمید کے دور کی تزمین میں میnar بنائے گئے مینار

جب سلطنت عثمانیہ کے سلطان نے مسجد نبوی کی ترمیم کروائی تو پانچ ستون بنائے گئے۔ وہ

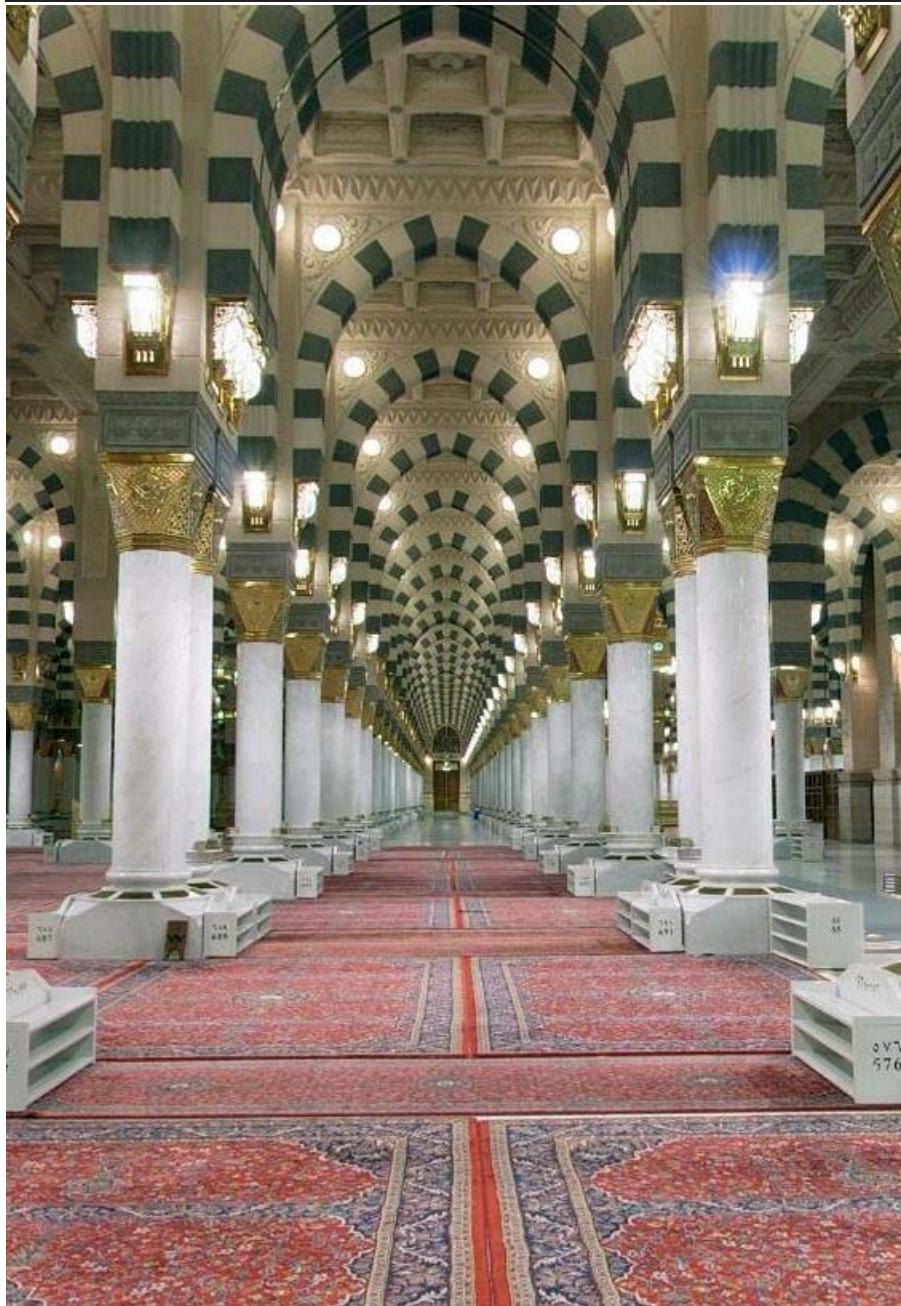
مندرجہ ذیل ہیں:

1- شامیان مینار

یہ مینار مسجد کے شمال مغربی حصہ میں بنایا گیا تھا لیکن اس کو بعد میں سعودی حکومت نے مسجد کی تعمیر نو کے وقت گرا دیا تھا۔

2- مشرقی مینار

یہ مینار، سنجاریہ اور عزیزیہ مینار کے نام سے بھی جانا جاتا تھا۔ یہ مسجد نبوی کے شمال مشرقی کنارے پر واقع تھا لیکن اسے بھی سعودی حکومت نے تعمیر نو کے وقت منہدم کر دیا تھا۔



مسجد نبوی میں ریاض الحجۃ کی جانب سے مغرب تا مشرق بنی ہوئی راہداری کا منظر (شاہ فہد کے دور میں)

3- جنوب مشرقی مینار

اس کو بڑا مینار کہا جاتا تھا اور ابھی بھی اسی نام سے بلا یا جاتا ہے۔ یہ وہ مینار ہے جو مسجد کے جنوب مشرقی کنارے پر گنبد خضری کے قریب واقع تھا۔

اس کی تین بار تزکیٰ میں اشرف قایتبائے نے 886، 888، ہجری اور 892 ہجری (1484ء، 1486 اور 1490ء) میں کروائی۔ اس نے اس کے بنانے کے سامان میں کالے رنگ کے پتھر کا استعمال کیا تھا اور اس کی اوپرچاری 60 میٹر کردی تھی۔

ابلل مدینہ نے یہ مینار، گنبد خضری کے ساتھ اپنی علامت کے طور پر بنایا ہے۔ اخبار مدینہ منورہ نے یہی نشان اپنی پہلی اشاعت 1356 ہجری (1937ء) میں جھنڈے کے طور پر اپنایا تھا۔¹

4- جنوب مغربی مینار

اسے مینار باب السلام (سلامتی کا دروازہ) کہا جاتا ہے، یہ ہی ایک مینار اب تک موجود ہے۔ تاریخ اسلام کے مشہور مؤرخ طبری کے مطابق یہ مینار سلطان نصر محمد بن قلاوون کے وقت کی تزکیٰ میں، 706 ہجری (1309ء) سے یہاں موجود ہے۔

لیکن اسلامی تاریخ کا ایک دوسرا مؤرخ ابن فرحون کہتا ہے کہ کافور المظفری جوزیادہ تر حریری کے نام سے جانا جاتا ہے، نے یہ مینار دوبارہ بنایا تھا۔

5- مغربی مینار

یہ مینار باب رحمت کے نام سے جانا جاتا تھا اور اس کی تزکیٰ میں سلطان اشرف قایتبائے نے 888 ہجری (1486ء) میں کی۔ یہ مینار مسجد نبوی کی دیوار سے باہر محمودیہ سکول کے

1۔ اخبار مدینہ منورہ مصنف کا ذاتی اخبار ہے اور مدینہ منورہ سے ہی شائع ہوتا ہے۔

اسامنہ کی رہائش والے گھر پر بنایا گیا تھا۔ سعودی حکومت نے تعمیر نو کے وقت یہ مینار اور سکول گرادیئے تھے۔



مسجد نبوی کے موجودہ پانچ میناروں کا منظر

سعودی دور میں بنائے گئے مینار

سعودی دور^۱ میں مسجد نبوی کی ترمیم اور وسعت کے وقت شمال مشرقی، شمالی مغربی اور باب رحمت کے تینوں ستون گرادیئے گئے، ستونوں کی تعمیر نو میں تمام ستون گرادیئے گئے، ہر ستون کی گہرائی 17 میٹر، اونچائی 70 میٹر ہے اور یہ دور جدید کے فن تعمیر کے مطابق بنائے گئے ہیں۔

مسجد نبوی کے طواف والے حصہ کی طرف وہ مینار جہاں سے اذان کی جاتی ہے، کو بہت

^۱ مصنف نے سعودی دور کو شاہ عبدالعزیز ابن سعود کے دور تک ہی لیا ہے۔ (مترجم)



سعودی دور میں مسجد نبوی ﷺ پر بنے دو میناروں میں سے ایک مینار کا منظر

سے بھلی کے قمروں نے گھیر رکھا ہے اور ہر مینار کے اوپر کے حصہ کو بقعہ نور بنادیا گیا ہے کہ رات کے وقت یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک نورانی ستون آسمان کی طرف اٹھان کر رہا ہے۔

مسجد نبوی کو وسعت دینے والے

جن حاکموں نے مسجد نبوی کے رقبہ کو وسعت دی اور اس کی ترمیم کی ان میں خلیفہ دوم حضرت عمر بن خطاب، خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفان، بنی امية کے ولید بن عبد الملک، عباسی حاکم مہدی عباسی، اشرف قایتبائے، سلطنت عثمانیہ کے سلطان عبدالجید اور شاہ عبدالعزیز بن سعود شامل ہیں۔¹

حضرت عمر بن خطاب کے وقت میں مسجد نبوی کی وسعت اور ترمیم

سال 17 ہجری (639ء)، میں خلیفہ عمر بن خطاب نے مسجد نبوی کے جنوبی حصہ کو ایک ستون کے فاصلہ کی وسعت دی اور مغرب کی جانب سے دوستونوں کے فاصلہ کے برابر اور شمال سے 13.5 میٹر لمبائی تک مسجد کو وسیع کیا۔ مسجد نبوی ﷺ کی کل لمبائی 53 میٹر ہو گئی اور اس کی چوڑائی 45.9 میٹر ہو گئی تھی۔

انہوں نے مسجد نبوی کی تعمیر نور رسول اللہ ﷺ کے نمونہ پر ہی کی اور اینٹوں، کھجور کے درختوں کے پتوں اور اس کے تنوں کو استعمال کیا۔ انہوں نے اس کی اوپرائی 4.9 میٹر کرداری۔

حضرت عمر نے انداز اکل 1100 میٹر رقبہ کا اضافہ کیا۔

حضرت عثمان بن عفان کے وقت میں مسجد نبوی میں وسعت اور ترمیم

28-30 ہجری (650-652ء) میں مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ حضرت عثمان بن عفان نے مسجد نبوی کو جنوب اور مغرب کی سمت سے ایک ایک ستون کے فاصلہ سے وسیع کیا اور شمالی

¹ اس کتاب کے لکھنے کے بعد 1405 ہجری تا 1414 ہجری (1984 تا 1994ء) میں مسجد نبوی کی سب سے بڑی اور تاریخی توسعہ خادم الحریمین الشریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز کے وقت میں کی گئی جس کا ذکر مترجم نے صفحہ 93، 92 پر مختصر اور ج کیا ہے۔

طرف سے 4.5 میٹر کی وسعت دی۔

بعض مؤرخین نے یہ بات غلط کہی ہے کہ حضرت عثمان بن عفان نے شمالی طرف سے مسجد کی 22.5 میٹر توسعہ کی تھی۔

انہوں نے ستونوں کی بناؤٹ میں کندہ شدہ پتھروں، لوہے اور سیسے کا استعمال کیا تھا۔

انہوں نے انداز 496 مربع میٹر توسعہ کی تھی۔

ولید بن عبد الملک کے دور میں مسجد نبوی کی توسعہ

بنوامیہ کے حاکم ولید بن عبد الملک نے 88-91 ہجری (708ء) میں مسجد نبوی کی ترمیم اور اس کے رقبہ میں توسعہ کی۔ بعض مؤرخین کے مطابق یہ ترمیم 93 ہجری (713ء) میں ختم ہوئی۔

یہ کام اس وقت کے مدینہ کے گورنر حضرت عمر بن عبد العزیز نے سرانجام دیا۔ انہوں نے مسجد نبوی میں جو کہ رسول اللہ ﷺ نے تعمیر کی تھی، پہلی بار میناروں کو متعارف کرایا۔ انہوں نے وہاں بالکل نیوں کا بھی رواج ڈالا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز نے رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات (امہات المؤمنین) کے رہائشی کمروں کو جو پہلے ہی توڑ دیے گئے تھے، مسجد نبوی میں شامل کر لیا۔ انہوں نے مسجد کے مشرقی، مغربی اور شمالی حصوں کو وسعت دی۔

بعض مؤرخین کے مطابق مسجد کی لمبائی اور چوڑائی دونوں اطراف میں 90/90 میٹر تک ہو گئی تھی۔

بنوامیہ کے حاکم ولید بن عبد الملک نے اپنے دور میں مسجد نبوی کی توسعہ تقریباً 2369 مربع میٹر تک کی تھی۔

یہ کہا جاتا ہے کہ ولید نے رومی بادشاہ سے مدد مانگی تھی اور بعض اطلاعات خاص طور پر مسلمان

مَوْرَخُ ابْنِ قَدَّامَةَ (Qodamah) کے مطابق اس نے 40 روپی مزدور اور 40 مصری قبطی قبیلہ (Coptic) کے مزدوروں کے علاوہ سونے اور پیچی کاری کے کام کی کافی مقدار بھجوائی تھی۔ اس تزئین میں دیواروں کی اندر ورنی آرائش سونے۔ سنگ مرمر اور پیچی کاری کے کام سے کی گئی۔ دروازوں کی سیڑھیوں پر سونے کا ملمع کیا گیا تھا۔

سعید بن مسیب کی ازواج مطہرات کے کروں پر رائے

سعید بن مسیب کی خواہش تھی کہ ازواج مطہرات کے کروں کو اسی طرح رکھا جاتا۔ انہوں نے کہا کہ میری یہ تمنا تھی کہ ان کروں کو توڑا نہ جاتا تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں رسول اکرم ﷺ کی سادہ زندگی کی تقلید کرتیں اور آپ کا دنیاوی عیش و آرام کی طرف راغب نہ ہونا اور اللہ پر توکل کرنے والی زندگی پر گزر بسر کرنا ان کے لیے باعث تقلید ہوتا۔

مہدی عباسی کا توسعی کام

سال 161-165 ھجری (779ء) میں عباسی فرمانرو امہدی نے مسجد نبوی کے رقبہ میں شہابی طرف سے 45 میٹر کا اضافہ کیا۔ بعض موڑخین کے مطابق اس اضافہ سے مسجد کی لمبائی 135 میٹر اور اس کی چوڑائی 48.6 میٹر تک پہنچ گئی تھی۔

اس نے مسجد میں رسول کریم ﷺ کے بعض صحابہ کرام ﷺ، حضرت عبد الرحمن بن عوف، شرجیل بن حسنہ، عبد اللہ بن مسعود اور مصور بن مخزومہ ﷺ کے گھروں کو بھی شامل کر لیا تھا۔

اس توسعے کا اندازہ 2450 مربع میٹر ہے۔

اشرف قایتبائے کے وقت کی توسعے

مسجد نبوی دوبار آتشزدگی کی وجہ سے تباہ ہوئی تھی۔ پہلی بار 654 ھجری (1258ء) میں اور دوسری بار 886 ھجری (1484ء) میں۔ پہلی آتشزدگی کے بعد بہت سے مسلمان بادشاہوں اور سربراہانِ مملکت نے مسجد نبوی کی تعمیر نو میں حصہ لیا۔ ان میں سے سب سے پہلے

عباسی فرمانروایت مقصوم باللہ تھے جنہوں نے 655 ہجری (1259ء) میں بغداد سے سامان تعمیر اور کارگیر (راج) بھجوائے۔ تعمیر کا کام شروع ہوا اور پھر اسی سال تاتاریوں کے حملہ اور بغداد کی فتح کے سبب بند ہو گیا۔

تب دوسرے مسلمان سربراہان نے تعمیر نو کے کام کو تیز کیا، جن میں یمن کے فرمانروای مظفر شمس الدین اور مصر کے فرمانروای منصور نور الدین علی، ابن معیز ایک، ظاہر رکن الدین بنیبرس، بندہ قاری اصغر محمد بن گلاون، صالح اشرف قایتبائے، ظاہر جمگ اور سلطان قایتبائے شامل تھے۔ ان فرمانرواؤں کا تعمیر نو کا کام چند سال جاری رہا لیکن انہوں نے مسجد کے رقبہ میں کوئی اضافہ نہ کیا۔

دوسری آتشزدگی 886 ہجری (1484ء) کے بعد اہل مدینہ نے مصر کے حاکم اشرف قایتبائے کو مدد کے لیے لکھا تو اس نے تمام ضروری سامان، کارگیر (راج) اور رقم تزمین کے لیے بھجوائی۔

مسجد کی چھت کی تعمیر 888 ہجری (1486ء) میں مکمل ہو گئی اور تمام تعمیر نو کا کام 890 ہجری (1488ء) میں مکمل ہوا۔

قایتبائے کی تزمین کا تذکرہ

مؤرخ برزنجی اپنی کتاب ”زہت الناظرین“ میں سلطان قایتبائے کی تزمین کی تعریف کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ یہ تزمین بعد میں سلطنت عثمانیہ کے فرمانرواؤں نے اپنی ہی ایک تزمین کے ساتھ تبدیل کر دی تھی۔ وہ بیان کرتا ہے کہ اس وقت مسجد نبوی زیادہ تر لکڑی کے تختوں، اینٹوں اور کالے پتھر کے ستونوں پر مشتمل تھی۔ مزید براں لو ہے کہ ستونوں کو سیسہ اور جپسم (Gypsum) کے ساتھ آپس میں جوڑ دیا گیا تھا۔

مسجد نبوی کے رقبہ میں فرق

برزنچی کہتا ہے کہ مسجد نبوی کی پہلی پیائش انداز تھیں جس کی وجہ پیائش کرنے والے آلہ جات کا آپس میں فرق تھا تا آنکہ قایتبائے نے تریمین کا کام سرانجام دیا اور یہ وثوق تھا کہ جنوبی طرف سے مسجد کی چوڑائی 64.2 میٹر تھی تو قبیلہ اشرف قایتبائے کے زمانہ تک کوئی وسعت مسجد کو نہ دی گئی تھی اور 886 ہجری (1486ء) میں اس (اشرف قایتبائے) نے گنبد خضرا کی تعمیر نو کے وقت دیوار کا حصہ ایک میٹر سے بڑھا دیا۔ سلطنت عثمانیہ کے سلطان عبدالجید نے بھی مشرقی جانب سے دو میٹر کا اضافہ کیا۔ برزنچی کا کہنا ہے کہ اس نے خود بھی مسجد کی پیائش کی تھی اور اگلی طرف سے چوڑائی 78.7 میٹر اور پچھلی طرف سے 60.7 میٹر پائی تھی۔

اس کی (برزنچی کی) شماریات مشہور مسلمان مورخ سمہودی کے بیان کے قریب ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ بعض مورخین نے صحیح پیائشوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ انہوں نے مسجد کی مختلف ادوار میں ہونے والی وسعتوں کو مبہم بنادیا۔ یہ بات عیاں ہے کہ یہ ابہام حضرت عمر بن خطاب کے وقت سے ہی جب انہوں نے مسجد نبوی کی وسعت کی تھی، پیدا ہوا۔

تاہم یہ صحیح ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے مسجد نبوی کے جنوب، مغرب اور شمال کے حصوں کو وسیع کیا اور اسی طرح حضرت عثمان بن عفان نے کیا۔ بنو امیہ کے حاکم ولید نے چاروں اطراف سے مسجد نبوی کو وسعت دی جب کہ عباسی حاکموں نے صرف شمال کی طرف سے ہی وسعت دی۔

سلطان عبدالجید کے دور میں تریمین اور وسعت سلطان قایتبائے نے مسجد نبوی میں جو دوسری آتشزدگی کے بعد تریمین و تعمیر کی تھی وہ تقریباً 387 سال قائم رہی اور پھر اس میں پرانی ہونے کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ ہونے لگی۔



سلطان اشرف قاجیباي



سلطان عبدالجید

اس وقت حرم کے نگران، داؤد پاشا نے یہ معاملہ سلطنت عثمانیہ کے سلطان عبدالجید خان کے ساتھ استنبول میں اٹھایا۔ سلطان نے اس پر بہت سمجھیگی سے غور کیا اور فوری تحقیق کا حکم دیا۔ جب اس کو نقصان کا علم ہوا تو اس نے تعمیر کے ماہر، بڑھی، راج اور تعمیری سامان روانہ کیا۔

1265ھجری (1849ء) میں تعمیر نو کا مامشروع ہوا اور 13 سال بعد ختم ہوا۔

مسجد نبوی سرخ پھرلوں کی اینٹوں سے بنائی گئی تھی، جو پھر غنوٹ کے مغرب میں ذوالحلیفہ کے ایک پہاڑ سے نکالے گئے تھے۔

مسجد نبوی کی یہ ترکیں و مرمت سب سے بڑی اور خوبصورت تعمیر نو تھی۔ مسجد کا جنوبی حصہ جو سلطان عبدالجید نے بنوایا تھا وہ سعودی تعمیر نو سے بھی سبقت لے گیا تھا۔ یہ تعمیر آج بھی مضبوط، جدید اور خوبصورت ہے۔ چھت کی بناؤٹ گنبد نما ہے اور لکڑی کی بنی ہوئی ہے اور گنبد کے اندر ورنی حصہ کو قدرتی مناظر، قرآنی آیات اور نبی ﷺ کے ناموں کو سونے کے پانی سے اور عربی خطاطی میں جمالیاتی انداز سے نقش و نگار کے ذریعہ چھت اور دیواروں پر، آراستہ کیا ہے۔

مسجد نبوی کے جنوبی حصہ کے دروازے جو سلطان عبدالجید نے بنائے تھے، ابھی بھی موجود ہیں۔ وہ باب جبرائیل، باب سلام اور باب رحمت ہیں۔

جو دروازے سعودی ترکیں و تعمیر میں مسجد کے شمالی حصہ سے تبدیل کیے تھے وہ باب مجیدی اور تیل کے سٹور کا دروازہ تھے۔

برزنچی کے مطابق سلطان عبدالجید نے مسجد کی تعمیر کے لیے 140 تھیلے (توڑے) سونے کے بھجوائے تھے۔ ایک تھیلا میں پانچ مجیدی سونے کے ٹکڑے تھے اور ایک ٹکڑا اس وقت کے

130 پیاسٹر (Piaster)¹ کے برابر تھا۔

سلطان عبدالجید نے مسجد کے شمالي حصہ میں قرآن پڑھانے کے لیے سکول بنائے اور کچھ گودام بھی بنائے۔ اس نے مشرق کی طرف سے 2.2 مربع میٹر سے مسجد کی توسعی کی یعنی مرکزی مینار سے باب جبرايل تک۔

مسجد میں سلطان عبدالجید کی کل توسعی تقریباً 1293 مربع میٹر تھی۔

شah عبدالعزیز کے دور میں توسعی اور ترمیم



شah عبدالعزیز

مسجد نبوی میں عبادت گزاروں کی کثرت کے باعث خاص طور پر حج کے موقع پر جگہ کم پڑ جاتی تھی۔ مزید براں تقریباً 1365 ہجری (1946ء) میں مسجد میں دراڑیں پیدا ہو گئی تھیں خصوصاً اس کے شمالي حصہ میں۔²

1 پیاسٹر (Piaster) اس زمانے میں ترکی اور اپیلن کا چاندی کا سکہ تھا۔

2 مصنف لکھتا ہے کہ 1368 ہجری (1949ء) میں اس نے اپنے اخبار کے ذریعہ شah عبدالعزیز کو درخواست کی کہ مسجد نبوی کی توسعی کی جائے۔ جس پر شاہ نے فوری معاشرہ میں مقرر کی جس کی روپورث اور دوسرے معاملات طے ہونے کے بعد 05-10-1370 ہجری (1951ء) میں توسعی کا کام شروع ہوا، اور 5 سال میں ختم ہوا۔ (مترجم)

مسجد نبوی کی بڑی تعمیر نو اور توسعہ

مسجد نبوی کی سب سے بڑی تعمیر نو عثمانیہ سلطان عبدالجید اور شاہ عبدالعزیز بن سعود نے کی تھی لیکن ان میں بھی سب سے بڑی توسعہ شاہ عبدالعزیز نے کی ہے۔

یہ دونوں تعمیرات و توسعیات اس وقت بھی موجود ہیں۔ سلطان عبدالجید کے وقت کی ترمیم مسجد کے جنوبی حصہ میں اب بھی دیکھی جاسکتی ہے جب کہ شاہ عبدالعزیز کی توسعہ و تعمیر شمالی حصہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔



١٢٩١/١١/٦
١٩٧٠/٣/٢٣

شاہ فیصل بن عبدالعزیز

شہا فہد نے مسجد نبوی ﷺ کی سب سے بڑی توسعے کروائی^۱



شہا فہد بن عبدالعزیز

شہا فہد کے دور کی توسعے کے بعد مسجد نبوی کا رقبہ 82,000 مربع میٹر ہو گیا تھا اور زیادہ سے زیادہ گنجائش 135,000 نمازوں کی ہو گئی تھی۔

میناروں کی تعداد چھ سے بڑھا دی گئی، جب کہ ہر مینار کی بلندی عمومی 72 میٹر کی جگہ 90 میٹر رکھی گئی تھی۔ درمیانے اور ذیلی دروازوں

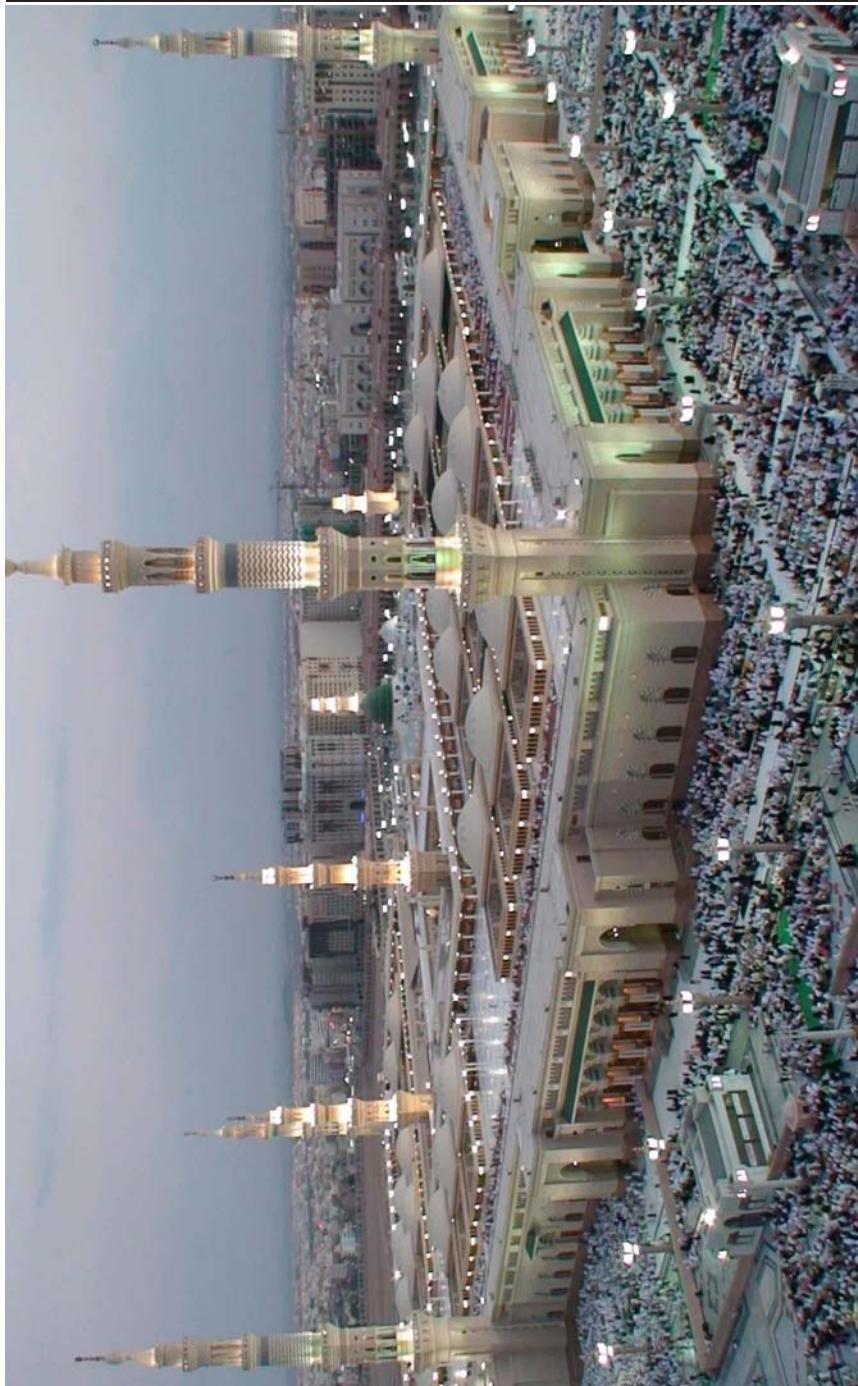
کے علاوہ سات بڑے دروازے رکھے گئے، مسجد میں داخلہ کی سہولت کی خاطر مزید دروازے بھی رکھے گئے اور 16 راستے کر دیئے گئے تھے۔ اس توسعے سے مسجد کی چھت کے ہموار حصے نماز کی ادائیگی کے لیے استعمال ہوئے اور نمازوں کی کل گنجائش 240,000 ہو گئی۔ اس توسعے سے مسجد میں ٹھنڈی ہوا (ایر کنڈیشنگ) دی گئی ہے اور ہوا آنے کا راستہ چھت سے دیا گیا۔

^۱ گومنٹ نے اپنی کتاب کو شاہ عبدالعزیز کے دور تک ہی محدود رکھا ہے، لیکن کتاب کے تتمہ میں صفحہ 249 پر منظر اشہ فہد بن عبدالعزیز کے دور کی توسعے و ترمیم (1405ھ تا 1414ھ) 1984ء تا 1994ء کے متعلق بھی بیان کیا ہے کہ ان کے دور کی توسعے اس وقت تک مسجد نبوی کی تاریخ کی سب سے بڑی توسعے تھی۔ (مترجم)



شاہ فہد کے دور کی ترمیم.....مسجد نبوی ﷺ کے گھن میں نصب چھتریوں کا خوبصورت منظر





سچ بہبی
مودودی دریں

سعودی تعمیر نو کی ضروری تفصیلات

سلطنت عثمانیہ اور سعودی حکومت کے دور کی تعمیر نو دونوں ہی ایک دوسرے کی مدد (مدگار) ہیں۔ عثمانیہ سلطان کے وقت کی کل تعمیر نو کا رقبہ جو سعودی حکومت نے تعمیر و توسعے کے لیے شامل کیا 6,247 میٹر ہے۔ شاہ عبدالعزیز نے جو توسعے مسجد نبوی میں کی اس کا کل رقبہ 6,024 میٹر ہے۔ ان دونوں کو اکٹھا کیا جائے تو کل رقبہ 12,271 میٹر تھا جس پر شاہ عبدالعزیز نے تعمیر نو کی۔ جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ مسجد نبوی کا وہ حصہ جو سلطان عبدالجید سے تعمیر نو کے کام کے لیے رہ گیا تھا وہ جنوبی حصہ تھا جس کا کل رقبہ 4,058 مرلے میٹر ہے۔ اس میں روضہ رسول ﷺ، گنبد خضرا، منبر، ریاض الجلت، تاریخی ستون، بڑا مینار، باب السلام اور رسول اللہ ﷺ کا مصلی (نمایز کی جگہ) تھی۔

مسجد نبوی کی توسعے کے پراجیکٹ کے دفتر نے مختلف ادوار میں رسول اللہ ﷺ کے دور سے لے کر مسجد نبوی میں ہونے والی تاریخی توسعات کے متعلق اعداد و شمار شائع کیے ہیں جو ذیل میں دیئے جاتے ہیں:

☆..... مسجد نبوی کی توسعے جو نبی اکرم ﷺ نے فتح خیر کے بعد 7 ہجری میں کی 2475¹ مرلے میٹر۔

☆..... حضرت عمر بن خطاب کی توسعے 17 ہجری (639ء) میں 1100 مرلے میٹر

☆..... حضرت عثمان بن عفان کی توسعے 30-29 ہجری (651-652ء) 496 مرلے میٹر

¹ مصنف نے صفحہ 73 پر یہ وسعت 2025 مرلے میٹر بیان کی ہے۔

- ☆.....ولید بن عبد الملک کی توسعہ91-88 ہجری (708-711ء) 2,369 مربع میٹر
- ☆.....عباسی حاکم مہدی کی توسعہ161-165 ہجری (779-783ء) 2,450 مربع میٹر۔
- ☆.....سلطان عبدالجید کی توسعہ1,293 مربع میٹر
- ☆.....شاہ عبدالعزیز بن سعود کی توسعہ6,024 مربع میٹر

اخرجات

مسجد نبوی کی توسعہ کے پراجیکٹ کے ڈائریکٹر جزل کے مطابق شاہ عبدالعزیز کے وقت کی توسعہ اور تعمیر نو پر 30 ملین (3 کروڑ) سعودی ریال خرچ ہوئے تھے۔ مزید حکومت نے 40 ملین (4 کروڑ) سعودی ریال مسجد نبوی کی توسعہ کے لیے جو زمینیں خریدی تھیں ان کا معاوضہ دیا گیا۔

تعمیر نو میں باہمی فرق

سالوں میں (تقریباً) فرق

رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی کی بنیاد رکھی اور فتح خبر کے بعد کی تعمیر نو کا فرق:	10 سال
حضرت عمرؓ کی تعمیر نو فتح خبر کی تعمیر کے بعد ہوئی:	10 سال
حضرت عثمانؓ بن عفان نے جو تعمیر حضرت عمرؓ کی تعمیر کے بعد کی	13 سال
ولید بن عبد الملک کی تعمیر اور حضرت عثمانؓ کی تعمیر میں فرق	62 سال
المہدی حاکم بنی امية کی تعمیر کا فرق ولید بن عبد الملک کی تعمیر میں فرق	70 سال
مسجد کی پہلی آتشزدگی اور مہدی کی تعمیر نو میں فرق	74 سال
مسجد کی دوسری آتشزدگی کے بعد حاکم مصر قایقاۓ کی تعمیر نو اور پہلی آتشزدگی	21 سال
کے بعد تعمیر	

سلطان عبدالجید کی تعمیر اور قیباۓ کی تعمیر نو میں فرق۔¹

شاہ عبدالعزیز کی تعمیر اور سلطان عبدالجید کی تعمیر نو میں فرق

تعمیر نو کے ہر دور میں مسجد نبوی میں بہت سی تبدیلیاں اور بہتریاں رونما ہوئیں۔

وہ لوگ جنہوں نے مسجد نبوی کی ترمیم کی مگر اس کا رقبہ نہیں بڑھایا²

بہت سے لوگوں نے مسجد نبوی کی مرمت کی، اس کی بہتری کا کام کیا اور اس کی ترمیم کی لیکن اس کے رقبہ میں توسعہ نہیں کی، ان میں ذیل کے نام آتے ہیں۔

خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ، ناصر الدین اللہ، یمن کے حاکم مظفر شمس الدین، حاکم مصر محمد بن فلاوون صالحی، نور الدین علی بن معیز ایک، ظاہر بیہری، علی ظاہر جمگ بندہ گری، اشرف سرا سبائی، اشرف شعبان بن حسین اور سلطنت عثمانیہ کے سلطان سلیمان، مراد، سلیمان اور محمود اول۔

۱۔ صفحہ 99 میں 387 سال لکھا ہے۔ قیباۓ کی تعمیر 890 ہجری (1488ء) سلطان عبدالجید کی تعمیر 1278 ہجری (1862ء) میں مکمل ہوئی۔

۲۔ صفحہ 95 پر ”مسجد نبوی کو وسعت دینے والے“ کے عنوان کے تحت حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے مسجد کا رقبہ بڑھایا تھا۔ (مترجم)

شاہ عبدالعزیز کے فرزندان (بیٹے)

- 1 شہزادہ ترکی (اول) کویت میں 1316 ہجری (1890ء) میں پیدا ہوئے اور 1337 ہجری (1919ء) میں وفات پائی۔
- 2 شاہ سعود کویت میں 1319-10-14 ہجری (1902ء) میں پیدا ش ہوئی اور 1388 ہجری (1969ء) میں وفات پائی۔
- 3 شاہ فیصل ریاض میں 1324-2-14 ہجری (1906-4-9ء) میں پیدا ش ہوئی اور ہوئی اور ربیع الاول 1395 ہجری (1975ء) کو شہید ہوئے۔
- 4 شہزادہ محمد ریاض میں 1330 ہجری (1910ء) میں پیدا ش ہوئی اور 25-11-1988 کو وفات پائی۔
- 5 شاہ خالد: ریاض میں 1331 ہجری (1913ء) میں پیدا ش ہوئی اور 21-8-1402 ہجری (13-6-1982) کو وفات پائی۔
- 6 شہزادہ ناصر ریاض میں 1337 ہجری (1911ء) میں پیدا ش ہوئی اور 1405 ہجری (1984ء) میں وفات پائی۔
- 7 شہزادہ سعد 1337 ہجری (1915ء) میں پیدا ش ہوئی اور 23-07-1993 کو وفات پائی۔
- 8 شاہ فہد ریاض میں 1338 ہجری (1921ء) میں پیدا ش ہوئی اور 01-08-2005 میں وفات پائی۔

- 9. شہزادہ منصور 1338 ھجری (1921ء) میں پیدائش ہوئی اور 1370 ھجری (1951ء) میں وفات پائی۔
- 10. شاہ عبداللہ ریاض میں 1340 ھجری، (1924ء 10-08) میں پیدائش ہوئی اور 2015-01-23ء میں وفات پائی۔
- 11. شہزادہ بندر 1341 ھجری، (1923ء) میں پیدائش ہوئی۔
- 12. شہزادہ سلطان 1344 ھجری (1931ء) میں پیدائش ہوئی اور 2011-10-22 کو وفات پائی۔
- 13. شہزادہ مشعل 1344 ھجری، (1926ء) میں پیدائش ہوئی اور 2017-02-29ء کو وفات پائی۔
- 14. شہزادہ مسادر 1344 ھجری (1923ء) میں پیدائش ہوئی اور 2013-08-19 کو وفات پائی۔
- 15. شہزادہ عبدالمحسن 1345 ھجری (1925ء) میں پیدائش ہوئی اور 1405 ھجری (10-05-1985) کو وفات پائی۔
- 16. شہزادہ مشعاری 1349 ھجری (1932ء) میں پیدائش ہوئی اور 2000-05-23ء میں وفات پائی۔
- 17. شہزادہ متعب 1350 ھجری (1931ء) میں پیدائش ہوئی۔
- 18. شہزادہ طلال 1350 ھجری (1931ء) میں پیدائش ہوئی۔

- 19- شہزادہ عبدالرحمن 1350 ہجری (1931ء) میں پیدائش ہوئی اور 13-7-2017 میں پیدائش ہوئی اور وفات پائی۔
- 20- شہزادہ بدر 1351 ہجری (1932ء) میں پیدائش ہوئی اور 1-4-2013 کو پیدائش ہوئی اور وفات پائی۔
- 21- شہزادہ ترکی (دوم) 1351 ہجری (1934ء) میں پیدائش ہوئی اور 11-11-2016 کو پیدائش ہوئی اور وفات پائی۔
- 22- شہزادہ نواف 1352 ہجری (1932ء) میں پیدائش ہوئی اور 29-9-2015 کو پیدائش ہوئی اور وفات پائی۔
- 23- شہزادہ نائف 1352 ہجری (1934ء) میں پیدائش ہوئی اور 16-6-2012 کو پیدائش ہوئی اور وفات پائی۔
- 24- شہزادہ فواز 1352 ہجری، (1934ء) میں پیدائش ہوئی۔ اور 19-7-2008 کو وفات پائی۔
- 25- شاہ سلمان 1355 ہجری، (1935ء) میں پیدائش ہوئی۔
- 26- شہزادہ ماجد 1355 ہجری، (1938ء) میں پیدائش ہوئی اور 13-4-2003 کو وفات پائی۔
- 27- شہزادہ عبدالاله 1357 ہجری (1939ء) میں پیدائش ہوئی۔
- 28- شہزادہ احمد 1358 ہجری (1942ء) میں پیدائش ہوئی۔

29	شہزادہ سلطام	1359ھ (1941ء) میں پیدائش ہوئی اور 2013ء میں وفات پائی۔
30	شہزادہ ثامر	1359ھ (1937ء) میں پیدائش ہوئی اور 7-6-1958 کو وفات پائی۔
31	شہزادہ ممدوح	1360ھ (1940ء) میں پیدائش ہوئی۔
32	شہزادہ مشہور	1360ھ (1942ء) میں پیدائش ہوئی۔
33	شہزادہ ہذلول	1360ھ (1941ء) میں پیدائش ہوئی اور 29-9-2012 کو وفات پائی۔
34	شہزادہ عبدالجعید	1361ھ (1942ء) میں پیدائش ہوئی اور 5-5-2007 کو وفات پائی۔
35	شہزادہ مقرن	1361ھ (1945ء) میں پیدائش ہوئی۔
36	شہزادہ محمود	1336ھ (28-10-1947ء) میں پیدائش ہوئی اور 26-2-1994 کو وفات پائی۔

(نوٹ مصنف) میں نے یہ تمام نام ایک سعودی مصنف محمد حسین زیدان کی کتاب ”عبدالعزیز اور بڑا خاندان“ (Abdul Aziz and Great Entity) سے لੇਂਚ کئے ہیں۔ اس کتاب کے صفحہ 106 پر ہم نے پڑھا، ”یہ مرحوم شاہ عبدالعزیز کے وہ بیٹے ہیں جو بڑے ہو گئے ہیں۔ لیکن ان کے اور بھائی بھی تھے جو کم سنی ہی میں وفات پا گئے تھے۔“ اسی بات کا علم مجھے ایک اور کتاب ”جزیرہ نما عرب شاہ عبدالعزیز کے دور حکومت میں، Arab Peninsula at the Reign of King Abdul Aziz“ کا مصنف خیر الدین زرقانی ہے، کے صفحات 1403-1412 کے پڑھنے پر بھی ہوا۔ میرا تیسرا ذریعہ، شیخ عبدالرحمٰن ابن عبدالطیف شیخ کی لکھی ہوئی کتاب ”آل سعود کا سلسلہ نسب“ (Al Saud Genealogy) ہے اور محمد امین تیجی کا لکھا ایک قلمی نسخہ ہے، جواب شاہ عبدالعزیز لاہوری، ریاض میں دستیاب ہے۔

باب: 3

روضہ رسول ﷺ (بیت النبی)



روضہ رسول ﷺ کے سامنے تکوں کے دروازے لگی ہوئی جانی کی پرانی تصویر



روضہ رسول ﷺ کے سامنے لگی ہوئی جانی عہد حاضر میں

روضہ رسول ﷺ (بیت النبی)

نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

مسلمان عموماً اور اہل مدینہ خصوصاً یہ تسلیم کرتے ہیں کہ روضہ رسول ﷺ کی جگہ ہی رسول کریم ﷺ کی رہائش تھی جہاں وہ حضرت سیدہ عائشہ بنت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ رہائش پذیر رہے۔ اس جگہ کے متعلق مشہور تاریخ دان سمودی کا بیان ہے کہ روضہ رسول ﷺ کی لمبائی مشرق سے مغرب کی طرف 8 میٹر یعنی 26.4 فٹ اور چوڑائی 5.5 میٹر یعنی 18.15 فٹ ہے۔ اندر وہی دیوار کی موٹائی تقریباً ایک میٹر یعنی 3.3 فٹ ہے۔

روضہ رسول ﷺ حضرت سیدہ فاطمہؓ بنت رسول ﷺ کے گھر سے ماحقہ شماں حصہ میں واقع ہے۔ اس گھر کی دیوار میں ایک خلاء یا کھڑکی تھی جہاں سے رسول اکرم ﷺ حضرت فاطمہؓ کی خیر و خیریت دریافت کیا کرتے تھے۔ ایک رات جب سیدہ عائشہؓ اپنے گھر میں داخل ہو رہی تھیں تو ان کی سیدہ فاطمہؓ کے ساتھ اس خلاء یا کھڑکی کی وجہ سے کچھ تکرار ہو گئی۔ سیدہ فاطمہؓ نے تب رسول اکرم ﷺ سے کہا کہ اس جگہ کو بند کروادیں اور وہ بند کروادی گئی۔ جنوبی طرف ایک شارع عام تھی جو حضرت حفظہؓ بنت عمر بن خطاب کے گھر کو بیت النبی سے جدا کرتی تھی۔ ان دو گھروں میں اتنا قریب فاصلہ تھا کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفظہؓ آپس میں اپنے اپنے گھروں کے اندر رہی سے بات چیت کر لیا کرتی تھیں۔ حضرت حفظہؓ کا گھر اس جگہ واقع تھا جہاں اب رسول اکرم ﷺ کے روضہ کو دیکھنے کے لیے لوگ کھڑے رہتے ہیں۔ اس کا کچھ

حصہ روضہ رسول ﷺ سے باہر ہے۔ گھر کے مشرقی حصہ کے ساتھ وہ جگہ مخصوص ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نماز جنازہ پڑھایا کرتے تھے۔ یہ حصہ اس جگہ میں شامل کر لیا گیا ہے جہاں اب روضہ رسول کی مشرقی کھڑکی واقع ہے۔

بیت الرسول ﷺ کی بناوٹ

رسول اللہ ﷺ نے اپنا سادہ سا گھر اسی سامان سے بنایا جس سے مسجد نبوی بنائی گئی تھی۔ کچی مٹی کی اینٹیں، کھجور کے تنے اور کھجور ہی کے پتوں سے بنایا گیا تھا۔ اس چھوٹی سی جگہ میں رسول اللہ ﷺ نے ایک کمرہ بنایا جس پر اونی کپڑے کا سایہ کیا گیا تھا۔ اس کی چھت کو ہاتھ بلند کر کے چھوا جا سکتا تھا۔ اس گھر کے دو دروازے تھے۔ ایک دروازہ مغربی سمت میں اس گلی میں کھلتا تھا جو مسجد میں جاتی تھی اور دوسرا دروازہ شمال میں کھلتا تھا۔ دروازوں کی کوئی چوکھت نہیں تھی اور سخت کھر دری لکڑی کے بنے تھے۔ کسی دروازے پر کنڈی نہیں لگی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک (روضہ نبوی)

رسول اکرم ﷺ اپنے گھر کے کمرے میں ہی مدفن کیے گئے۔ آپ کا سر مبارک مغرب کی طرف رکھا گیا اور آپ کی ٹانگیں مشرق کی طرف رکھی گئیں۔ چہرہ مبارک کا رخ قبلہ رو تھا۔

جب حضرت ابو بکرؓ کا انتقال ہوا تو ان کی تدفین بھی روضہ رسول میں ہی کی گئی۔ ان کا جسد خاکی رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں ہی دفن کیا گیا۔ حضرت ابو بکرؓ جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھی، دوست اور ان کے پہلے خلیفہ بھی تھے نے سیدہ عائشہؓ سے روضہ رسول ﷺ میں دفن ہونے کے لیے کہا اور سیدہ عائشہؓ نے اسے منظور فرمایا۔ ان کا سر مبارک مغرب کی طرف رسول اللہ ﷺ کے کنڈھے کے نیچے اور پاؤں مشرق کی جانب ہیں۔ چہرہ مبارک کا رخ قبلہ رو ہے۔

(الف) حضرت عمرؓ کی قبر مبارک
 (ناف بن ابی نعیمہ کے بیان کے مطابق)

حضرت عمرؓ بن خطاب نے اپنی وفات سے پہلے حضرت سیدہ عائشہؓ سے اجازت چاہی کہ ان کی تدفین بھی ان کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ ہو جائے۔ وہ (سیدہ عائشہ) شروع ہی سے اپنی تدفین بھی روضہ رسول ﷺ میں ہی کرنے کی خواہش مند تھیں مگر جب حضرت عمرؓ نے یہ درخواست کی تو انہوں نے فوراً ہی اس کو مان لیا۔ جب حضرت عمرؓ کو دفن کیا گیا تو ان کا سر مغرب کی طرف حضرت ابو بکرؓ کے کندھے سے نیچے اور پاؤں مشرق کی جانب تھے۔ ان کا چہرہ مبارک قبلہ رو تھا۔

یہ بیان عام لوگ مانتے ہیں جیسا کہ سہودی نے بیان کیا ہے۔

(ب) حضرت عمرؓ کی قبر مبارک

(قاسم بن محمد بن ابو بکرؓ صدیق کے بیان کے مطابق)

القاسم^۱ بن محمد بن ابو بکر صدیقؓ نے بتایا کہ انہوں نے سیدہ عائشہؓ سے کہا کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک دکھائیں۔ جب انہوں نے روضہ رسول کو کھولا تو انہوں نے تین قبریں دیکھیں۔

1- رسول اللہ ﷺ کا جسد خاکی سامنے تھا۔

2- حضرت ابو بکرؓ کا سر رسول اللہ ﷺ کے کندھوں کے ساتھ تھا۔

3- حضرت عمرؓ کا سر رسول اکرم ﷺ کے پاؤں کے قریب تھا۔

سمہودی اپنی کتاب ”وفا الوفا“ میں کہتا ہے کہ حاکم نے تحقیق کے بعد اس بیان کی تصدیق کی

1- حضرت ابو بکرؓ صدیق کے پوتے۔

ہے۔ دوسرے مؤرخین نے ان تین قبور کی ترتیب کے متعلق سات مختلف بیانات دیئے ہیں۔

میں (مصنف) قاسم کے بیان کی تصدیق کرتا ہوں اور میری نظر میں یہ نائف کے بیان

سے زیادہ معتبر ہے۔ جس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں:

1۔ صحیح بخاری میں بیان کیا گیا ہے کہ خلیفہ ولید کے عہد میں روضہ کی ایک دیوار منہدم ہو گئی تھی اور اس کو دوبارہ بناتے وقت وہاں ایک پاؤں نظر آیا۔ لوگ سکتہ کی حالت میں آگئے کہ کہیں یہ رسول اللہ ﷺ کا پاؤں تو نہیں۔ تب عروہ نے بتایا کہ وہ رسول اکرم ﷺ کا پاؤں نہ تھا بلکہ حضرت عمرؓ کا پاؤں تھا۔¹

2۔ مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ جو دیوار منہدم ہوئی تھی وہ مشرقی دیوار تھی۔

3۔ جب سیدہ عائشہؓ نے اپنی دیوار بنوائی اس وقت انہوں نے بیت رسول ﷺ کو دھصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک جنوبی حصہ جن میں قبور مبارکہ واقع تھیں اور دوسرا شمالی حصہ جس میں وہ خود قیام پذیر ہیں۔

اگر ہم پہلے بیان (جونا نائف بن ابی نعیمہ کا ہے) کو دیکھیں تو وہ غیر معتبر ہے کہ ایک ظانگ ہی حضرت عمرؓ کی نمایاں ہوئی۔ کیونکہ قبور کا مشرقی دیوار سے بہت فاصلہ تھا اور حضرت عمرؓ کے پاؤں بھی بہت دور تھے۔

دوسرے بیان پر غور کریں تو یہ قیاس درست ہو گا کہ حضرت عمرؓ کے پاؤں دیوار کی بنیاد کے پاس تھے یا تو اس سے ملحق تھے یا پھر بنیاد ہی کے اندر ہوں گے۔

اس بات کی عبداللہ ابن عبید اللہ نے بھی تصدیق کی ہے اور انہوں نے کہا کہ جب کمرہ میں حضرت عمرؓ کے پاؤں نہ سما سکتے تھے تو کھدائی کر کے انہیں (دونوں پاؤں کو) بنیاد کے اندر

¹ تدبیین سے تقریباً 80 سال بعد (مترجم)

ہی دن کر دیا گیا تھا۔ ایک اور بیان بھی ہے کہ روضہ کے اندر ایک چوتھی قبر کے لیے بھی جگہ تھی اور حضرت سیدہ عائشہؓ نے وہ جگہ حضرت عبد الرحمنؓ ابن عوف کو ان کی تدفین کے لیے پیش کی تھی لیکن بنی امیہ کی حکومت نے حضرت عبد الرحمنؓ کی یہاں تدفین کی اجازت نہ دی۔

درج ذیل دو خاکے (چارٹ) دیئے جا رہے ہیں جن سے تینوں قبور کی صورت کا دونوں بیانات کی روشنی میں معلوم ہو جاتا ہے۔ دونوں خاکوں سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ نائف کا بیان قابل قبول نہیں ہے۔

(1) نائف کے بیان کے مطابق چارٹ

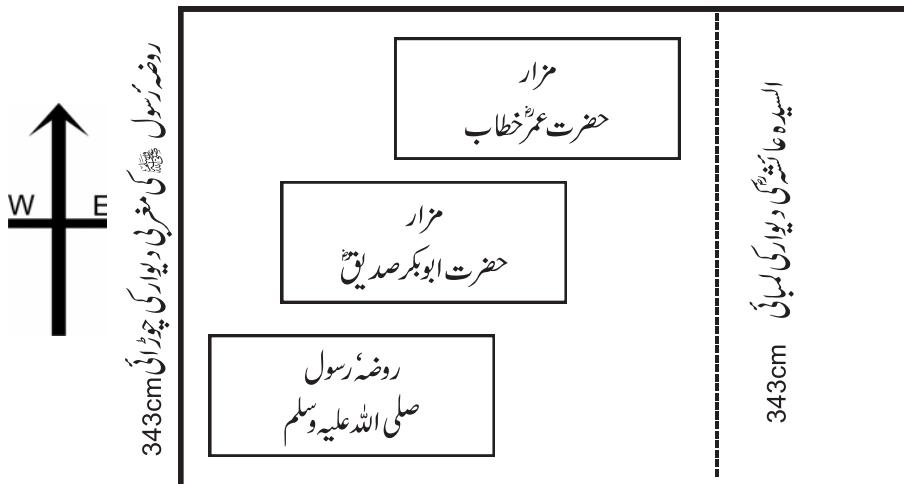
- ☆ رسول اکرم ﷺ کے مزار کا جنوبی دیوار سے فاصلہ 20cm (تقریباً 18 انج)
- ☆ رسول اکرم ﷺ کے مزار اقدس کی چوڑائی 80cm (تقریباً 2.7 فٹ)
- ☆ حضرت ابو بکرؓ کی قبر اور رسول اللہ ﷺ کے مزار اقدس میں فاصلہ (تقریباً 18 انج) 80cm (تقریباً 2.7 فٹ)
- ☆ حضرت ابو بکرؓ کی قبر کی چوڑائی 80cm (تقریباً 2.7 فٹ)
- ☆ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی قبور کا درمیانی فاصلہ 20cm (تقریباً 18 انج)
- ☆ حضرت عمرؓ کی قبر کی چوڑائی 80cm (تقریباً 2.7 فٹ)

(2) قاسم کے بیان کے مطابق چارٹ

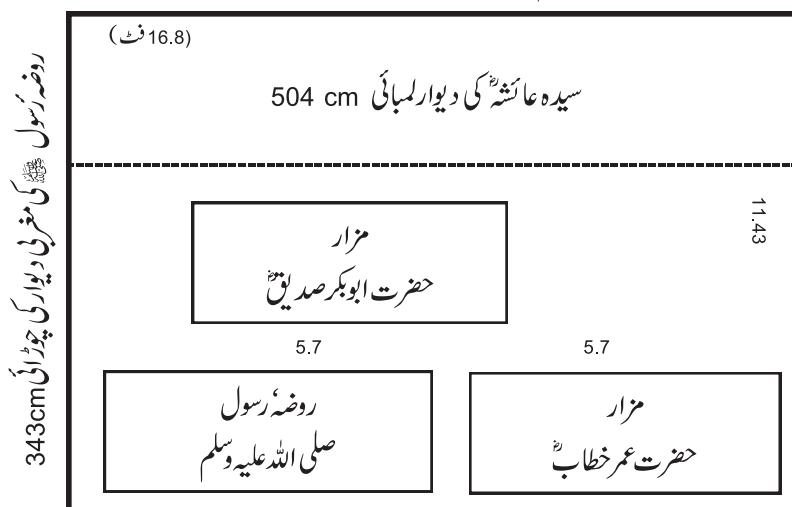
- ☆ رسول اکرم ﷺ کے مزار اقدس کا مغربی دیوار سے فاصلہ 90cm (3 فٹ)
- ☆ رسول اکرم ﷺ کے مزار اقدس کی چوڑائی 170cm (5.7 فٹ)
- ☆ رسول اکرم ﷺ کے مزار اقدس اور حضرت عمرؓ کی قبر کا درمیانی فاصلہ 90cm (3 فٹ)
- ☆ حضرت عمرؓ کی قبر کی لمبائی 170 cm (5.7 فٹ)

(الف) تینوں قبور کی ترتیب ناف ابن ابی نعیمہ کے بیان کے مطابق

روضہ رسول ﷺ کی بیرونی شامی دیوار کی لمبائی 525CM



(ب) تینوں قبور کی ترتیب قاسم ابن محمد بن ابو بکر صدیقؓ کے بیان کے مطابق



روضہ رسول ﷺ کی جنوبی دیوار کی لمبائی CM 480 (ف)

نوٹ: اوپر والا خاکہ تینوں قبور کی ترتیب ناف کے بیان کے مطابق بتاتا ہے جس سے مصنف متفق نہیں ہے۔ یعنی والا خاکہ القاسم ابن محمد بن ابو بکر صدیقؓ کے بیان کے مطابق ہے۔ مصنف اس سے متفق ہے۔

روضہ رسول ﷺ میں چوتھی قبر کی جگہ

روضہ رسول ﷺ میں ایک چوتھی جگہ بھی ہے جہاں ایک قبر کی گنجائش ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سیدہ عائشہؓ نے حضرت عبد الرحمن بن عوف کو اس جگہ کی پیشش کی تھی کہ ان کی تدفین یہاں پر ہوا اور انہوں نے رضامندی دی کہ حضرت حسنؑ بن علیؑ یہاں دفن ہوں لیکن بنی امیہ حکومت نے اس کی اجازت نہ دی۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں (حضرت عائشہؓ) نے جب حضرت عمرؓ بن خطاب کا انتقال ہوا تو اپنا ارادہ بدل دیا اور عبد اللہ بن زیرؓ کو فرمایا کہ ان (حضرت عائشہؓ) کو ان کی دو کنیزوں کے ساتھ جنت البقع میں دفن کیا جائے نہ کہ روضہ رسول میں۔ وہ شروع سے خواہش رکھتی تھیں کہ یہاں دفن ہوں مگر جب حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا تو انہوں نے ان کی تدفین روضہ رسول ﷺ میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ کرنے کی اجازت دے دی۔

جب حضرت عمر ابن عبد العزیزؓ کو مدینہ جانے کے لیے سفر کا کہا گیا تو یہ بھی بتایا گیا کہ اگر وہاں ان کی وفات ہو جائے تو ان کی تدفین اسی مقام (رسول ﷺ) پر کی جائے گی لیکن انہوں نے اس بات پر اتفاق نہ کیا اور کہا کہ ان پر اللہ کا عذاب نازل ہو گا کہ انہوں نے اپنے ذاتی جادو جلال کا مظاہرہ کیا ہے۔

روضہ رسول ﷺ میں ترا میم کی گئیں

حضرت عمرؓ بن خطاب پہلے شخص تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بنائے ہوئے کمرے میں تبدیلیاں کیں۔ انہوں نے کھجور کے پتوں سے بنی تمیرؓ کو ایک دیوار سے بدل دیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ دیوار پنجی بنائی گئی تھی اور حضرت عبد اللہ بن زیرؓ نے بنائی تھی۔

سیدہ عائشہؓ کی بنائی ہوئی دیوار برائے تقسیم روضہ رسول

سیدہ عائشہؓ نے تب ایک دیوار گھر کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کے لیے بنوائی۔ ایک حصہ وہ تھا جس میں تینوں قبور تھیں اور دوسرے میں ان کی رہائش تھی۔ جب تک گھر میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کی ہی دو قبور رہیں، سیدہ عائشہؓ گھر میں اسی طرف سے بغیر نقاب لیے داخل ہوتی تھیں جہاں یہ قبور مبارکہ واقع تھیں۔ جب حضرت عمرؓ بھی یہاں فن ہو گئے تو وہ مکمل لباس اور نقاب پہن کر داخل ہوتی تھیں۔

لوگ ان قبور سے مٹی وغیرہ تبرک کے طور پر لے جاتے تھے تب سیدہ عائشہؓ نے حکم دیا کہ قبور کو علیحدہ کرنے اور لوگوں کو اس کام سے روکنے کے لیے ایک دیوار بنادی جائے۔

روضہ رسول ﷺ کو منہدم کر کے دوبارہ خلیفہ ولید نے بنوایا
بنو امیہ کے خلیفہ ولید ابن عبد الملک نے امہات المؤمنین کے گھروں کو خرید کر اس وقت کے گورنر مدینہ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؓ کو ہدایت کی کہ روضہ رسول ﷺ کی عمارت کو گرا کر دوبارہ بنوایا جائے اور مسجد نبوی کی توسعی کی جائے۔ جب پہلا گھر گرا یا گیا تو تینوں قبریں اور وہ مٹی جو ان کو ڈھاننے کھلتی تھی نمایاں ہو گئیں۔

قبور مبارکہ کی مرمت

حضرت عمر ابن عبدالعزیزؓ کا ابتداء میں یہ ارادہ تھا کہ وہ خود قبور کی مرمت کریں گے تاہم پھر انہوں نے اپنے ملازم مژاہم کو یہ کام سونپ دیا۔

عبداللہ ابن عقیل بیان کرتے ہیں کہ جب وہ حضرت مغیرہ ابن شعبہ کے گھر سے ایک رات باڑش میں نکل رہے تھے تو انہوں نے ایک ایسی خوشبو محسوس کی جو پہلے کہی نہیں آئی تھی۔ وہ سیدھے مسجد نبوی کی طرف گئے اور انہوں نے دیکھا کہ قبر کا مشرقی حصہ منہدم ہو چکا ہے تاہم جو

حصہ کھلا تھا اس کو پُر کر دیا گیا۔

اگلے روز حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے راج (Mason) کو بلا یا جس نے روپہ کے اندر جانے سے پہلے کچھ مدد گار مانگے۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز خود اندر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ دو دوسرے اشخاص قاسم ابن محمد اور سالم ابن عبد اللہ نے بھی مدد کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے فیصلہ کیا کہ تینوں اشخاص جن میں وہ خود بھی شامل تھے روپہ میں نہ جائیں مبادا قبروں کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔ انہوں نے مراجم کو کہا کہ وہ اندر جا کر وردان¹ کی مدد کرے۔ جب وردان نے بنیاد کو ٹکھوڑا تو وہ ششد رہ گیا۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے بھی سخت پریشانی کا اظہار کیا۔ دونوں اشخاص نے بنیاد کو ہٹانے کے بعد دو پاؤں دیکھے۔ عبد اللہ ابن عبید اللہ نے انہیں بتایا کہ جو انہوں نے دیکھا تھا وہ حضرت عمر² کے پاؤں تھے جو کمرے میں جگہ کم ہونے کے باعث باہر کی بنیاد میں دفن کیے گئے تھے۔

حضرت عمر (ابن عبدالعزیز) نے روپہ رسول ﷺ کو دوبارہ تعمیر کروایا حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے تب روپہ رسول کی دوبارہ تعمیر کروائی۔ اس تعمیر میں مختلف رنگوں کے گرینیاٹ (Granite) پتھر استعمال کیے گئے تھے۔ ان کے رنگوں میں اور خانہ کعبہ میں استعمال کیے گئے پتھروں کے رنگوں میں کوئی زیادہ فرق نہ تھا۔ روپہ کا کل رقبہ رسول اللہ ﷺ کے بنائے ہوئے رقبہ کے برابر ہی تھا۔ دیوار کی اونچائی 6.75 میٹر (28.28 فٹ) تھی۔ حضرت عمر نے روپہ کے ارد گرد پانچ طرفی باڑ بنوادی تاکہ اس کی کعبہ کے ساتھ ممااثت نہ ہو۔ یہ باڑ پتھروں سے بنائی گئی تھی۔

روپہ کے اندر کا فرش باہر باڑ کے فرش سے تقریباً ایک میٹر (3.3 فٹ) نیچا تھا۔

۱۔ غالباً راج کا نام ہے۔ (متجم) ۲۔ اس واقعہ کے وقت حضرت عمر[ؓ] کو فوت ہوئے تقریباً ستر (70) برس گزر چکے تھے۔ (متجم)

شروع میں جب مسلمان مسجد نبوی کی زیارت کے لیے آیا کرتے تھے تو وہ حضور ﷺ کی قبر مبارک کے بالکل سامنے 2 میٹر کے فاصلہ پر ایک دیوار کے پاس کھڑے ہوتے تھے۔ یہ دیوار سیدنا عمر ابن عبدالعزیز نے بطور رکاوٹ بنوائی تھی۔ بعد میں 668 ہجری (1272ء) میں ظاہر بیبرس فرمادیوائے مصر نے روضہ کے گرد ایک کٹھرا یا بالکنی بنوادی اور سیدہ عائشہ کا گھر بھی اسی میں شامل کر لیا۔ اس کمرہ کے تین دروازے تھے ایک جنوبی سمت دوسرا مشرق میں اور تیسرا مغربی طرف۔ یہ بالکنی تقریباً 3 میٹر (9.9 فٹ) اوپری تھی۔ زائرین اس جگہ کھڑے ہوتے اور روضہ رسول ﷺ کے سامنے رہتے تھے۔

بیبرس (حاکم مصر) نے روضہ میں نماز ادا کرنے کی ممانعت کر دی سماں ہو دی لکھتا ہے کہ جب بیبرس نے کمرہ بنوایا اور اس پر بالکنی بنائی تو وہ فکر مند ہوا کہ اس نے جو یہ بنایا ہے اس کو لوگ متبرک اور روحانی مقام نہ بنادیں جیسا کہ خاتمة کعبہ کا ہے۔ اس نے تب روضہ رسول ﷺ کے کچھ حصہ کا جو رسول اللہ ﷺ کے گھر کے ساتھ ملحق تھا، احاطہ کروایا اور وہاں نماز ادا کرنے کو منوع فرار دیدیا۔ 694 ہجری (1297ء) میں سلطان العادل زین الدین کیتھانے بالکنی والے حصے کی توسعہ کی یہاں تک کہ اس کو چھت کے ساتھ لگا دیا گیا۔

روضہ رسول ﷺ میں پہلے گنبد کی تعمیر

روضہ رسول ﷺ میں سن 678 ہجری (1282ء) تک کوئی گنبد نہیں بنا تھا جو روضہ کو مسجد نبوی کی چھت سے علیحدہ ظاہر کرے۔ یہاں ٹائلز (Tiles) کے ساتھ نشان بنادیا گیا تھا جو کمرے کے متوالی چلتا تھا اور اس کی اوپرائی ایک میٹر (3.3 فٹ) تھی، تب سلطان قلاوون صالحی پہلا شخص تھا جس نے اس متبرک مقام پر ایک گنبد بنوایا۔ اس گنبد کی بنیاد چوکور اور اوپر کا حصہ ہشت پہلو (آٹھ کناروں والا) تھا۔ یہ لکڑی کا بنا ہوا تھا اور اس پر سیسی سہ

چڑھا ہوا تھا۔

گنبد کی ترمیم و آرائش

گنبد کی آرائش سلطان ناصر حسن ابن محمد قلاوون نے اپنے دور حکومت میں کروائی تھی۔ پھر 765 ہجری (1366ء) میں اشرف شعبان ابن حسین کے دور حکومت میں اور پھر تیسرا بار سلطان قایتبائے کے دور میں 881 ہجری (1479ء) میں مرمت و آرائش کی گئی۔

دوسری آتشزدگی کے بعد گنبد کی دوبارہ تعمیر

886 ہجری (1484ء) میں مسجد نبوی میں آگ بھڑک اٹھی جس نے روضہ رسول ﷺ اور اس کے گنبد کو جلا دیا۔ 887 ہجری 1485ء میں سلطان قایتبائے کے دور حکومت میں اس کی مرمت کی گئی اور مضبوط بنیادوں پر انہیں بنایا گیا اور اس میں ٹانیلز لگائی گئیں۔

روضہ کے جنوبی حصہ میں پیتل کی کھڑکیاں کھولی گئیں اور شمال مشرقی حصہ اور غربی حصہ میں لوہے کی کھڑکیاں تعمیر کی گئیں۔ اوپر کے حصہ پر پیتل کی جالیاں لگائی گئیں تاکہ کبوتر وغیرہ اندر نہ آسکیں۔

اس گنبد کے اوپر کا حصہ 892 ہجری (1490ء) میں ٹوٹ گیا اور مرمت کے بعد بھی زیادہ دیر نہ ٹھہر سکا۔ سلطان قایتبائے نے ہدایت دی کہ اوپر کے حصہ کو توڑ کر نیا بنایا جائے جو آئندہ دراڑوں یا شگافوں سے محفوظ رہے۔

سلطان محمود نے گنبد کی مرمت کروائی

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گنبد کے بالائی حصہ پر دراڑیں نمودار ہو گئیں اور عثمانی بادشاہ سلطان محمود ابن عبدالحمید نے پوری عمارت کی ترمیم نو کی ہدایات دے دیں۔ یہ کام 1233 ہجری

(1816ء) میں سرانجام پایا۔ یہ شاندار تغیرات بھی تک موجود ہے۔

گنبد کو سبز رنگ دیا جانا

اس گنبد کو پہلی بار سبز رنگ سلطان عبدالحمید نے 1253 ہجری (1837ء) میں دیا۔ یہی رنگ اب بھی جب ضرورت ہو کیا جاتا ہے۔ تب سے اس کو گنبد خضراء کہا جاتا ہے۔ اس سے پہلے اس کو الفائیہ Alfaiha (جنت کی خوشبو والا) بیضا (گنبد ایضیں یعنی سفید) اور زرقہ (نیلا) کے نام دیئے گئے تھے۔



۲۔ گنبد ازردہ



۱۔ گنبد خضراء
روضہ رسول ﷺ کی تزیین و آرائش
 سعودی عہد میں

جب شاہ عبدالعزیز کے علم میں لا یا گیا کہ روپڑہ رسول ﷺ میں مرمت درکار ہے تو مکمل معافیہ کیا گیا۔ میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے یہ جائزہ لیا۔ حکومت کو ہدایات دی گئیں کہ چھوٹے نقصان جو دراثوں کی وجہ سے نمایاں ہیں، ان کی مرمت کی جائے۔ یہ مرمت راتوں میں کی گئی۔

باب: 4

تاریخی مساجد

اللہ تعالیٰ سورہ توبہ آیت نمبر 109 میں ارشاد فرماتا ہے کہ جس مسجد کی بنیاد اول روز سے ہی تقویٰ پر کھی گئی تھی وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔

1- مسجد قباء

بخاری اور نسائی جو دونوں احادیث کے بیان کرنے میں معتبر ہیں، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر ہفتہ کے دن پیدل یا سواری پر مسجد قباء میں تشریف لا یا کرتے تھے۔

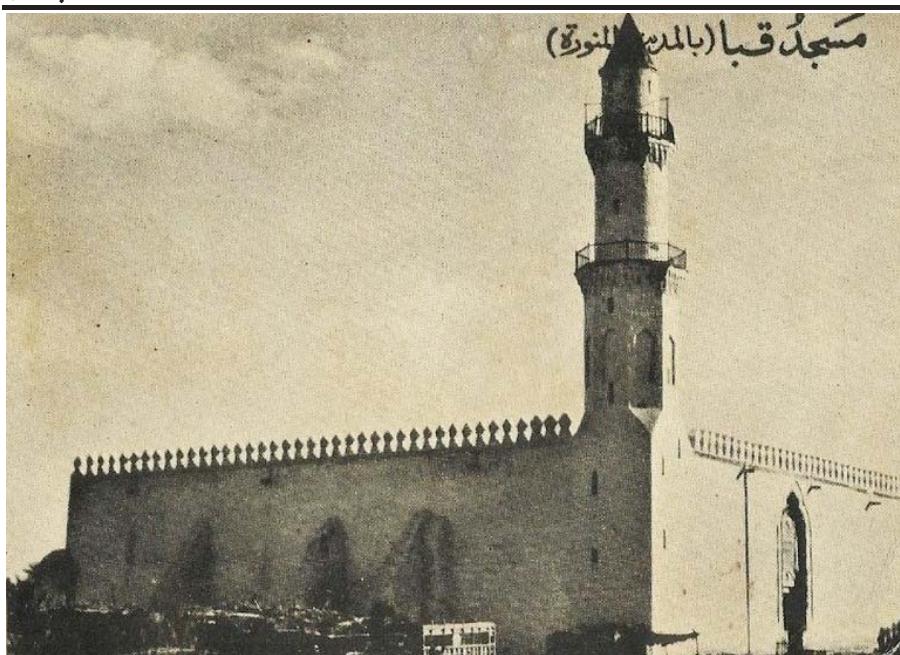
ترمذی کی ایک حدیث ہے کہ اوسیداً بن ہدیر انصاری بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ مسجد قباء میں ادا کی گئی ایک نماز ایک عمرہ کے برابر ہے۔

ابن ماجہ اور ابن شیبہ دوسرے دو حدیث بیان کرنے والے کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے گھر سے طہارت اور وضو کر کے قباء مسجد میں نماز ادا کرنے کے لیے آتا ہے اسے ایک عمرہ کے برابر اجر دیا جاتا ہے۔ بخاری میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ سالم جو عذیفہ کے غلام تھے، ابتداء میں مہاجرین کی نمازوں کی امامت مسجد قباء میں فرماتے تھے اور ان میں حضرت ابو بکرؓ صدیق اور حضرت عمرؓ بن خطابؓ بھی شامل ہوتے تھے۔ ان کے متعلق رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ چار آدمیوں سے قرآن حاصل (تعلیم) کرو جن میں سالمؓ بھی شامل ہیں۔

مسجد کی تعمیر

جب رسول اکرم رسول اللہ ﷺ اپنی بابرکت ہجرت میں قباء کے گاؤں میں تشریف لائے تو یہاں بنی امرابن عوف کے ہاں کافی روز قیام فرمایا اور اسی دوران مسجد قباء کی تعمیر کی جو کہ پہلی مسجد ہے جس کی بنیاد پہلے روز سے ہی تقویٰ پر کھی گئی تھی۔

مسجد قباء (بالمدینۃ المنورۃ)



مسجد قباء (قدیم عمارت)

مسجد قباء (جدید عمارت)



رسول اللہ ﷺ خود پھر، اپنی اوریت اپنے ساتھیوں کے ساتھ تعمیر کے لیے ڈھونتے تھے۔ طبرانی نے شیموس بنت نعمان کے حوالے سے بتایا کہ ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو جب کہ وہ یہ مسجد بنارہے تھے، دیکھا کہ وہ پھر اور اینٹیں اپنی کمر پر ڈھورہے تھے اور کمر جھلی ہوئی تھی۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ ان کا پیٹ اور کپڑے مٹی سے اٹے ہوئے تھے۔ لیکن جب بھی ان کا کوئی صحابی ان سے وہ بوجھ خود اٹھانے کا کہتا تو وہ انکار کر دیتے اور اسے فرماتے کہ جاؤ اور اس کے بدلہ میں اتنا ہی وزن لے کر آؤ۔“

رسول اللہ ﷺ نے مسجد قباء میں پہلی نماز کی امامت فرمائی جب کہ قدس (یروشلم) اس وقت قبلہ تھا۔

وہ جنہوں نے مسجد قباء کی ترمیم اور وسعت کی مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ عثمانؓ ابن عفان نے مسجد کی ترمیم و توسعہ کی۔ حضرت عمر ابن عبد العزیز نے بحیثیت گورنر مدینہ امیہ دور 93-91 ہجری (711ء-713ء) میں بھی یہی کام کیا تھا۔ انہوں نے پہلی بار مسجد میں مینار اور بالکونیاں بنوائی تھیں، ان کی پچی کاری سے آرائش کی اور چھت کی تعمیر درختوں کی شاخوں اور پتوں کی بجائے لوہے کی سلاخوں سے کی تھی۔ ابو یعلیٰ حسینی نے 435 ہجری (1045ء) میں مسجد کی ترمیم کی۔ دوسرے لوگ جنہوں نے مسجد قباء کی ترمیم کروائی ان میں جمال الدین اصفہانی جو بنی زنگی موصل کے حاکم کا وزیر اعظم تھا، شامل تھا۔ یہ ترمیم 555 ہجری (1162ء) اور 671 ہجری (1275ء) میں ہوئی تھی۔

ناصر ابن قلاوون حاکم مصر نے مسجد قباء کی 733 ہجری (1335ء) میں ترمیم کی اور اشرف برسبائی مصر کے ایک دوسرے حاکم نے اس کی چھت کی ترمیم 840 ہجری (1439ء) میں

کروائی۔

1406 ہجری (1985ء) میں شاہ فہد نے حکم دیا کہ مسجد قباء کو زیادہ وسیع کیا جائے تاکہ زیادہ نمازوں کو جگہ میسر آ سکے۔ یہ کام بن لادن کمپنی کو دیا گیا اور اب اس کا نظم و نسق محمد بن لادن کے بیٹوں کے پاس ہے۔ محمد بن لادن وہ ٹھیکیدار ہے جسے شاہ عبدالعزیز کے دور میں مسجد نبوی کی توسعے کا کام دیا گیا تھا۔ اس توسعے کا کام 1407 ہجری (1986ء) میں مکمل ہوا تھا۔ شاہ فہد نے نئی توسعے شدہ مسجد کا افتتاح کیا تھا۔

اس توسعے کے ساتھ مسجد کا رقبہ 6100 مربع میٹر ہو گیا ہے اور اس کے ساتھ مسجد کے سامنے کے کھلے حصہ کا رقبہ 4000 میٹر ہو گیا ہے۔ پہلے مسجد کا کل رقبہ 1225 میٹر تھا۔

اس مسجد میں پہلے ایک بینار ہوتا تھا، اب چار بیناروں کے علاوہ چھ گنبد بھی ہیں۔ اس میں 90 غسل خانے بنائے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ امام مسجد، موذن اور دوسرے عملہ کی رہائش گاہیں بھی بنائی گئی ہیں۔ نئی تعمیر میں وسعت دیتے وقت اسلامی فن تعمیر کا خیال رکھا گیا ہے۔ اس کام کے لیے 9 کروڑ سعودی روپیاں خرچ ہوئے ہیں۔

سال 877 ہجری (1475ء) میں مسجد کا بینار گر گیا تھا جسے سلطان قایتبائے نے چار سال

بعد دوبارہ تعمیر کیا۔

موجودہ تعمیر

ایک مستند تاریخ دان جعفر ہاشم کہتا ہے کہ موجودہ تعمیر 1240 ہجری (1824ء) میں عثمانیہ سلطنت کے سلطان محمود خان نے کروائی۔

محل وقوع اور کل رقبہ

یہ مسجد قباء دیہات میں واقع ہے جو مدینہ کے جنوب میں تین کلومیٹر کے فاصلہ پر واقعہ

ہے۔ اس کی شکل چار کناروں (پوکور) جیسی ہے اور اس کا کل رقبہ 1225 مربع میٹر ہے۔ اس کے 30 ستون ہیں اور نیو کارخ سیدھا شمال کی طرف ہے۔

مسجد کا منبر

880 ہجری (1475ء) میں، اشرف قاییبائے نے مصر سے ایک سنگ مرمر کا منبر مسجد نبوی کے لیے بھجوایا۔ عثمانی سلطان مراد نے بھی مسجد قباء کے لیے ایک منبر بھجوایا تھا۔

عثمانی منبر بعد میں مسجد نبوی میں بھیج دیا گیا، جہاں وہ اب تک موجود ہے اور قاییبائے والا سنگ مرمر کا منبر دوبارہ اس کی پرانی جگہ پر مسجد قباء میں رکھ دیا گیا تھا جواب تک وہیں موجود ہے۔^۱
نبی اکرم ﷺ کی مسجد میں جائے نماز

قباء مسجد میں موجودہ محراب وہ جگہ نہیں ہے جہاں رسول کریم ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے۔

سمہودی اور ابن ملیلی کے مطابق، نبی ﷺ کی مسجد قباء میں نماز ادا کرنے کی جگہ اس ادھورے ستون کے مشرق کی جانب تھی جو ان ستونوں کی سیدھ میں ہے جو موجودہ محراب کے فوری بعد رکھے گئے ہیں۔ قبلہ کا اقصیٰ کی طرف سے کعبہ کی طرف تبدیلی سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی نماز ادا کرنے کی جگہ تیسرے ستون کے نزدیک کھلی جگہ (صحن) میں تھی جب کوئی دوسرے دروازے سے مسجد میں داخل ہوتا ہے۔ (پہلے یہ دروازہ حضرت سعد ابن خثیم کے صحن کے سامنے کھلتا تھا)۔

تیسرا ستون بھی ادھورے ستون کے سامنے ہے۔

مسجد کی زیارت

زاہرین، حج سے پہلے یا بعد میں مسجد قباء کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔ مسجد میں آنے سے

۱۔ مصنف نے کتاب میں قاییبائے کے منبر کی تصویر کے نیچے درج کیا ہے کہ شاہ نہد کے دور میں مسجد قباء کی توسعہ و تزیین کے وقت یہ منبر وہاں سے اٹھا دیا گیا تھا اور اسے مدینہ میں شاہ عبدالعزیز لاہوری میں ایک تاریخی یادگار کے طور پر محفوظ کر لیا گیا ہے اور اب بھی وہی موجود ہے۔ (متجم)۔

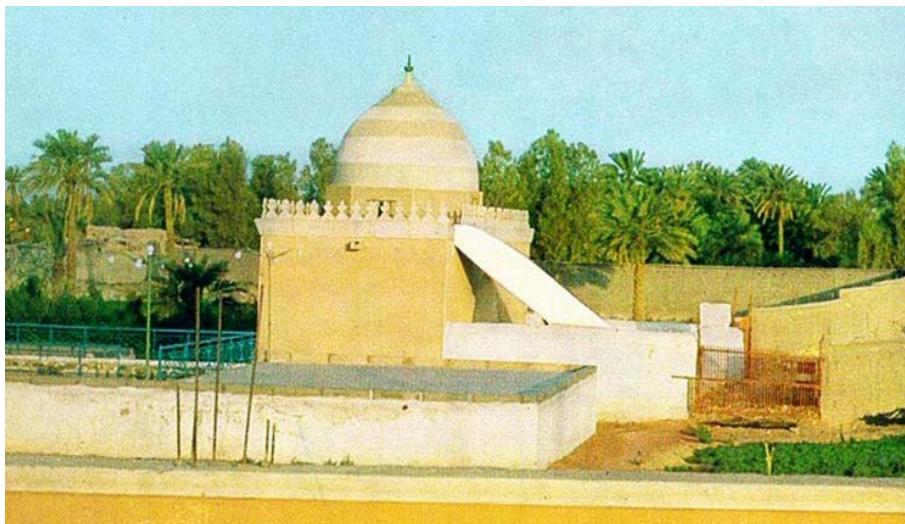


سلطان قایتبائی نے مسجد نبوی کے لیے 888 ہجری (1475 عیسوی) میں یہ منبر بھجوایا۔ جو بعد میں مسجد قبیل میں رکھا گیا۔ شاہ فہد کے دور کی توسعے کے بعد یہ متبر ایک تاریخی تمرک کے طور پر شاہ عبدالعزیز لاہوری مدینہ میں رکھ دیا گیا ہے۔

مسلمانوں کے دلوں میں بابرکت ہجرت اور رسول اللہ ﷺ کی اشاعت اسلام کی کوششوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

2- مسجد جمعہ

ایک دن رسول اللہ ﷺ قباء گاؤں سے مدینہ جا رہے تھے کہ جمعہ کی نماز کا وقت ہو گیا۔ اس وقت آپ ﷺ بنی سالم ابن عوف کے گھر کے قریب تھے۔ آپ نے نماز جمعہ رانو ناء وادی میں ادا کی۔ اس مقام پر ایک مسجد بنائی گئی اور تب سے اسے جمعہ مسجد کہا جاتا ہے۔ دراصل ہجرت کے بعد رسول کریم ﷺ کی یہ پہلی جمعہ کی نماز تھی۔



مسجد جمعہ (قدیم عمارت)

مسجد کی تعمیر

یہ مسجد نصف بلندی تک پھرول سے بنائی گئی تھی۔ اس کی موجودہ پھرول سے مضبوط تعمیر عثمانی سلطان بازیزید نے ہجرت کی نویں صدی میں کروائی۔

ایک سعودی کاروباری شخص حسن شربتلی نے چند سال قبل مسجد کے ساتھ جنوبی طرف ایک باغ



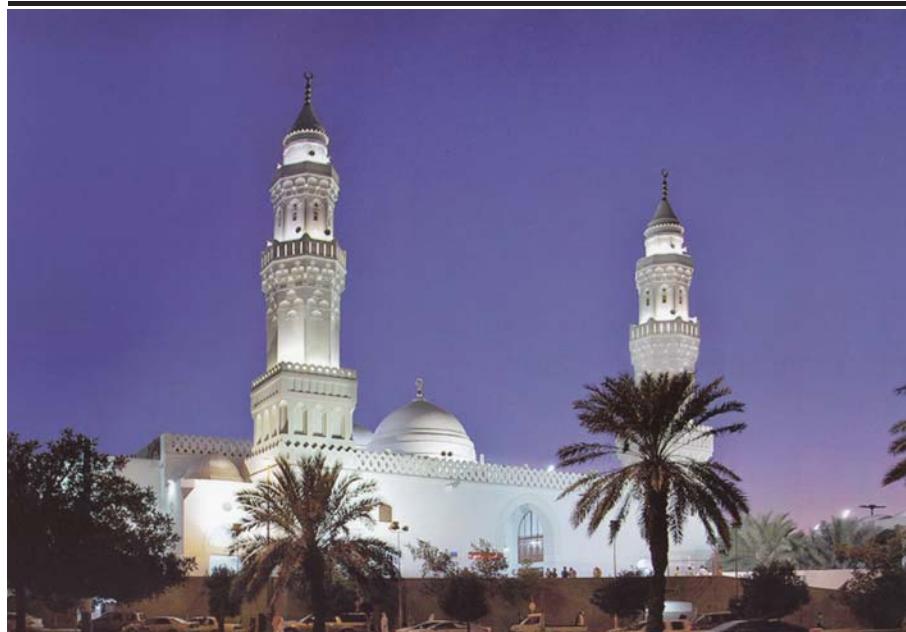
مسجد جمعہ (جدید عمارت)

خریدا اور اس نے مسجد کی تزئین سنگ مرمر کے ساتھ کی۔ اس کی لمبائی 8 میٹر، چوڑائی 4.5 میٹر اور اونچائی 2 میٹر سے زیادہ ہے۔ اس کا کھلا حصہ 8 میٹر ہے۔
یہ مسجد کھجور کے باغوں اور قباء کے گاؤں کی رانو ناء وادی میں واقع ہے۔ یہ مسجد قباء کے شمال میں آپھا کلو میٹر اور مدینہ سے 2.5 کلو میٹر دوری پر واقع ہے۔

مسجد قبلتین

اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ میں فرماتا ہے، ”ہم تمہارا چہرہ (ہدایت کے لیے) آسمان کی طرف بار بار اٹھتا ہوا دیکھ رہے ہیں، اب ہم تم کو اس قبلہ کی طرف موڑ دیں گے کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ اپنا چہرہ مسجد الحرام کی طرف موڑ دو: تم جہاں بھی ہوا پانہ نہ اسی طرف موڑ دو“^۱۔
یحییٰ ابن محمد اخنس کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ بنی سلامہ میں ام البشر کو ملنے کی خاطر جا رہے تھے جب کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ انہوں نے ابھی دور کھت نماز ہی ادا کی تھی کہ انہیں یہ حکم ملا کہ قبلہ کا رخ یروشلم میں مسجد قصیٰ کی بجائے مکہ میں خانہ کعبہ کی طرف موڑ دو تو انہوں نے فوراً اس کی

¹. سورہ بقرہ آیت 144



مسجد قبیلین

تعیل کی اور نماز پڑھنے کے دوران ہی کعبہ کی طرف اپنا منہ موڑ لیا۔ انہوں نے دو رکعت نماز شکرانہ بھی اس حکم کی تعیل میں ادا کئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مسجد کو یہ نام دیا گیا جس کا مطلب دو قبلوں والی مسجد ہے۔

یہ مسجد ایک سطح مرتفع پر بنی سلمہ کے محلہ جو مدینہ کے شمال مغرب میں واقع ہے، میں تعمیر کی گئی تھی۔ اس کے ارد گرد باغات ہیں اور عقیق وادی اس کے مغرب میں ہے۔

مسجد کی تعمیر

رسول اکرم ﷺ کے وقت میں یہ مسجد پھرول، درخت کے تنوں، پتوں اور کھجور کے درختوں کی ٹھنڈیوں سے بنائی گئی تھی۔ شاہین جمالی نے 893 ہجری (1491ء) میں مسجد کی ترمیم کی اور اس کی چھت تبدیل کی۔ عثمانی سلطان سلیمان نے 950 ہجری (1546ء) میں اس کی ترمیم کی۔

شاہ عبدالعزیز نے اس مسجد کی دوبارہ تعمیر کی، اس کا رقبہ بڑھایا اور مینار بنوائے اور کنکریٹ کی سیٹھیاں بنوائیں۔ اس کی لمبائی 9 میٹر، چوڑائی اور اونچائی 4.5 میٹر ہے۔ جنوبی حصہ میں ایک محراب ہے۔ یہ وہ جگہ ہو سکتی ہے جس جگہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے تو آپ نے تبدیلی کعبہ کا حکم سناتھا۔

4- مسجد فتح

امام احمد بن حنبل، جابر بن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مسجد میں اللہ تعالیٰ سے تین بار اتجہ فرمائی تھی کہ کفار کی فوجوں کو احزاب کی جنگ میں شکست ہو۔ انہوں نے یہ دعا بروز پیغمبر، منگل اور بدھ فرمائی تھی اور تیسرا روز جو بدھ کا دن تھا اللہ نے ان کی یہ اتجہ (دعا) قبول فرمائی۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ اس دن کے بعد جب کبھی بھی کوئی مشکل پیش آتی تھی تو حضور ﷺ اس مسجد کے اسی مقام پر کھڑے ہو کر دعا فرماتے اور فوراً ہی اس کا جواب آپ کو مل جاتا تھا۔

حضرت جابر ابن محمد بیان فرماتے ہیں، ”رسول اکرم ﷺ مسجد میں داخل ہوتے، دو قدم بڑھتے، اپنا سر آسمان کی طرف اٹھاتے اور دعا مانگنا شروع کر دیتے۔

فتح مسجد جبل سلع کے شمال مغربی حصہ پر واقع ہے اور وادی بطممان جسے اب وادی ابو جراح کہا جاتا ہے، سے دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ جنوب اور جنوب مغربی علاقہ خندق کے قریب ہی واقع ہے۔ اس مسجد کے دوسرے نام بھی ہیں جو مسجد احزاب اور العلی مسجد ہیں۔

بہت سی مساجد جو اس مسجد کے جنوب میں بنائی گئی ہیں وہ بھی فتح مساجد ہی کہلاتی ہیں۔



مسجد الحنفی (قدیم)



مسجد الحنفی (جدید)

مسجد کی تعمیر

یہ مسجد سب سے پہلے پڑھوں، اینٹوں، درختوں کے تنوں اور کھجور کے درختوں کے پتوں اور ٹھہریوں سے بنائی گئی تھی۔

حضرت عمر ابن عبدالعزیز جو بنا میہ کے دور حکومت میں مدینہ کے گورنر تھے، نے 93 ہجری (713ء) میں اس مسجد کی ترمیم کروائی اور حسین ابن ابو حایا، شاہ مصر نے اس کی دوبارہ تعمیر 575 ہجری (1182ء) میں کروائی۔

سعودی حکومت اس مسجد کی مرمت کا خیال رکھتی ہے اور اس نے اس میں کنکریٹ کی سیڑھیاں بنوادی ہیں۔

مسجد میں رسول اللہ ﷺ کی نماز ادا کرنے کی جگہ (مصلی)

بہت سے تاریخ دانوں کے مطابق رسول اکرم ﷺ کی اس مسجد میں نماز ادا کرنے اور دعا مانگنے کی جگہ ایک ہی ہے۔ یہ جگہ مسجد کے محراب کے مقابلے میں کھلی جگہ پر درمیانی ستون کے قریب ہے۔ یہ جگہ موجودہ محراب کے مقابلہ ہے۔

فتح مسجد کے جنوب میں چار مساجد

فتح مسجد کے جنوب میں چار مساجد بنی ہوئی ہیں۔ سب کو ہی، جیسے میں نے پہلے بیان کیا ہے فتح کہا جاتا ہے۔ یہ مساجد، سلمانؓ فارسی مسجد، علیؓ ابن ابو طالب مسجد اور ابو بکرؓ صدیق مسجد کے نام سے جانی جاتی ہیں۔ مجھے چوتھی مسجد کا کوئی نام معلوم نہیں ہوا کہا ہے، مجھے کسی قسم کی کوئی شہادت ملی ہے کہ پہلی تینوں مساجد کے موجودہ نام کیوں ہیں۔ میرا اغلب خیال ہے کہ یہ نام ان مساجد کے زائرین کو گائیڈ کرنے والے آدمیوں نے دیئے ہوں گے۔ جب وہ ان تاریخی مساجد

کو دیکھنے کے لیے آتے ہوں گے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ غزوہ خندق کے وقت عربی قبیلوں نے اس علاقہ میں جہاں اب چاروں مساجد واقع ہیں، اپنے کمپ لگائے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان چاروں مساجد میں نمازیں ادا کی تھیں۔ یہ چاروں مساجد اور فتح مسجد سب ہی جبل سلح کے مغربی طرف ہیں اور یہاں سے وادی بطحان دیکھی جاسکتی ہے۔

-1۔ مسجد حضرت سلمانؓ فارسی..... یہ مسجد ہے جو فتح مسجد کے فوری جنوب میں ہے۔

-2۔ مسجد حضرت علیؓ ابن ابوطالب..... یہ جنوب ہی میں مسجد حضرت سلمانؓ فارسی کے بعد آتی ہے۔

-3۔ مسجد حضرت ابو بکرؓ صدیق یہ مسجد حضرت علیؓ کی مسجد کے بعد ہے اور اس کا مشرقی طرف پکھ جھکاؤ ہے۔

-4۔ چوتھی مسجد بغیر نام کے ہے..... یہ ابو بکرؓ مسجد کے جنوب مشرق کی طرف واقع ہے۔

مسجد حضرت علیؓ ابن ابوطالب کو دوبارہ بحال کیا۔

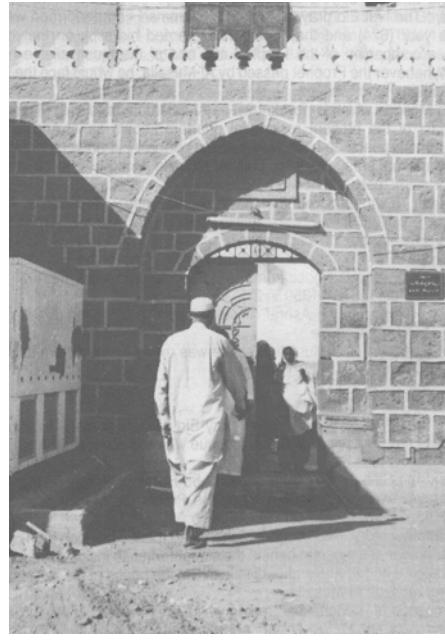
مسجد حضرت علیؓ ابن ابوطالب زمین بوس ہو گئی تھی اور اسے مدینہ کے گورنر زین الدین دکھیم ابن حشام منصوری نے 876ء (1474ھ) میں دوبارہ تعمیر کیا۔

مدینہ کے بعض لوگوں نے مسجد ابو بکرؓ صدیق کو 902ء (1499ھ) میں دوبارہ تعمیر کیا۔

ان مساجد کی موجودہ حالت سے ایک دیکھنے والے کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کی دیکھ بحال اور بحالی ترک عثمانی سلطنت کے دوران ہوئی ہو گی۔



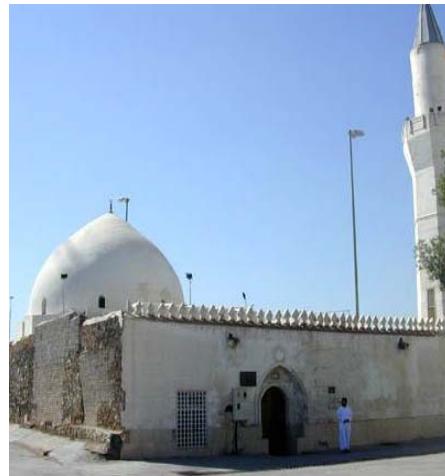
مسجد ابوکبر صدیق



مسجد علی بن ابی طالب



مسجد سلمان فارسی



مسجد عمر بن خطاب

5۔ مصلیٰ مسجد

رسول اللہ ﷺ عید کی نمازیں مناخہ یا اس کے نزدیک کھلی گلے میں ادا کیا کرتے تھے۔

وقدی کہتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے پہلی عید کی نماز 2 ہجری (462ء) میں ادا کی اور میں آپ کا عصا اس دن خود لے کر گیا تھا۔

حضرت ابو ہریرہؓ جو رسول اللہ ﷺ کے صحابی تھے اور احادیث بیان کرنے والی مستند شخصیت تھے، فرماتے ہیں کہ ”رسول اللہ ﷺ جب کبھی بھی مصلی سے گزرتے تو وہ قبلہ رو ہو کر عاجزی سے دعائیں مانگتے تھے۔

امصلیٰ مسجد جواب غمامہ (بادل) مسجد کے نام سے بھی جانی جاتی ہے، اور موجودہ رہائشی کوارٹر جو عریدیہ کے نام سے جانے جاتے ہیں، کے مشرق میں واقع ہے۔



مسجد غمامہ

رسول اکرم ﷺ مناہ کے علاقہ میں مختلف جگہوں پر عید کی نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ انہوں نے بعد میں مصلی مسجد بنائی اور تب سے وہ عید کی نمازیں وہیں پڑھتے تھے۔

سمہودی کہتا ہے کہ یہ بات عیاں ہے کہ تینوں مساجد..... مصلی، علیؑ ابن ابو طالب اور ابو بکرؓ صدیق 93-91 ہجری (711-713ء) میں بنائی گئیں جب حضرت عمر ابن عبدالعزیز مدینہ کے گورنر تھے۔

مصری حاکم ناصر حسن ابن فلاوون کے دور حکومت میں حرم رسول کے انچارج فیض الدین تھے جنہوں نے مصلی مسجد کی تزئین کروائی۔ یہ کام 748 ہجری (1350ء) میں کیا گیا۔ مدینہ کے گورنر باربک، جب اشرف اینان مصر کا حاکم تھا، نے 861 ہجری (1406ء) میں بھی اس مسجد کی تزئین کروائی تھی۔

المصلی مسجد کی موجودہ تعمیر عثمانی سلطان عبدالجید نے 14 ہجری میں کروائی تھی۔

6- مسجد علیؑ ابن ابو طالب

جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید کی نمازیں مناہ کے علاقہ کی مختلف مساجد میں پڑھا کرتے تھے۔ ان مساجد میں سے ایک مسجد جو کہ اب مسجد علیؑ ابن ابو طالب کہلاتی ہے، شامل ہے۔

ابن زبالہ اور ابن شیبہ دونوں نے ہی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ آنے کے بعد پہلی عید الفطر حکیم ابن عداء کے گھر کے صحن میں ادا کی تھی۔

ابن شیبہ ایک دوسری حکایت میں کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پہلی عید الفطر کی نماز ایک مسجد میں ادا کی جو ذیحہ خانہ کے پیچھے عداء ابن خالد کے گھر کے صحن میں واقع تھی۔ سمہودی کہتا ہے کہ یہ گھر ان کے بیٹے حکیم کا ہے جو مصلیٰ کے مغرب میں تھا۔

غالباً یہ مسجد مناخہ کے علاقہ میں جہاں رسول اللہ ﷺ نے عید کی نماز کی امامت کی تھی وہی ہے جواب مسجد علیؑ ابن ابو طالب کہلاتی ہے۔



مسجد علیؑ ابن ابو طالب (جدید)

مسجد کو یہ نام کیسے دیا گیا

یہ بات مانی ہی نہیں جاسکتی کہ مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ حضرت علیؑ ابن ابو طالب کسی بھی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنا ترک کر دیں اور اپنے لیے اپنی ذاتی مسجد بنالیں۔ یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید الفطر کی نماز اس مسجد میں پڑھی جس کے بعد انہوں نے مصلی مسجد کو ہمیشہ کے لیے عید کی نماز کے لیے مختص کر دیا۔

تاہم بہت سے تاریخ دان کہتے ہیں کہ اس مسجد کو یہ نام اس لیے دیا گیا کہ جب خلیفہ عثمانؓ کا گھر اور ہوا تھا تو حضرت علیؑ نے عید کی نمازوں کی امامت اس مسجد میں کی تھی۔

حدودار بعہ (Location)

یہ مسجد مصلیٰ مسجد کے شمال میں واقع ہے اور عریدیہ کے رہائشی کوارٹروں کے شہلی حصہ میں ہے۔ یہ مسجد عناصر سٹریٹ کے مقابل ہے جو مسجد نبوی کے مغربی چوک سے سلام اور الرحمن گنبدوں کے درمیان سے شروع ہوتی ہے۔

اس سڑک کا افتتاح پہلی جنگ عظیم کے بعد ترکوں کے عہد کے گورنمنٹری پاشانے کیا تھا۔
الیاس اور کردی کے گھر جو طیار کی گلی میں واقع ہیں، وہ بھی اس سڑک کی طرف کھلتے ہیں۔
یہ دونوں گھر غالباً حکیم ابن عداء کے گھر کی جگہ پر بنے ہیں۔

مسجد کی تعمیر

اس مسجد کی ترمیم مصلیٰ اور ابو بکر صدیق مساجد کے علاوہ حضرت عمر ابن عبد العزیز جو امیہ دور میں مدینہ کے گورنر تھے، نے 93-94 ہجری (711-712ء) میں کی تھی۔

ترکوں کے دور حکومت میں مدینہ کے گورنر زین الدین غنیم منصوری نے 881 ہجری (1479ء) میں اس مسجد کی تعمیر نو کروائی۔ مسجد کی موجودہ شکل سے ہی ظاہر ہوتا ہے کہ اسے ترکوں کے عہد حکومت میں دوبارہ بنایا گیا ہوگا۔

7- مسجد ابو بکر صدیق

یہ مسجد مصلیٰ مسجد کے شمال میں عریدیہ رہائشی کوارٹروں کے مغربی جانب واقع ہے جو پہلے عریدیہ باغ کہلاتا تھا۔

مطربی کہتا ہے کہ یہ مسجد جیسا کہ ابن زبالہ نے بتایا ہے۔ وہاں واقع ہے جس جگہ رسول اللہ ﷺ نے عید کی نماز پڑھائی تھی اور اس وقت تک وہاں صرف مسجد مصلی ہوتی تھی، اس کے شمال میں جو مسجد واقع تھی وہ ابو بکر صدیق مسجد تھی اور تیسرا بڑی مسجد جو عریدیہ باغ کے شمال میں واقع تھی وہ مسجد علیؑ ابن ابو طالب تھی۔



مسجد ابو بکر صدیق

اس مسجد کو یہ نام اس لیے دیا گیا کہ حضرت ابو بکر صدیق جو مسلمانوں کے پہلے خلیفہ ہوئے ہیں، نے عید کی نمازیں یہاں پڑھائی ہیں۔

مسجد کی موجودہ تعمیر عثمانی خلیفہ سلطان محمود نے 1254 ہجری (1838ء) میں کروائی۔

المناخہ میں وہ مقامات جہاں رسول اللہ ﷺ نے نمازیں ادا کیں

ابن زبالہ، ابراہیم ابن امیہ سے روایت کرتا ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ نے اپنی پہلی عید کی نماز الدوسر کے کوارٹر زوالی جگہ پر جواب الجنوب کے گھر کے نزدیک قبھی، ادا کی۔ پھر انہوں نے حکیم ابن

عدا کے گھر کے چمن میں نماز عید ادا کی اور اس کے بعد متواتر عبداللہ ابن دورہ مرنی کا گھر استعمال کیا۔ محمد ابن عبداللہ ابن کثیر ابن سلط کا گھر اور آخر میں مصلی مسجد میں نمازیں ادا کیں۔ ابو جنوب کا گھر بطحہ وادی کے مغرب میں واقع تھا اور دورہ کا گھر وادی کے مشرق میں اور موجودہ مسجد مصلی کے جنوب میں تھا۔

یہ بات عیاں ہے کہ مسجد ابو بکرؓ اور مسجد علیؓ ابن ابو طالب دونوں ہی مناخ کے علاقہ میں واقع تھیں جہاں رسول اللہ نے عیدین کی نمازیں ادا کیں۔

8- مسجد عمرؓ بن خطاب

امصلی کے جنوب اور موجودہ کاظمیہ (پیدل چلنے کا راستہ) نمبر 2 کے نزدیک بڑی مسجد عمرؓ ابن خطاب مسجد ہے۔ اس کے سامنے ٹریفک کنٹرول ٹاور ہے۔ جو بھی کتابیں مدینہ کی تاریخ سے متعلقہ ہیں ان میں سے کسی میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے۔



مسجد عمرؓ بن خطاب

یہ مسجد غالباً ابن دُرہ کے پرانے گھر کی جگہ پر بنائی گئی ہوگی۔ اس مسجد کا شاید یہ نام اس لیے رکھ دیا گیا ہو گا کہ مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ عمرؓ ابن خطاب نے اپنے خلیفہ بننے کے بعد یہاں نماز ادا کی تھی۔

9- مسجد شجرہ

وہ درخت جس پر اس مسجد کو یہ نام دیا گیا ہے، ایک کیکر (بول) کا درخت ذوالخلیفہ کے علاقہ میں تھا جس کے نیچے رسول اللہ ﷺ بیٹھے تھے۔ اس مسجد کو ذوالخلیفہ مسجد بھی کہا جاتا ہے۔ ابن زبالہ کہتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب حج یا عمرہ کے لیے مکہ تشریف لے جاتے تو اس درخت کے نیچے بیٹھتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بھی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد شجرہ کے دوسرے درمیانی ستون کے قریب نماز ادا کی تھی۔ یہ (مسجد) اس درخت کی جگہ پر بنائی گئی جہاں رسول اللہ ﷺ



مسجد شجرہ (مسجد ذوالخلیفہ)

اس درخت کے نیچے بیٹھا کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شجرہ مسجد کے درمیانی ستون کے نزدیک اس درخت کے نیچے، نماز پڑھی تھی جس کی جگہ پر یہ مسجد بنائی گئی تھی۔

مسجد کی تعمیر

مدینہ کے تاریخ دانوں میں سے ایک تاریخ دان مطہری کہتا ہے کہ مسجد کے جنوبی طرف گنبد بننے ہوئے تھے اور اس کے شمال مغربی کنارے پر ایک مینار بنا ہوا تھا جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گر گیا۔

ایک دوسرے تاریخ دان سمہودی کے مطابق مصر کے زین الدین استدار نے 861 ہجری (1460ء) میں اس کی مرمت کی۔ یہ چوکور شکل میں بنی ہے اور اس کا کل رقبہ 23.4 مربع میٹر ہے۔¹ مطہری اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہے کہ شاید رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ پر نماز ادا کی ہو۔²

اس مسجد کے جنوب کی طرف ایک چھوٹی سی مسجد ہے، جسے معرس مسجد کہتے ہیں۔ شجرہ مسجد کو دوبارہ بحال سعودی حکومت نے مسجد بنوی کی توسعی کے دوران کیا۔

محل و قوع

یہ مسجد ذوالحکیمہ میں پکی سڑک کے مشرق میں جو مکہ اور جده کی طرف جاتی ہے، ایک خاص چھوٹی سڑک جو بڑی سڑک سے صرف مسجد تک جانے کے لیے بنائی گئی تھی، پر واقع

1۔ اس کتاب کا آخری آیہ یعنی 1988ء میں شائع ہوا تھا۔ اس میں شاہ فہد بن عبدالعزیز کے وقت کی توسعی و تزین کا ذکر نہیں ہے، تاہم ایک نئی کتاب کے مطابق اس مسجد کا موجودہ رقبہ تقریباً 26,000 مربع میٹر اور کھلا رقبہ 34,000 مربع میٹر ہے۔

(2) تاریخ مدینہ منورہ تصنیف و تالیف دارالسلام کے مطابق قرین قیاس ہے کہ مسجد رسول اللہ ﷺ کے وقت میں موجود تھی (مترجم)

ہے یہ اسد باغ کے شمال مغرب کی طرف اور وادی عقیق کے مغربی کنارے پر ہے۔
 شیخ حافظ ابوالبقاء کہتے ہیں کہ ججاج کرام جو مکہ کی طرف مدینہ سے جاتے ہیں وہ احرام
 باندھنے کی خاطر اس مسجد کے حلقہ سے بالکل باہر نہ جائیں۔

10- فضیح مسجد

ابن شیبہ، جابر بن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بنو
 نصیر یہودیوں کا محاصرہ کیا اور مسجد کے قریب خیمه زن ہوئے اور اس جگہ چھ رات تک
 عبادت کی۔

حضرت ابوالیوب الانصاریؓ اور کئی دوسرے صحابہ شراب کی ایک قسم جسے فضیح کہا جاتا تھا، پی
 رہے تھے کہ اسی وقت قرآن میں شراب کی ممانعت آگئی۔ انہوں نے اپنی شراب مسجد میں ہی گرا
 دی اور اسی وقت سے اس مسجد کو موجودہ نام سے بلا یا جانے لگا۔

اس مسجد کا دوسرا نام شمس مسجد بھی ہے کیونکہ یہ ایک اوپھی جگہ پر بنی ہوئی ہے اور دوسری
 جگہوں سے پہلے یہاں سورج کی کرنیں آ جاتی ہیں۔
محل وقوع

یہ مسجد قباء کے مشرقی جانب اور اعوالی گاؤں کے بھی مشرق میں واقع ہے۔
تعمیر

مطربی کے مطابق یہ مسجد اسی نمونہ پر بنائی گئی تھی جیسا مسجد قباء کا تھا۔ اس کے 16 ستون
 تھے لیکن وہ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ٹوٹ پھوٹ گئے تھے۔ اس مسجد کو حضرت عمر ابن
 عبدالعزیز نے دوبارہ بنوایا۔ اس کی لمبائی 19 میٹر اور چوڑائی 4 میٹر ہے۔ اس کے 5 گنبد اور
 ایک محراب ہے۔

11- مسجد سقیہ

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے اس مسجد میں نماز ادا کی تھی جب وہ بدر کی جنگ کے لیے جا رہے تھے اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ مدینہ کے رہنے والوں کے دلوں میں مدینہ کے لیے ایسا ہی پیار پیدا کر دے جیسا مسلمانوں کے دلوں میں مکہ کے لیے ہے۔

مسجد کی دریافت

یہ مسجد (السقیہ) اسلامی تاریخ دان سمہودی نے دریافت کی تھی جب وہ ماہر یعنی آثار قدیمہ کے ماہرین کو لے کر آیا کہ اس جگہ کی کھدائی کریں۔ سمہودی کے مطابق یہ مسجد سقیہ کنویں کے نزدیک واقع تھی اور اس کو جده، مدینہ کی سڑک علیحدہ کرتی تھی۔ اس وقت یہ مسجد عنبر یا ریلوے اسٹیشن کے احاطہ میں واقع ہے۔

اس مسجد کو سروں کا گنبد بھی کہتے ہیں کیونکہ ترکوں نے کچھ ڈاؤں کے سرکاٹ کر اس مسجد میں ڈال دیئے تھے۔

اب یہ مسجد دیران ہو چکی ہے اور یہاں کوئی نماز ادا نہیں کی جاتی۔



مسجد سقیہ

12- مسجد ابوذرؑ

حضرت عبد الرحمن بن عوف سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے غیر معمولی طور پر بہت لمبا سجدہ کیا۔ بعد میں جب آپ کے صحابہ کرام نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبرايل علیہ السلام آپ کے پاس خوشخبری لے کر آئے تھے کہ جو شخص بھی رسول اللہ ﷺ کے لیے یہ دعا کرے گا کہ ”اللہ تعالیٰ کی آپ پر حمتیں ہوں۔“ اللہ اس شخص پر ویسا ہی انعام فرمائے گا جیسا اس نے خود حضور کے لیے مانگا تھا۔

سمہودی کے مطابق یہ مسجد غالباً اس جگہ پر بنائی گئی ہوگی جہاں رسول اکرم ﷺ نے وہ لمبا سجدہ ادا کیا تھا۔

محل و قوع

یہ مسجد ابوذرؑ کے شروع والے چوک سے 150 میٹر کے فاصلہ پر بُحیری باغ کے شمال مشرق میں واقع ہے۔



مسجد ابوذرؑ غفاری

یہ مسجد سعودی دور میں دوبارہ تعمیر ہوئی۔ اس کے شمال اور جنوب کی طرف دو چھوٹے عوامی پارک ہیں۔

13- بنو ساعدہ مسجد

ابن شیبہ روایت کرتے ہیں کہ عباس ابن سہل نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مسجد میں نماز ادا کی تھی۔ یہ بنی ساعدہ کے گھر کے نزدیک واقع ہے جہاں مسلمانوں نے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر جب وہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد پہلے مسلمان خلیفہ پنے گئے تھے، بیعت کی تھی۔

اس مسجد کی پرانی جگہ سلطانیہ نکون پر ہے جہاں عوامی لا بصری اور لیکھر روم بنائے گئے تھے۔



مدینہ سے باہر ایک ایمان کی حرارت والے کی صحرائی مسجد

باب: 5

بَقِيعُ الْغَرْقَدِ شَهْرَاءُ أَحْمَد

بیقع الغرقد

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”میں نے ایک دفعہ آپ کو قبرستانوں میں جانے سے منع کیا تھا اب آپ لوگ وہاں جاسکتے ہو کیونکہ یہ آخرت کی یاد دلاتے ہیں۔“ صحیح مسلم میں سیدہ عائشہؓ سے یہ بیان منسوب ہے کہ رسول اکرم ﷺ کافی رات گئے بیقع میں تشریف لے جایا کرتے تھے اور وہاں مدفون لوگوں کی مغفرت کے لیے دعا فرمایا کرتے تھے۔

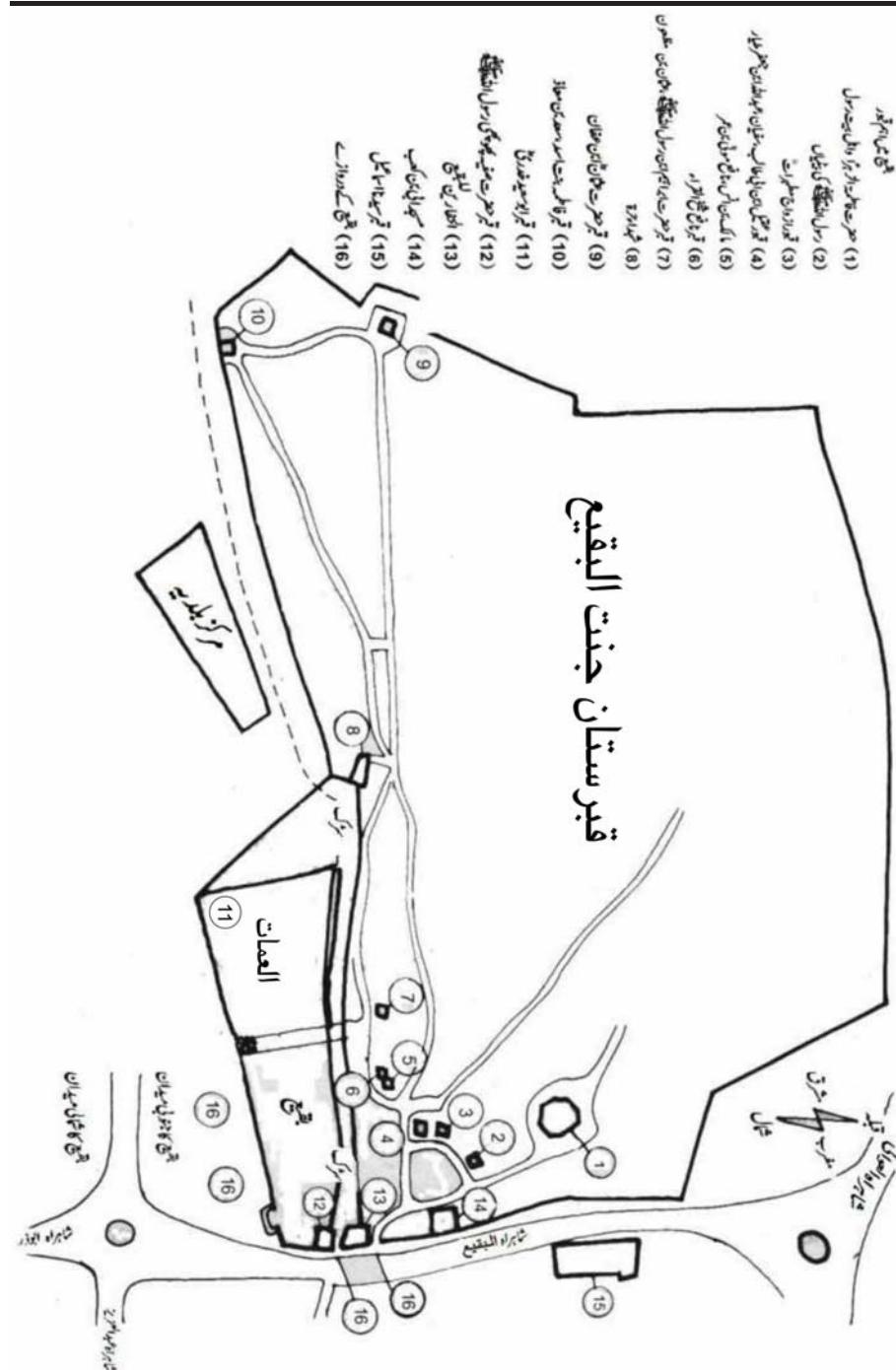
ترمذی میں بیان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب کبھی رسول اللہ ﷺ اہل مدینہ کی قبور کے پاس سے گزرتے تو فرماتے کہ ”اے اہل قبور جو یہاں مدفن ہو تم پر اللہ کی سلامتی ہو اور اللہ ہماری اور آپ کی مغفرت فرمائے۔“

بیقع الغرقد

بیقع الغرقد وہ قبرستان ہے جہاں مدینہ کے لوگوں کو دفن کیا جاتا ہے۔ شروع میں یہ ایک کھلی جگہ تھی جہاں جھاڑیاں اُگی ہوتی تھیں۔ یہ قبرستان مسجد نبوی کی جنوب مشرقی سمت میں شہر کے مشرقی حصہ میں واقع ہے۔ اس کو مغرب میں رہائشی علاقہ حارة اغوات نے گھیرا ہوا ہے۔ اس کو ایک گلی جو اب ہر روڈ وابوذر مسجد اور عوامی سڑیٹ کی طرف جاتی ہے، علیحدہ کرتی ہے۔

بیقع کے جنوب مشرق کی طرف وہ جگہ واقع ہے جہاں میتوں کو غسل دیا جاتا ہے اور تدفین کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ یہیں محلہ پولیس کا دفتر بھی ہے۔
اہل بیت، صحابہ کرام اور مونین

مؤرخین کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھی اور اہل بیت جو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں



اور جوان کی وفات کے بعد فوت ہوئے، بیقع الغرقد میں مدفون ہیں۔

مالک کی روایت کے مطابق جو ایا ز نے بیان کی ہے کہ دس ہزار صحابہ نے مدینہ میں وفات پائی اور بیقع میں مدفون ہوئے۔ دوسرے صحابہ کرام مختلف اسلامی ممالک میں دفن کیے گئے۔

النصار اور مہاجرین میں سے پہلے دفن ہونے والے صحابہ کرام

انصار میں سے سب سے پہلے صحابی جو بیقع میں دفن ہوئے وہ حضرت اسدؓ ابن زرارہ انصاری تھے اور مہاجرین میں سے حضرت عثمانؓ ابن مظعون تھے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی مغفرت فرمائے۔

بیقع میں قبور پر کوئی نشانی یا کتبہ آؤزیاں نہیں ہے کہ معلوم ہو سکے کہ یہاں کون دفن ہے لیکن موئزین اور عام معلومات جو لوگوں کو ہیں، سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کوئی قبور مشہور لوگوں کی ہیں۔

عقیل ابن ابوطالب کی قبر

جنوب مغربی دروازہ (گیٹ) سے 60 میٹر جنوب مغرب کی طرف مندرجہ ذیل قبور واقع ہیں:

-1 عقیل ابن ابوطالب کی قبر۔

-2 سفیان ابن حارث ابن ابوطالب کی قبر۔

-3 عبد اللہ ابن جعفر طیار کی قبر۔

رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کی قبور

عقیل کی قبر سے پانچ میٹر کے فاصلہ پر کپکے راستہ پر کھڑے ہوں تو آپ رسول اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کی قبور دیکھیں گے۔ یہ عقیل کی قبر سے جنوب کی طرف واقع ہیں۔

-1 سیدہ عائشہ بنت ابوکعب

-2 سیدہ سودہ بنت ذمہ الامیرہ

-3 سیدہ حفصة بنت عمر ابن خطاب

- 4 سیدہ زینب بنت خزیمہ ہلالیہ
- 5 سیدہ ام سلمہ بنت ابو یمامہ منذومہ
- 6 سیدہ جویریہ بنت حارث مستالیقیہ
- 7 سیدہ ام حبیبہ رملہ بنت ابوسفیان
- 8 سیدہ صفیہ اسرائیلیہ بنت حمی ابن اخطب

سیدہ خدیجہ بنت خولید اور سیدہ میمونہ بنت حارث ہلالیہ یہاں دفن نہیں۔ پہلی مکہ میں
مدفن ہیں اور دوسرا ساراف میں جو مکہ سے 6 میل پر ہے۔^۱

رسول اللہ ﷺ کی بیٹیوں کی قبور

رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کی قبور سے باہمیں طرف 10 میٹر کے فاصلہ پر رسول
اکرم ﷺ کی صاحزادیوں کی قبور دیکھی جاسکتی ہیں۔

- 1 سیدہ ام کلثوم
- 2 سیدہ رفیعہ
- 3 سیدہ زینب

اہل بیت (رشته داروں) کی قبور

رسول اکرم ﷺ کے کچھ رشته داروں کی قبور کی جگہ، ان کی بیٹیوں کی قبور سے جنوب مشرق
میں 25 میٹر پر واقع ہیں۔ یہاں مندرجہ ذیل کی قبور ہیں:

- 1 حضرت حسن بن علی ابن ابوطالب۔
- 2 سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ

^۱ مصنف نے حضور کی گیارہویں بیوی سیدہ زینب بنت جحش کا ذکر نہیں کیا۔ (مترجم)



جنتِ آبیقُح موجودہ دور میں



جنتِ آبیقُح اور مسجد نبوی ﷺ کی ایک پرانی تصویر

- 3 حضرت محمد ابن باقر زین العابدین۔¹
- 4 حضرت عباس ابن عبدالمطلب (رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی۔)²
- 5 حضرت زین العابدین ابن حسینؑ ابن علیؑ۔
- 6 حضرت جعفر صادق ابن محمد باقر۔
- 7 حضرت حسینؑ ابن علیؑ کا سر مبارک۔

سمہودی اپنی کتب ”وفا الوفا“ اور ”الخلافة“ میں بیان کرتا ہے کہ بنوامیہ کے خلیفہ یزید نے حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ان کا سر مبارک اس وقت کے گورنر مدینہ عمر ابن سعد ابن عاص جو اصدق کے نام سے جانا جاتا تھا کو بھیجا جس نے اسے غسل دے کر کفن میں لپیٹا اور بیوی میں ان کی والدہ سیدہ فاطمہؓ کے پہلو میں دفن کیا۔

مالک ابن انسؓ اور نافع، عمرؓ کے خادم کی قبور

قبرستان کے دروازہ (گیٹ) سے 50 میٹر کے فاصلہ پر اور عقیل کی قبر کے شمال مشرق کی طرف یہ دو قبور ملتی ہیں۔

1- مالک ابن انسؓ، مالکی فقہ کے بانی۔

2- نافع حضرت عمرؓ کے خادم اور مالک کے سکالر استاد۔

عمانؓ ابن مظعون اور دیگر کی قبور

یہ قبر مالک ابن انسؓ کی قبر سے 20 میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور اگر آپ بائیں راستہ کی پلڈڑی پر کھڑے ہوں تو آپ کو مندرجہ ذیل قبور میں گی۔

1- حضرت عثمانؓ ابن مظعون۔ بیوی میں دفن ہونے والے پہلے مہاجر۔

-1 مصنف کے لکھنے نام میں فرق ہے، اصل نام حضرت محمد الباقر ابن زین العابدین ہے۔ (مترجم)

-2 مصنف نے ایسا ہی لکھا ہے لیکن وہ چچا تھے۔ (مترجم)

-2- حضرت ابراہیم (رسول اللہ ﷺ کے فرزند)۔ جب آپ فوت ہوئے تو رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عثمان بن مظعون کے پہلو میں۔

-3- حضرت عبدالرحمن ابن عوف۔

-4- سعد ابن زرارہ

-5- سعد ابن ابو وقار۔

-6- ختیس ابن حذیفہ شامی۔

-7- فاطمہ بنت اسد۔ حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی والدہ ماجدہ۔
شہداء حارة کی قبور

بانیں طرف کی گلڈنڈی پر کھڑے ہو کر اور ابن مظعون کی قبر سے 80 میٹر کے فاصلہ پر ان شہداء کی قبور واقع ہیں جنہوں نے جنگ حara شرقیہ جو یزید ابن معاویہ کے عہد میں واقعہ ہوئی، میں شہادت پائی، وہ مدینہ کی حفاظت اور اس کی اعلیٰ اقدار کو قائم رکھنے کے لیے شہید ہوئے۔

حضرت عثمان بن عفان کی قبر

یہ قبر بیقع کے دور کنارے پر واقع ہے۔ حرثہ کے شہیدوں کی قبور سے 135 میٹر کے فاصلہ پر

¹ ہے۔

حضرت فاطمہ بنت اسد اور سعد ابن معاذ کی قبور

حضرت عثمان بن عفان کی قبر کے شمال میں اور بیقع کے شمال مشرقی کنارے سے 50 میٹر

کے فاصلہ پر دو قبور ملتی ہیں:

1- حضرت عثمانؓ کی تدبیین کا ذکر بیقع کی امیہ دور میں توسعہ صفحہ 167 پر دیکھیں۔

1- حضرت سعدؓ ابن معاذ انصاری۔

2- حضرت فاطمہ بنت اسد۔^۱

بعض موئزین کا بیان ہے کہ حضرت فاطمہ بنت اسد کی قبر ابن مظعون کی قبر کے نزدیک ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ کی قبر

باقع کے شمال مغربی دروازہ (گیٹ) سے 15 میٹر کے فاصلہ پر دو قبور ملیں گی:

1- حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب، رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی۔

2- حضرت عاتکہ، ان کی بہن۔

یہ قبرستان باقی عمارت۔ (پھوپھیوں کا قبرستان) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ باقی الغرقد کا حصہ نہیں تھا۔ سعودی عہد کے دوران اس جگہ کو باقی میں شامل کر لیا گیا ہے۔ یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ سیدہ عاتکہ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی اور ان کے اسلام لانے پر بھی اتفاق نہیں۔ کتاب ”الاصابة فی تمیز الصحابة“ میں یہ کہا جاتا ہے کہ آپ کا حضرت ابوطالب کے ساتھ خونی بہن کا راشتہ ہے۔ اور عبداللہ ابن سعد نے کہا کہ آپ نے اسلام مکہ میں قبول کیا تھا اور مدینہ ہجرت کر گئی تھیں۔

صحابہ کرام اور اہل بیت کی قبور جو باقی سے باہر واقع ہیں:

حضرت اسماعیلؑ ابن جعفر صادق کی قبر

یہ حارة انقوات کے جنوبی رہائشی حصہ میں ملی ہے۔ باقی سے اس کو ایک گلی جو مسجد نبوی کی طرف جاتی ہے، جدا کرتی ہے۔ یہ قبر پہلے بڑی دیوار کے اندر واقع تھی جسے سعودی عہد میں منہدم

¹ حضرت علیؓ کی والدہ۔

² فرقہ اسماعیلیہ کے بانی پورا نام اسمعیل جعفر ابن محمد باقر ہے۔ [ابن جوزی، تلیبیس ابلیس صفحہ 146] (متجم)۔

کر دیا گیا تھا۔ اس کا اب 3 میٹروں پچی دیوار سے احاطہ کر دیا ہے۔ قبر اور بقیع کا درمیانی فاصلہ 15 میٹر ہے۔ یہ جگہ اور اس کے گرد نواح کا علاقہ حضرت زین العابدین ابن حسینؑ ابن علیؑ ابن ابو طالب کی ملکیت تھی جیسا کہ موئیین نے لکھا ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کی قبر

یہ بقیع کے شمال مشرق میں اس سڑک پر واقع ہے جو حارة الشرقیہ کی جانب جاتی ہے۔

حضرت ابوسعیدؓ نے اپنی تدفین کے لیے خود اس جگہ کا انتخاب کیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے والد ماجد کی قبر

رسول اکرم ﷺ کے والد حضرت عبد اللہ ابن عبدالمطلب کی وفات مدینہ میں 25 سال کی عمر میں آنحضرت ﷺ کی پیدائش سے پہلے ہوئی تھی۔ ان کو مدینہ میں دفن کیا گیا اور ان کی قبر زوق طوال کے علاقہ میں ہے۔

حضرت عبد اللہ ایک وجہیہ شخص تھے۔ ان کی اہلیہ اور رسول اللہ ﷺ کی والدہ محترمہ حضرت

سیدہ آمنہ بنت وہب ہیں۔

نفس الذکیہ (المعروف مہدی) کی قبر

یہ محمد ابن عبد اللہ ابن حسینؑ ہیں اور نفس الذکیہ کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ان کی قبر جبل سلع کے مشرق میں ملی ہے اور اس کے شمال میں ایک ندی عین الزرقة واقع ہے۔ عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے نفس الذکیہ کے والد اور رشتہ داروں کو قید کر لیا تھا۔ مدینہ کے بہت سے لوگوں نے نفس الذکیہ کی حمایت کی اور اپنی وفاداری کا اظہار کیا۔ منصور نے تب ایک مضبوط فوج 4000 آدمیوں پر منحصر اس بغاوت کو کھلنے کے لیے روانہ کی۔ جب عباسیوں نے حملہ کیا اس وقت نفس الذکیہ کی مدد کے لیے صرف تین سو ساتھی تھے۔ طبری نے اپنی کتاب ریاض الافہام میں بیان کیا

۱۔ مصنف نے صفحہ 42 پر محمد ابن عبد اللہ ابن حسن لکھا ہے جو درست ہے۔

ہے کہ وہ مارے گئے اور اس جگہ پر دفن ہوئے۔ علامہ ابن جوزی کہتے ہیں کہ ان کی بہن اور بھٹی فاطمہ نے ان کو بیقع میں دفن کیا۔

حضرت مالکؓ ابن سنان کی قبر

یہ حضرت ابوسعید خدریؓ کے والد ہیں۔ ان کی قبر مناخہ کے مشرق اور ھوش مرزوqi کے مغرب میں واقع ہے۔ وہ جنگ احمد کے شہداء میں سے تھے۔ ان کو اس جگہ پر دفن کے لیے لایا گیا تھا۔

البیقع، امیہ دور میں توسعہ

بیقع کی وسعت کا کام پہلی بار بنو امیہ کے عہد میں کیا گیا۔ کتاب الخلاصہ الوفا میں لکھا ہوا ہے کہ جب حضرت عثمانؓ ابن عفان شہید کیے گئے تو لوگوں کی خواہش تھی کہ انہیں روضہ رسول اللہ ﷺ میں دفن کیا جائے۔ پہلے انہوں نے سیدہ عائشہؓ سے کہا کہ ان کے لیے روضہ رسول میں کچھ جگہ مخصوص کر دیں تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ دفن ہو سکیں۔ سیدہ عائشہؓ نے ان کو جگہ بھی مخصوص کر دی لیکن مصریوں نے حضرت عثمانؓ کی وہاں تدفین سے اتفاق نہ کیا اور اعلان کر دیا کہ وہ نماز جنازہ کا باپیکاٹ کر دیں گے۔ زیری کہتا ہے کہ حضرت ام جبیبؓ نے دھمکی دی کہ جب تک ان (حضرت عثمانؓ) کو دفن کرنے کی اجازت نہ دی گئی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے روضہ پاک پر پڑی ہوئی چادر کو اٹھادیں گی، تب انہوں نے ان کو تدفین کی تیاریاں جاری رکھنے کی اجازت دے دی۔ جبیر ابن مطعم، حکیم ابن حزم اور عبد اللہ ابن زیرؓ دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر حضرت عثمانؓ کا جسد خاکی بیقع میں لائے، لیکن ان کو ایک شخص جس کا نام ابن بحرہ یا نجده سعیدی تھا، نے روک دیا۔ تب وہ ان کا جسد خاکی ھوش کو اکب، ایک باغ میں لائے اور وہاں دفن کیا۔ حکیم ابن حزم کے مطابق بنو امیہ کے عہد میں یہ جگہ بیقع میں شامل کر دی گئی۔ ابن

سعد روایت کرتے ہیں کہ مالک ابن ابی عامر نے کہا کہ شروع میں لوگ خواہش کرتے تھے کہ اس جگہ محفون ہوں اور حضرت عثمانؓ یہاں فن ہونے والے پہلے شخص ہیں۔

سعودی دور حکومت میں باقع کی وسعت

سعودی حکومت کے دور میں باقع کی متعدد بارتو سیع اور مرمت کی گئی ہے۔

آج کل اس کے مشرقی حصہ کو وسعت دینے پر غور و حوض ہو رہا ہے۔

باقع العمامات کا باقع الغرقد میں مدمغ ہونا

سعودی حکومت نے باقع العمامات کے قبرستان کو باقع الغرقد میں شامل کر دیا ہے۔ اس باقع کا

کل رقبہ 3493 مربع میٹر (11527 مربع فٹ) ہے۔

نواحی علاقوں کو شامل کرنا

ایک گزرگاہ جو پہلے باقع الغرقد اور باقع العمامات کو علیحدہ کرتی تھی اور مشرق کی جانب حارة الشرقیہ کی طرف جاتی تھی، کو باقع الغرقد میں شامل کر دیا گیا تھا۔ اس کا رقبہ 824 مربع میٹر ہے۔

یہ کام 1373 ہجری (1953ء) میں کیا گیا۔ وہ دیوار جوان دونوں قبرستانوں کو جدا کرتی تھی، نکال دی گئی۔ باقع کے شمال میں ایک تکونی زمین کا نکرا جس کا رقبہ 1612 مربع میٹر تھا اور بلدیہ کی ملکیت تھا، اس کو تین اطراف، شمال، جنوب اور مشرق کی جانب سے باقع نے گھیر رکھا تھا۔ اس کلژا کو 1385 ہجری (1965ء) میں باقع میں شامل کر لیا گیا تھا۔

سعودی حکومت نے 1386 ہجری (1966ء) میں تدفین کے لیے آنے والے عوام کے استعمال اور سہولت کی خاطر ایک ہلکی قسم کا سائبان تعمیر کیا، یہ 30 میٹر لمبا اور 2 میٹر چوڑا تھا۔ اسے حج کے دوران آنے والے لوگوں کی وجہ سے جگھٹا ہونے کے خدشہ سے اتار دیا گیا تھا۔

1373 ہجری (1953ء) میں بلدیہ نے ایک سائبان قبر کھونے والوں (گورکنان) کے سایہ

کے لیے اور ان کے کھدائی کے سامان کو رکھنے کے لیے بنایا۔

بارش کے موسم میں آسانی سے چلنے کے لیے حکومت نے کپی پکڈنڈیوں کی سہولت فراہم کی۔ یہ جنوب مغربی دروازہ (گیٹ) سے شروع ہو کر بیقع کے انتہائی جنوبی کنارے تک اور جنوب مشرق کے انتہائی کنارے تک بنائی گئی ہیں۔ ایک پاراستہ شمالی دیوار کو دوسرے راستوں سے ملانے کے لیے بنایا گیا ہے۔

یہ پکڈنڈیاں $1\frac{1}{2}$ میٹر چوڑی اور کل لمبائی میں 950 میٹر ہیں۔ ان کے کناروں پر رکاوٹیں 30 سینٹی میٹر بنائی گئی ہیں

سال 1372 ہجری (1953ء) میں حکومت نے بیقع میں مرمت کا کام کیا۔

حضرت حمزہ جنگ اُحد کے شہید

جنگ اُحد ہجرت کے بعد تیسرا سال میں واقع ہوئی (625ء)۔ اس جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب شہید ہوئے۔ وہ اسلام کے پہلے شہید تھے اور سید الشہداء کے نام سے جانے جاتے ہیں۔¹

”جو لوگ اللہ کے راستہ پر مارے گئے ان کو مردہ مت کہو۔ نہیں وہ اپنے مالک کے پاس زندہ ہیں اور اپنی روزی حاصل کر رہے ہیں۔“²

جب رسول اللہ ﷺ نے ان کے جسم کو اس مسخ حالت میں دیکھا تو فرمایا میں اس سانحہ کے درد کو کبھی نہ بھول سکوں گا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بنی عبدالاشہبیل کے گھر کے پاس سے گزرے اور ان کو اپنے شہیدوں پر روتے اور ماتم کرتے سناؤ ان کے رخسار آنسووں سے تر ہو گئے اور فرمایا۔ ”حمزہ پر ماتم کرنے والا کوئی نہیں۔“

1۔ مصنف کا حضرت حمزہ کو اسلام کا پہلا شہید لکھنا مترجم کی فہم سے باہر ہے۔ (مترجم)

2۔ سورہ آل عمران آیت 169۔

حضرت سعدؓ بن معاذ اور حضرت اسدؓ بن خیر واپس بنی عبد اللہ الشہل کے گھر گئے اور ان کی خواتین کو کہا کہ حضرت حمزہؓ کا ماتم کریں۔ جب رسول اکرم ﷺ نے ان کا رونا سنا تو فرمایا کہ انہوں نے بہت ماتم کر لیا اور حکم دیا کہ اب رونا بند کر دیں۔ پھر انہوں نے آئندہ مسلمانوں کو اس طرح ماتم کرنے اور رونے سے منع فرمادیا۔

عبدیہ ابن سامت کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ احمد کے شہیدوں کی قبروں پر جاتے رہتے تھے اور فرماتے۔ ”تم پر سلامتی ہو جنہوں نے صبر کیا اور آخرت میں تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے۔“
سید الشہداء کی قبر

رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت حمزہؓ کو وادی کنفاء جو جبل روما کے شمال مغرب اور جبل اُحد کے جنوب میں واقع ہے، کی ایک پہاڑی پر دفن کیا۔ ان کے بھائی حضرت عبد اللہؓ ابن جحش ان کے ساتھ ہی دفن کیے گئے۔ سعودی حکومت نے ان کی قبر کے گرد ایک آڑ بنا دی ہے اور پہاڑ پر چڑھنے کی خاطر انکریٹ کی سیڑھیاں بھی بنائی ہیں تاکہ قبر پر آنے والوں کو سہولت ہو۔

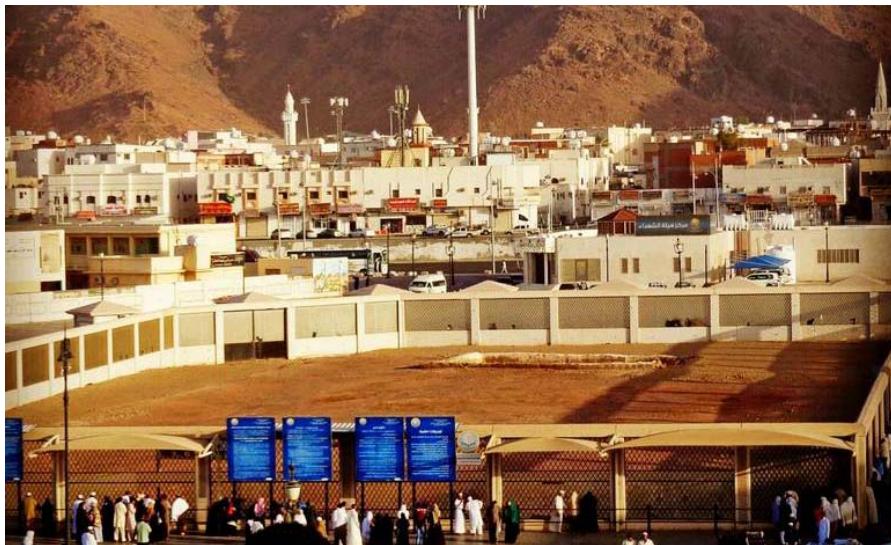


حضرت حمزہؓ کا مزار سعودی دور سے پہلے

دیوار میں ایک لوہے کا دروازہ (گیٹ) جنوبی سمت میں لگایا گیا ہے۔ وادی کنعاہ کو وادی سید الشہداء اور وادی سیدنا حمزہؑ بھی کہتے ہیں۔

شہداء کی قبریں

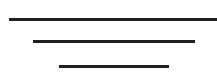
مئر خین نے احمد کے شہداء کی کل تعداد 70 لاکھی ہے۔ ان میں 64 انصار اور 6 مہاجر ہیں۔ اکثر حضرت حمزہؑ کی قبر کے شمالی حصہ میں مدفون ہیں۔ ان کی قبور کا ایک جنگلہ سے احاطہ کیا ہوا ہے۔



شہداء احمد کا تبرستان

شہداء کی قبور پر حاضری

زاائرین جومدینہ میں آتے ہیں وہ حضرت حمزہؑ کی قبر اور دوسرے شہداء کی قبور پر اس فیصلہ کن جنگ کی یاد تازہ کرنے اور مسلمانوں کے لیے سبق آموزی کی خاطر حاضر ہوتے ہیں۔



باب: 6

تاریخی کنوں

1- بضاء کنوں

ابن شیبہ، سہل ابن سعد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اس کنوں سے اپنے ہاتھوں میں پانی لے کر رسول اللہ ﷺ کو پینے کے لیے دیا۔ وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے اس کنوں کے پانی کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ مکمل طور پر پاک ہے اگر اس کو کسی بیرونی عمل سے تبدیل نہ کیا جائے۔

محل و قوع:

یہ کنوں 'حاء' کنوں کے مغرب میں واقع ہے۔ مطربی کہتا ہے کہ یہ شامی باغ کے قریب تھا اور ان دونوں باغوں کے درمیان تھا جو اس کے شمال اور جنوب میں بنائے گئے تھے۔ دونوں باغوں کی آبیاری اسی کنوں کے پانی سے کی جاتی تھی جو میٹھا اور اچھا تھا۔

وہ یہ بھی کہتا ہے کہ مسجد نبوی کے پھرے داروں کے سردار شجاع شاہین جمالی نے یہ کنوں اور دونوں باغ خرید لیے تھے اور اس کنوں پر اس کی حفاظت کے لیے ایک کمرہ بنادیا تھا۔ اس نے ایک دوسرا کنوں کھتی باڑی کے لیے بھی کھود دیا تھا۔

ابن نجاح کہتا ہے کہ اس نے خود اس کنوں کی گہرائی کی پیاس کی تھی جو کہ 4.5 میٹر تھی اور کنوں کے اندر پانی کی سطح تقریباً آدھا میٹر تھی۔

کنوں موجودہ دور میں

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ کنوں باب شامی کے علاقہ میں واقع باغوں میں سے ایک باغ میں تھا لیکن اب بہت سے باغات تغیراتی کاموں کی وجہ سے ختم کر دیے گئے ہیں۔

یہ کنوں بضاء باغچہ کے درمیان میں واقع تھا جس کی آخری ملکیت شریف شہاب اور شریف نصیر کے پاس تھی جو دونوں شریف حیار کے بیٹے تھے جنہوں نے یہ کنوں وقف کر دیا تھا۔

اس باغچہ کی جگہ پر بہت سی تعمیرات ہوئی تھیں، زید ابن شیہال جو اس وقف کا نگہبان تھا، نے یہاں ایک فلیٹ بنایا تھا اور آج کل یہ کنوں اس فلیٹ کے درمیان میں واقع ہے۔

اس نے اس کنوں پر ایک موڑ پپ لگایا تھا تاکہ بلڈنگ کے سامنے بنے ہوئے چھوٹے سے باغچہ کو سیراب کیا جاسکے۔

شریف زید نے اس کنوں کو دیکھنے والے ہر شخص کے لیے کھلا رکھا ہے۔ میں (مصنف) نے خود ذاتی طور پر اس کنوں کو دیکھا ہے جو کہ بہت اچھی حالت میں رکھا گیا ہے اور اس پر خاص طور سے حفاظت کے لیے ایک کنکریٹ کا کمرہ بنایا ہوا ہے۔

میں (مصنف) نے اس کنوں کی گہرائی کی پیمائش کی تھی جو کہ 10.5 میٹر تھی اور اس کا قطر 4 میٹر تھا۔

2- حاء کنوں

مدینہ میں ابو طلحہ ابن ثابت، النصار میں سے سب سے امیر شخص تھا۔ وہ اس کنوں کا مالک تھا اور یہ کنوں مسجد نبوی کے بہت قریب واقع تھا اور رسول اللہ محمد ﷺ اسی کنوں کا پانی پیا کرتے تھے۔

جب قرآن میں یہ حکم آیا کہ امیر لوگ غریبوں پر اپنا مال خرچ کریں تو ابن ثابت نے وہ کنوں اپنے دو چپازاد بھائیوں اُبی ابن کعب اور حسن ابن ثابت کو دے دیا۔

محل وقوع

ابن نجاح بیان کرتے ہیں کہ یہ کنوں ایک چھوٹے باغ کے درمیان میں مدینہ کی دیوار کے قریب واقع تھا اور اس کا پانی میٹھا اور پیونے کے قابل تھا۔ لیکن مطربی کا کہنا ہے کہ یہ دیوار کی شمالی طرف تھا اور اسے ایک گلی علیحدہ کرتی تھی۔

کنوں کی موجودہ حالت

یہ کنوں ابھی بھی موجود ہے اور اس پر ایک پپ لگا ہوا ہے جو کام نہیں کرتا۔ مطربی نے جو

بیان کیا تھا اس کے مطابق وہاں اب کوئی نشان موجود نہیں ہے بلکہ اس کی جگہ وہاں مختلف عمارتیں ہیں جو قرداری خاندان کی ہیں۔ کنویں کے جنوب میں ایک چھوٹی غیر آباد مسجد ہے۔

3- بوصۃ کنوال

حضرت ابوسعید خدریؓ نے بیان کیا کہ حضرت محمد ﷺ نے ایک بار مجھ سے پوچھا کہ ان کے پاس دھونے کے لیے پانی ہوگا؟ انہوں نے بتایا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو ایک بالٹی پانی اس کنویں کا دیا جو کہ نبی ﷺ نے اپنا سردھونے میں استعمال کیا۔

محل وقوع

نجار کہتا ہے کہ بوصۃ کنوال جنت البقع الغرقد کے قریب واقع تھا اور اس کی گہرائی 4.9 میٹر تھی اور قطر 2.7 میٹر تھا۔

اس نے یہ بھی کہا کہ اس کے قریب ہی ایک اور چھوٹا کنوال بھی تھا جس کی وجہ سے عموماً لوگوں کو یہ غلطی گلی رہتی تھی کہ اصل بوصۃ کنوال کون سا ہے۔

تاریخ دان عباسی بیان کرتا ہے کہ دونوں کنویں ایک ہی باغ میں واقع تھے اور مدینہ کے بڑوں کا خیال تھا کہ جنوب کی طرف واقع بڑا کنوال ہی اصل بوصۃ کنوال تھا۔
کنویں کی موجودہ حالت

البوصۃ نام مدینہ میں ایک باغ کا رکھا گیا تھا جو کہ تاریخ دان عباسی نے بتایا تھا۔

یہ باغ توبا اور قربان کے دیہاتوں کی طرف برب سڑک واقع ہے اور وہ لوگ جو اعوالی سڑک پر جنت البقع کے مغربی کنارے سے دائیں طرف مڑکر ان قصبوں کی طرف جاتے ہیں وہ اس باغ کو دیکھ سکتے ہیں۔ اس باغ کی دیوار پرانی اینٹوں کی بنی ہے اور اس میں ایک تالاب بھی ہے۔

اس باغ کے اندر دو کنویں تھے۔ جو بڑا کنوال تھا وہ اصل بوصۃ کنوال جانا جاتا تھا اور چھوٹا

اس سے 60 میٹر شمال کی طرف واقع ہے۔

میں نے خود اس بڑے کنوں کی پیمائش کی تھی اور اس کا قطر چار میٹر پایا تھا۔

یہ کنوں اب کھنڈر بن چکا ہے اور جھاؤ یا تم رسک کا ایک بڑا درخت اس کے قریب اُگ گیا ہے جو اس کنوں کے تباہ ہونے میں زیادہ مددگار ثابت ہوا ہے۔ یہ باغ اب مسجد نبوی کی وقف شدہ الملائک میں شامل ہے۔ یہ اب پڑہ پر حسن منصور لولو کے پاس ہے۔ اس نے بتایا تھا کہ اس کنوں میں اب بھی کافی مقدار میں پانی موجود ہے لیکن اب وہ اس حالت میں نہیں کہ اس کی دوبارہ کھدائی کروائی جاسکے۔ اگر اس کنوں کی دوبارہ کھدائی نہ ہوئی اور اسے اچھی حالت میں نہ رکھا گیا تو ایک اسلامی یادگار ناپید ہو جائے گی۔

4۔ ارلیس خاتم (انگوٹھی) کنوں

ایک روز رسول اللہ ﷺ اس کنوں کے منہ کے اوپر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کی ٹانگیں کنوں میں لٹک رہی تھیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ بن خطاب تشریف لائے اور آپ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ جب حضرت عثمانؓ تشریف لائے تو ان کو کنوں کے منہ پر بیٹھنے کی جگہ نہ ملی تو وہ کنوں کی دوسری طرف سب کے سامنے بیٹھ گئے۔ اس وقت اور اس جگہ پر ہی حضور ﷺ نے ان تینوں کے جنت میں جانے کی بشارت دی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک انگوٹھی تھی جو بعد میں حضرت ابو بکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ کے پاس اور آخر میں حضرت عثمانؓ کے پاس آگئی تھی۔ ایک روز حضرت عثمانؓ کنوں کے منہ (اوپر) پر بیٹھے تھے کہ وہ انگوٹھی حضرت عثمانؓ کی انگلی سے نکل کر عین کنوں کی تہہ میں گرگئی انہوں نے اسے تین دن تک تلاش کروا لیکن وہ انگوٹھی نہ مل سکی۔ اس روز سے یہ کنوں خاتم (انگوٹھی) کے نام سے جانا جاتا ہے۔

محل وقوع

یہ کنواں قباء مسجد کے مغرب میں واقع ہے اور مسجد کے داخلی دروازہ سے عین 42 میٹر کی دوری پر واقع ہے۔ ابن نجار کا کہنا ہے کہ یہ کنواں 6.3 میٹر گھرا اور 2.2 میٹر چوڑا تھا۔ اس کے مطابق اس کی سطح آب 1.3 میٹر تھی تاہم پانی کی سطح کم یا زیادہ ہوتی رہتی تھی جو بارشوں کے بر سے پر منحصر تھی۔

بعد میں سال 714 ہجری (1317ء) میں سطح آب 8.5 میٹر تک بڑھ گئی تھی۔ کنوں کی سطح تک جانے کے لیے سیر ہیاں بنائی گئی تھیں۔ تاریخ دانوں میں یہ اختلاف ہے کہ یہ سیر ہیاں کس نے بنوائی تھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ انہیں شیخ سفی الدین ابن ابوکبر ابن احمد سلامی نے بنوایا جب کہ دوسرے کہتے ہیں کہ انہیں خجم الدین یوسف رومی جو شہزادہ طفیل کا وزیر اعظم تھا، نے بنوایا تھا۔

سلطنت عثمانیہ کے دور میں اس کنوں پر ایک گنبد جسم کا بنا ہوا بنایا گیا تھا اور دوسرਾ گنبد جنوبی سمت میں بنایا گیا تھا۔

یہ دونوں گنبد گرنے والے ہو گئے تھے۔ مدینہ میونسپلٹی نے قباء مسجد کا چوراہا 1384 ہجری (1964ء) میں جب بنایا تو ان دونوں گنبدوں کو مسماਰ کر دیا۔

اب میونسپلٹی اس کنوں کی مالک ہے اور ارادہ کر رہی ہے کہ اس کی مرمت کرے اور چوراہے کے درمیان میں ایک فوارہ بنائے۔

اس کنوں کا پانی اب خشک ہو چکا ہے۔

5- الغرس کنواں

ابن ماجہ، علیؑ ابن ابوطالب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ”جب

میری وفات ہو تو مجھے غرس کنویں کی سات مشک پانی سے عسل دیا جائے۔” انہوں (حضرت علیؑ) نے یہ بھی بتایا تھا کہ رسول اکرم ﷺ اس کنویں کا پانی پیا کرتے تھے۔

محل وقوع:

یہ کنوال قباء مسجد کی شامی جانب واقع ہے اور کھجور کے درختوں سے گراہوا ہے۔ مطربی کے مطابق یہ کنوال آٹھویں صدی ہجری میں دوبارہ کھودا گیا تھا۔ میں (مصنف) نے خود اس کی پیمائش کی تھی اور دیکھا تھا کہ اس کی گہرائی 11 میٹر اور چوڑائی 3 میٹر تھی۔

اس کا پانی میٹھا ہے اور ایک نزدیکی باغ جس کا رقبہ 37000 مربع میٹر ہے، کو بذریعہ پمپ سیراب کرتا ہے۔

6- سقیہ کنوال

سمہودی حضرت عائشہؓ سے روایت کرتا ہے کہ وہ فرماتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ اس کنویں کا پانی پیا کرتے تھے۔

وہ یہ بھی کہتا ہے کہ رباہ، جو حضور ﷺ کے ملازم تھے وہ حضور ﷺ کے لیے اس کنویں کا اور غرس کنویں کا پانی لایا کرتے تھے۔

محل وقوع

مطربی لکھتا ہے کہ یہ کنوال ذوالحیفہ میں علی کنوال کے شمالی طرف نقع کے آخری کونے میں واقع ہے۔ سمہودی لکھتا ہے کہ کچھ فارسی لوگوں نے اس کنویں کو 878 ہجری (1476ء) میں دوبارہ کھودا تھا اور اس وقت سے ہی یہ فارسی کنوال کے نام سے بھی مشہور ہو گیا تھا۔

اس وقت یہ کنوال ریلوے اسٹیشن کے جنوب مشرق میں عنبریا چوک سے 100 میٹر کے

فاصلہ پر واقع ہے۔

جب عنبریہ سڑک بنائی گئی تو اس کنوں کو دفن کر دیا گیا تھا لیکن اب امید ہے کہ عنبریہ کے باغوں کو پانی دینے کے لیے اسے دوبارہ کھودا جائے گا۔

7-رومہ (عمان) کنوں

یہ کنوں ایک یہودی شخص کا تھا جو مسلمانوں کو اس کا پانی فروخت کیا کرتا تھا لیکن حضرت عثمانؓ ابن عفان نے اس سے 20,000 درهم میں خرید لیا اور مسلمانوں کے لیے عام کر دیا۔

محل وقوع

سمہودی کہتا ہے کہ یہ مسجد عقیق وادی کے درمیان اور مسجد قبلتين کے شimalی طرف ایک کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع تھا۔ ابن نجاش کے مطابق اس کنوں کی گہرائی 8 میٹر اور چوڑائی 3.6 میٹر تھی۔ مطربی کہتا ہے کہ محمد ابن محبث طبری (مکہ کے چیف جسٹس) نے اس کنوں کی جب کہ یہ 750 ہجری (1352ء) میں تباہ ہو گیا تھا، تعمیر نہ کروائی۔

یہ کنوں جس میں کہ اب شاید تھوڑا سا پانی ہو یا بالکل خشک ہو گا، ایک باغ کے درمیان واقع ہے اور یہ بڑے سیاہ پتھروں سے ڈھکا ہوا، وادی عقیق کے کنارے واقع ہے۔ یہ کنوں اب مسجد نبوی کی وقف جائیداد ہے اور اسے اب وزارت زراعت و آب کو پڑے پر دیا ہوا ہے۔ وزارت نے اس باغ کو ایک زرعی تجربہ گاہ میں تبدیل کر دیا ہے۔

8- الاصن یا الیسرہ کنوں

حضرت محمد ﷺ نے ایک روز اس کنوں کے پانی سے وضوفرمایا تھا۔

میں نے اس کنوں کی پیمائش کی تھی اور اس کا قطر 3.6 میٹر اور گہرائی 16.5 میٹر پائی تھی۔

یہ کنوں اب استعمال میں نہیں ہے۔

باب: 7

ٹقیفہ بنی ساعدہ

ثقیفہ ایک تین دیواروں والی عمارت ہے جو کچی ایٹھوں اور پتھروں سے بنائی گئی تھی اور اس کی چھت کھجور کے پتوں اور لکڑی سے بنائی گئی تھی۔ یہ جگہ، عام طور پر اہل مدینہ آپس میں ملنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد مسلمانوں کی پہلی اسلامی مشاورت ثقیفہ بنی ساعدہ میں منعقد ہوئی اور اس مجلس میں مسلمانوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پہلے خلیفہ مقرر ہونے پر حلف وفاداری اٹھایا تھا۔

ابن زبالہ نے سہل ابن عبادہ انصاری سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ ایک بار مسجد سے ملحقة اس ثقیفہ میں تشریف فرمائے تھے اور انہوں نے ابن عبادہ کو لی پینے کی دعوت دی تھی جو انہوں نے پی۔^۱

تاریخ دان ثقیفہ کے اصل مقام کے متعلق اختلاف رکھتے ہیں۔ سہودی کہتا ہے کہ بصرہ کنویں کے قریب واقع تھا۔ عبدالقدوس انصاری نے بھی اپنی کتاب آثار مدینہ میں یہی جگہ بتائی ہے۔ تاریخ دان مطری بھی یہی کہتا ہے۔

انصاری کہتا ہے کہ ایک بلڈنگ جس کی بالکلونیاں، بند دروازہ اور ایک گنبد ہے اور وہ شیخ انمل کے نام سے جانی جاتی ہے، وہی جگہ ثقیفہ بنی ساعدہ کی ہے۔ یہ عمارت جسم سے بنائی گئی تھی اور سمجھی رہوڑ پر باب شامی کے قریب واقع ہے اور 1030 ہجری (1620ء) میں علی پاشا کے عہد میں بنی تھی۔

عام طور پر یہی کہا جاتا ہے کہ ثقیفہ اسی علاقہ میں واقع تھا۔ اگر عین اس بلڈنگ والی جگہ نہیں

(۱) Curdled Milk 1

ہے تو اس کے قریب ہی واقع ہو گا۔

مثلث سلطانیہ

یہ جگہ مثلث سلطانیہ کے علاقہ میں واقع ہے۔ یہ ایک پھل دار باغ ہے جس کے جنوب میں دو منزلہ عمارت دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ باغ اور عمارت مکہ اوقاف کے تحت وقف شدہ ہے۔

1383 ہجری (1963ء) میں مدینہ کی میونسپلٹی نے اس علاقہ کو کہ جہاں شقیفہ واقع ہے، اپنی تحویل میں لینے کی سفارش کی۔ اس وقت اس کی مالیت 2 ملین سعودی ریال تھی۔ میونسپلٹی نے بلڈنگ کو لاہبریری اور مسجد میں تبدیل کرنے کی تجویز دی۔ لاہبریری میں ایک آڈیٹوریم (ساماعت خانہ) شامل ہے۔ اس کا نام اسلامی کانفرنس کی یاد میں جو اس عمارت میں منعقد ہوئی تھی، شقیفہ بنی ساعدہ رکھا گیا ہے۔

سعودی حکومت نے اس منصوبہ کو منظور کر لیا تھا، تعمیر کے لیے رقم مختص کر دی گئی تھی اور تعمیر کی خاطر اس جگہ پر جو عمارتیں موجود تھیں ان کو مسما کر دیا گیا ہے۔ لاہبریری کے قریب ہی مسجد کی تعمیر کی جا رہی ہے۔ یہ جگہ تکونی (مثلث) شکل میں ہے اور اس کا رقبہ 4938 مربع میٹر ہے۔ مجوزہ انتظامی عمارت اور لاہبریری کا رقبہ 573 مربع میٹر ہے۔ باقی علاقہ پارکنگ اور باغ کے لیے مختص ہے۔

شقیفہ تاریخی پس منظر میں

شقیفہ کی عمارت مدینہ کی پرانی روایت کے مطابق بنی ہوئی ہے۔ لوگ تین دیواروں والی عمارت تعمیر کرتے تھے کہ اسے عوامی ملاقات اور اکٹھے مل بیٹھنے کے لیے استعمال کیا جائے۔ دیواریں مشرق، مغرب اور جنوبی طرف بنائی جاتی تھیں۔ بلڈنگ کی شماں طرف کو کھلا چھوڑ دیا جاتا تھا تاکہ گرمیوں کے موسم میں ٹھنڈا رہے۔ اس کی چھت کھجور کے پتوں یا لکڑی سے بنائی جاتی

تھی۔ یہ طرز تعمیر ابھی تک رائج ہے۔ اس کا سائز ضرورت کے مطابق رکھا جاتا ہے۔
ثقیفہ کی طرف سڑک

مثلث سلطانیہ جس میں ثقیفہ واقع ہے تھی سڑک کے شروع میں واقع ہے۔ جو عمارتیں
اس تکون کے ساتھ ملی ہوئی ہیں وہ تھیں اور سلطانیہ سڑک کے درمیان واقع ہیں۔ مسجد
نبوی کی جانب سے آنے والی تمام سڑکیں اسی مقام سے گزرتی ہیں۔ یہ جگہ باب شامی سے زیادہ
دور نہیں ہے۔



ثقیفہ بنی ساعدہ

باب: 8

اُحد اور اس کی پانچ جنگیں

اسلامی تاریخ میں جنگ اُحد ایک بہت خوفناک، نمایاں، بھیانک، اور فیصلہ کن جنگ تھی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو اس وجہ سے شکست نہیں ہوئی تھی کہ ان کی قیادت سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی تھی بلکہ اس کی وجہ تیر اندازوں کی وہ سنگین غلطی تھی جو ان سے اپنے سب سے بڑے قائد حضرت محمد ﷺ کی حکم عدوی پر سرزد ہوئی تھی۔

رسول اللہ ﷺ اس جنگ میں زخمی ہو گئے تھے اور ان کے چہرے اور سر پر چوٹیں آئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نبی اکرم ﷺ کی ثابت قدیمی کی ہدایت یہ شکست، فتح میں تبدیل ہو گئی تھی۔

جنگ بدر کا بدلہ لینے کے لیے قریش اور اس کے حليفوں نے اپنی افواج اکٹھی کر لی تھیں اور منصوبے بنائیے تھے کہ وہ مدینہ پر حملہ آور ہو کر رسول اللہ ﷺ اور تمام مسلمانوں کو ختم کر دیں گے۔ (نعموز باللہ)۔

ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ جنگ اُحد اسلام اور کفر کے جھگڑے ہی کا ایک حصہ تھی۔ رسول اکرم ﷺ کی اسلامی تبلیغ کے اول روز سے ہی ان کے قربی رشتہ داروں نے ان کے خلاف بغاوت کر دی تھی اور آپ ﷺ کو اذیتیں دیتی شروع کر دی تھیں تا وقٹیکہ آپ مجبوراً مدینہ ہجرت کر گئے جہاں آپ ﷺ کو انصار (مدگاروں) نے پناہ دی۔ اُس روز سے ہی مدینہ اسلام کا ایک محفوظ قلعہ بن گیا تھا۔

کفار کی فوج

کفار نے جنگ بدر کی شکست کے بعد ہی سے ایک بڑی فوج اکٹھی کر لی تھی اور اس کی تیاری پر بے دریغ اخراجات کئے گئے تھے۔ یہ فوج اندازاً 3000 جنگجوؤں، 3000 اونٹوں، 200

گھوڑوں اور 700 زرہوں پر مشتمل تھی۔

یہ فوج مکہ سے روانہ ہو کر ذوالحکیمہ پہنچی اور پھر وادی قاتا سے ہوتے ہوئے اُحد کے پہاڑوں کے جنوبی طرف سے جبل رماۃ جس کو جبل عینین بھی کہا جاتا تھا، تک پہنچ گئی۔^۱
مشاورت اور قریش کی فوج کی نگرانی

حضرت عباسؑ ابن عبدالمطلب (رسول اللہ ﷺ کے چچا) نے نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کو قریشی فوج کے متعلق لکھا کہ اس کی طاقت کیا تھی اور وہ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئی تھی پغمبر ﷺ نے اس فوج کی نقل و حرکت کے بارے معلومات اکٹھی کرنی شروع کر دیں اور جب یہ فوج ذوالحکیمہ پہنچی تو انہوں نے انسؓ اور مونسؓ جو حضرت فود حالہ کے بیٹے تھے، کو مزید خبریں لانے کے لیے روانہ کیا۔ انہوں نے حبابؓ ابن منظر الجمعہ کو بھی اس فوج کے متعلق مزید خبریں لانے کے لیے بھیجا۔ نبی ﷺ نے قریش کی فوج کے متعلق ضروری اطلاعات ملنے کے بعد اپنے صحابہ کرام کو اکٹھا کیا اور آئندہ کی حکمت عملی کے متعلق مشورہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ رائے تھی کہ مسلمان مدینہ میں ہی قلعہ بند رہیں مگر اکثر صحابہ مدینہ سے باہر نکل کر قریش کے ساتھ جنگ کرنے کے حق میں تھے، پس آپ ﷺ نے اکثریت کی رائے کو منظور فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنا جنگی لباس پہن لیا اور جب صحابہ کرام نے یہ دیکھا تو وہ اس بات پر نادم ہوئے کہ انہوں نے آپ ﷺ کو مدینہ سے باہر نکل کر قریش کی فوج سے مقابلہ کرنے کی رائے کیوں دی۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں بتایا کہ ”جب کوئی نبی اپنا جنگی لباس پہن لیتا ہے تو

۱۔ عینین، وادی قاتا کے کنارے ایک پہاڑ ہے اس مقام کے جنوب کی طرف حضرت حمزہ شہید کنے گئے تھے اور اسی جگہ نیزہ پھینکنے والا اُحد والے دن کھڑا ہوا تھا۔ اس کے مشرقی کنارے پر ایک مسجد تھی۔ یہ ایک گول شکل کا پہاڑ ہے اور اس کا رنگ سُرخی مائل ہے یہ جبل اُحد سے 1.5 کلومیٹر جنوبی سمت میں واقع ہے۔ جنگ کے دن سے ہی یہ جبل رماۃ (پہنچنے والے) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اب یہ علاقہ گھروں سے آباد ہو گیا ہے۔ (مصنف)

پھر وہ اسے اس وقت تک نہیں اتار سکتا جب تک اللہ اس کے اور ڈمتوں کے درمیان فیصلہ صادر نہ فرمادے۔“

رسول کریم ﷺ کی مدینہ میں قلعہ بند رہنے کی رائے عقلم ندانہ تھی کیونکہ قریش کے بس میں نہ تھا کہ وہ ایک لمبے عرصہ تک مدینہ کا محاصرہ جاری رکھ سکتے۔ ان کے درمیان اختلافات اُبھر سکتے تھے اور ان کا ارادہ متزلزل ہو جاتا۔ اگر وہ مدینہ میں داخل ہونے کی کوشش کرتے تو مسلمان ان کو شکست دے سکتے تھے کیونکہ انہیں شہر کے متعلق بہتر علم تھا۔

اسلامی فوج

اسلامی فوج 1000 مجاہدین، دو گھوڑوں اور 100 زرہوں پر منحصر تھی۔ جب یہ فوج مدینہ سے اُحد کی طرف روانہ ہو رہی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین کے ساتھ ایک ایسے گروہ کو دیکھا جن کو آپ پہلے سے نہیں جانتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے پوچھنے پر ان کو بتایا گیا کہ وہ یہودی ہیں اور عبد اللہ ابن ابی کے ساتھی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”ایک کافر کے خلاف دوسرے کافر کی مدد نہیں لئی چاہئے۔“

رسول اللہ ﷺ نے ان یہودیوں سے فرمایا کہ یا تو وہ مسلمان ہو جائیں ورنہ وہ فوج سے نکل جائیں اور انہوں نے دوسرا سمت اختیار کیا۔ ان کے جانے کے بعد اسلامی فوج کی تعداد 700، 2 گھوڑے اور 100 زرہیں رہ گئی تھیں۔

مسلمانوں نے پہاڑ کے درہ میں پڑا کیا جب کہ جبل احمدان کے پیچے، جبل روماۃ ان کے باہمیں طرف اور مدینہ ان کے سامنے تھا۔

پہاڑ پر تیر اندازوں کا تقریر

جنگ کے آغاز سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے 50 تیر اندازوں کو حکم دیا کہ وہ جبل روماۃ کی



جبل احمد



جبل روما (تیر اندازوں کی پہاڑی)

چوٹی پر مقیم رہیں اور حضرت عبداللہ بن جبیر کو ان کا سردار مقرر کیا۔ انہوں نے حکم دیا کہ وہ اسلامی فوج کی پشت کی حفاظت کریں اور کسی بھی حالت میں اس جگہ کو خالی نہ چھوڑیں۔

رسول اللہ ﷺ کے احکام سخت اور غیر مبہم تھے کہ ”اگر تم دیکھو کہ ہم نے جنگ جیت لی ہے پھر بھی ہمارے ساتھ شامل نہ ہونا اور اگر تم ہمیں قتل ہوتے بھی دیکھو تب بھی ہماری مدد کے لیے نہیں آنا۔ اپنی جگہ بالکل نہ چھوڑنا خواہ تم یہ دیکھو کہ مسلمانوں کو پرندے اٹھا کر لے جا رہے ہیں۔“ انہوں نے یہ بھی حکم دیا کہ دشمن کے گھوڑوں پر تیر برسائیں کہ وہ اس سے ڈر جاتے ہیں۔

اس طرح کفار کے 200 گھوڑوں کو مسلمانوں تک پہنچنے سے روکا جا سکتا ہے۔

جنگ کا دن: دونوں فوجوں کا تکرانا

جمعرات کے دن اسلامی فوج قناؤہ وادی میں پہنچ گئی اور جمعہ کے روز احادی طرف کوچ کیا۔

ہفتہ 15-10-625ء ہجری (625ء) کو دونوں دشمن جنگ کے میدان میں ملے جو صرف ایک دن ہی میں ختم ہو گئی۔ مسلمانوں نے بہت بہادری سے کفار کے تمام حملوں کو پسپا کر دیا۔ انہوں نے فوری طور پر ایک جوابی حملہ کیا اور کفار کے علم برداروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور قریش کو شکست دے کر ان کے کمپ پر قبضہ کر لیا۔ اسلامی فوج نے کفار کی بھاگتی فوج کا کچھ فاصلہ تک تعاقب کیا اور پھر ان کے چھوڑے ہوئے پڑا اور قبضہ کرنے کی خاطر واپس آ گئے۔

مسلمانوں نے جنگ پر مکمل قابو کئے رکھا تھا باوجود کہ قریش تعداد میں ان سے بہت زیادہ تھے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے چچا اس جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔

تیراندازوں کی غلطی اور مسلمانوں کی شکست

جب تیراندازوں نے دیکھا کہ کفار کو شکست ہو گئی ہے، ان میں سے بعض نے مشورہ دیا

کہ اپنی جگہ سے نیچے آ جائیں اور مال غنیمت سمینے والوں میں شامل ہو جائیں۔ ان کے سردار اور

دس دوسرے مجاہدوں نے اپنی جگہ پر ہی رہنے کو ترجیح دی۔

یہ ایک بہت بڑی اور مہلک غلطی تھی، مسلمانوں نے ایک دوسری غلطی یہ کی کہ انہوں نے شکست خور دہ قریش کا کافی دور تک پیچھا نہیں کیا تھا۔

مسلمانوں کو اپنی فتح پر اطمینان نہیں کر لینا چاہئے تھا بلکہ پسپا فوج کا بہت دور تک تعاقب کرنا چاہئے تھا۔ کفار نے اپنی شکست مان لی تھی گوان کے صرف 22 آدمی ہی مارے گئے تھے۔

خالد بن ولید اور عکرمہ ابن ابو جہل کفار کے ہر اول دستوں کے سردار تھے۔ وہ جنگ میں حصہ نہ لے سکے تھے کیونکہ پہاڑ سے مسلم تیر انداز تیر بر سار ہے تھے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ تیر انداز اپنی جگہ چھوڑ رہے ہیں تو وہ باقی دس تیر اندازوں پر ٹوٹ پڑے اور ان کے سردار ابن جبیر سمیت سب کو شہید کر دیا۔

تب کفار نے مسلمانوں کو پیچھے سے اپنے حصار میں لے لیا اور تلواروں اور نیزوں سے انہیں شہید کرنا شروع کر دیا۔ مزید یہ افواہ پھیلا دی کہ نعوذ باللہ، رسول کریم ﷺ شہید کر دیئے گئے تھے۔

خالد بن ولید نے پسپا ہونے والے کفار کو پکارا اور کہا کہ واپس آ جاؤ اور مسلمانوں کا محاصرہ کرو۔

خالد، عکرمہ اور دوسرے نیزہ برداروں نے مشرق کی طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا جب کہ دوسرے جنوب اور مغرب کی طرف سے حملہ آور ہوئے۔

مسلمان گھیرے میں آ گئے اور شکست کھا گئے۔ وہ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بکھر گئے۔ صرف رسول اللہ ﷺ اور چند اور اصحاب ہی باقی تھے جو قریش کے ساتھ لڑائی لڑ رہے تھے جو انہنائی غصہ کی حالت میں ان پر ہر طرف سے حملہ کر رہے تھے۔

کفار مسلسل یہ افواہ پھیلا رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ شہید کر دیئے گئے تھے۔ کچھ مسلمان

اس ہریت اور افواہ سے اس قدر بدواں ہو گئے کہ انہوں نے مدینہ کی راہ می، کچھ پہاڑ کی طرف دوڑے، کچھ ہتھیار پھینکنے کا سوچنے لگے اور ایک چوتھا گروہ جن میں رسول اکرم ﷺ بھی شامل تھے، نے آخری دم تک لڑنے کا ارادہ کر رکھا تھا۔

یہ جنگ رماۃ پہاڑ، جو کفار کا پڑاؤ تھا، تک بڑھتے ہوئے اسلامی پڑاؤ جہاں خود رسول اللہ ﷺ مورچہ بند تھے، تک پھیل گئی۔

رسول اللہ ﷺ کی شجاعت اور ثابت قدمی

جس وقت مسلمانوں پر یہ آفت اُمّدی ہوئی تھی، رسول اللہ ﷺ اس وقت اسلامی کمپ میں جو پہاڑ کے درہ کے دہانے پر اور روماۃ پہاڑ کے شمال مغرب میں واقع تھا، موجود تھے۔ ان کے بہت سے صحابہ انہیں چھوڑ کر فرار ہو چکے تھے۔ کفار نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی خاطر اپنی پوری توجہ ان پر حملہ کرنے پر مبذول کر دی تھی لیکن آپ ﷺ ایک چٹان کی طرح مضبوطی سے ڈال رہے۔ وہ پر سکون، مضبوط، بہادر اور صابر ہونے کا نمونہ بنے رہے جیسا کہ تمام انبیاء کرام کا شیوه تھا۔ ان کا ارادہ بھی متزلزل نہ ہوا اور نہ ہی کفار کے متواتر حملوں سے آپ ﷺ خوفزدہ ہوئے تھے۔

آنحضرت ﷺ بہادری سے لڑے اور تیر چلاتے رہے یہاں تک ان کی کمان ٹوٹ گئی۔ ان کو سر پر چوٹیں آئیں، ان کے سامنے کے چار دانت شہید ہو گئے اور ہونٹ کٹ گیا۔ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک خون آلو دھو گیا تھا اور آپ ﷺ کی نظر دھنڈ لی ہو گئی تھی، نبی ﷺ ایک گڑھے میں گر گئے اور آپ ﷺ کے گھٹنوں پر خراشیں آگئی تھیں اور کچھ عرصہ تک آپ ﷺ پر بے ہوشی بھی طاری رہی۔

جو انصار رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کر رہے تھے وہ ایک ایک کر کے شہید ہو رہے تھے۔

انہوں نے اپنی جانوں پر کھلیل کر حضور ﷺ کی حفاظت کی اور جب کوئی ایک شہید ہو جاتا تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا تھا۔ اس طرح ان انصار میں سے 11 نے جام شہادت نوش فرمایا۔

یہ سخت نقصان بھی رسول اللہ ﷺ کونہ تو کمزور بنا سکا نہ ہی ان کے ذہن کو پریشان کر سکا اور وہ جنگ سے متعلقہ احکامات نہایت بہادری، مستقل مزاجی اور دلنش سے دیتے رہے۔ اس تباہی اور افراتفری کے عالم میں بھی رسول اکرم ﷺ کی ہر طرف نظر تھی، ان کی توجہ اس طرف بھی تھی کہ ان کے کچھ صحابہ کرام کس شجاعت سے معمر کہ زن تھے، وہ حضرت سعید بن ابی وقار کے تیروں کو بھی دیکھ رہے تھے جن کی نوکیں کفار کو نشانہ بنا رہی تھیں۔ انہوں نے اس عظیم انصاری خاتون نسیبہ¹ کو بھی دیکھا کہ وہ کس طرح حضور کی حفاظت اپنی تلوار سے کر رہی تھیں۔ بعد میں حضور ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا تھا کہ ”جب بھی میں احمد والے دن دائیں یا باسیں نظر دوڑاتا تھا تو نسیبہ کو میری حفاظت کی خاطر بہادری سے لڑتے ہوئے دیکھتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی نظروں سے احمد والے دن کا کوئی واقعہ بھی پوشیدہ نہ رہا تھا۔

آپ ﷺ نے مسلمانوں کو اپنی طرف بلا تے ہوئے فرمایا کہ ”میری طرف آؤ میں تمہارا پیغمبر ہوں“۔ تب مسلمانوں نے یہ احساس کیا کہ آپ ﷺ ابھی زندہ ہیں اور وہ کفار کے چلتے ہوئے تیروں، نیزوں اور تلواروں کے نقش سے پھلا لگتے ہوئے رسول اکرم ﷺ تک پہنچ گئے۔

انصار نے آپ ﷺ کو گھیرے میں لے کر انسانی جسموں کی ایک دیوار ان کے گرد کھڑی کر دی۔ آنحضرت فرمائی کہ ایسی خطرناک صورت سے باہر نکلنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ احمد پہاڑ کی کسی اوپنجی جگہ پر پناہ لیں۔ پس انہوں نے اپنے ماننے والوں کو حکم دیا کہ وہ پیچھے ہٹتے ہوئے احمد پہاڑ کی چوٹی پر مورچہ بنائیں۔

1 آپ کا پورا نام حضرت ام عمارہ نسیبہ بنت کعب تھا۔ (الرجیح مختوم صفحہ 371) (مترجم)

اس جنگی اہمیت کی وجہ نے مسلمانوں کی تین اطراف سے حفاظت کی یعنی شمال، مشرق اور مغرب سے، کفار اب صرف ایک ہی طرف سے حملہ کر سکتے تھے جو جنوب تھا۔

وہ اب بھی مسلمانوں کی نئی پناہ گاہ پر جنوبی طرف سے حملہ جاری رکھے ہوئے تھے مگر چونکہ مسلمان تین اطراف سے محفوظ تھے اس لیے انہوں نے نہ صرف ان کے حملے پسپا کر دیے بلکہ قریش کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔

یہ پناہ گاہ اُحد کی بلند چوٹی پر پہاڑ کے درہ کے دہانہ میں اس جگہ واقع تھی جسے اہل مدینہ مہاریث کے نام سے جانتے تھے۔

قریش نے مسلمانوں کو ختم نہ کر سکنے کی مایوسی میں ان کے شہیدوں کی میتوں کو بگاڑنا (مثلہ) شروع کر دیا اور ساتھ ساتھ مکہ کی طرف جانا بھی شروع کر دیا کیونکہ وہ اس بات پر ہی مطمئن تھے کہ جو کچھ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کر دیا تھا وہ کافی تھا۔

مسلمانوں نے اپنے شہیدوں کی تدفین کی اور مدینہ لوٹ گئے۔ تقریباً 70 مسلمانوں نے جام شہادت نوش فرمایا، 64 مدینہ کے انصار اس جنگ میں شہید ہوئے اور 150 دوسرے زخمی ہوئے۔ قریش کے صرف 22 لوگ مارے گئے۔

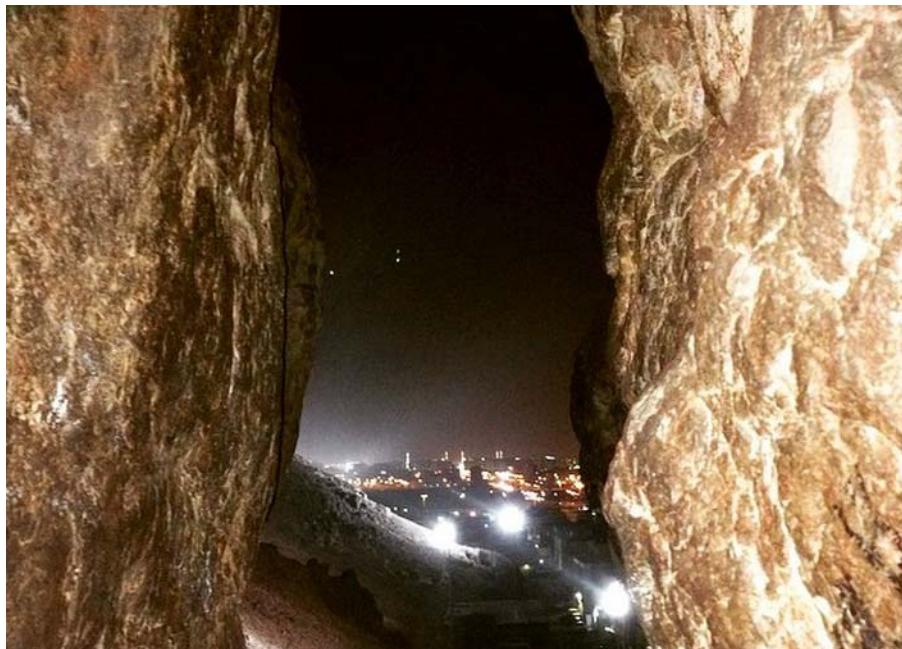
حضرت حمزہؓ نے کہاں شہادت پائی؟

جابر ابن معطیم القریش نے اپنے غلام وحشیؓ کو کہا، کہ اگر تم جنگ بدر میں میرے چپا کے قتل کے بدله میں رسول اللہ ﷺ کے چچا حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو مار دو تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔

وحشی نیزہ چینکے کا ماہر تھا۔ اس نے قریش کی فوج میں صرف اسی مقصد اور آزادی حاصل کرنے کے لیے شمولیت کر لی۔ وہ جنگ میں حضرت حمزہؓ کا تعاقب کرتا رہا، یہاں تک کہ اسے



جبل اُحد پر واقع غار المہاریث جہاں رسول اکرم ﷺ نے زنجی حالت میں پناہ لی تھی



موجودہ دور میں المہاریث غار کے اندر سے لیا گیا مدینہ منورہ کا ایک خوبصورت منظر

موقع مل گیا کہ وہ حضرت حمزہؓ کے سینہ کے نیچے اپنا نیزہ مار سکے۔

بعد میں وحشی¹ نے بتایا کہ اس نے حضرت حمزہؓ کو کیسے شہید کیا، ”میں ایک چٹان کے پیچھے چھپ گیا تھا اور جب حضرت حمزہؓ میرے قریب آئے تو میں نے اپنا نیزہ ان کی طرف پھینکا، وہ (نیزہ) ان کی چھاتی کے درمیان میں ٹکرایا اور ان کے جسم کے دوسرا حصہ سے باہر نکل گیا۔“ حضرت حمزہؓ جنگ اُحد کے ابتدائی حصہ میں ہی شہید ہو گئے تھے جب کہ اس وقت تک مسلمان فتح حاصل کر رہے تھے۔

اہل مدینہ جانتے ہیں کہ حضرت حمزہؓ کو جہاں نیزہ لگا اور ان کی شہادت ہوئی وہ جگہ روماۃ پہاڑ کے مشرق میں بنی ہوئی موجودہ ایک مسجد تھی۔ بعض دوسرے لوگ بھی یہی کہتے ہیں کہ حضرت حمزہؓ کو نیزہ موجودہ مسجد کی جگہ پر ہی لگا تھا لیکن ان کی شہادت بعد میں وہاں ہوئی جہاں روماۃ پہاڑ کے مشرقی طرف اب ایک بلڈنگ واقع ہے۔ تاہم یہ کمزور دلائل ہیں جن کے شواہد بھی مضبوط نہیں۔

بہت سے موَرخ یہ بھی غلط سمجھتے ہیں کہ جنگ اُحد روماۃ پہاڑ کے مشرق میں واقع ہوئی تھی۔ جب اسلامی تاریخ کے مشہور مصنف محمد حسین ہیکل جن کا تعلق مصر سے تھا، نے اُحد کا دورہ کیا تو ان کی رائے بھی باوجود مخالف ثبوتوں کے جوان کے گایڈ احمد عبدالغفور عطار نے پیش کئے تھے، یہی تھی کہ یہ جنگ روماۃ پہاڑ کے مشرق میں ہوئی تھی۔ احمد عبدالغفور عطار اس وقت سعودی عرب کی مانی ہوئی شعبہ تصنیف و تالیف کی شخصیت ہیں۔

تاہم جب ہیکل نے اپنی کتاب ”وَجِ وَارِدٌ ہونے کی جگہ،“ لکھی تو اس نے اپنی تصحیح کر لی تھی

¹ وحشی نے جنگ طائف کے بعد اسلام قبول کیا اور اپنے اسی نیزے سے دور صدیقی میں جنگ یمامہ کے دوران مسلمہ کذاب کو قتل کیا۔ اس نے رو میوں کے خلاف جنگ یرموک میں بھی شرکت کی۔ (ماخذ الرجیل انہیں صفحہ 356، ابن ہشام: ہشام 72/2: 69)

اور لکھا کہ وہ جنگ پہاڑ کے مغرب میں واقع ہوئی تھی۔

اس نے غالباً یہ سچائی ابن سعد کی کتاب، جو اس جنگ کے متعلق ایک مستند حوالہ ہے، کے پڑھنے کے بعد تسلیم کی ہو گی۔

ابن سعد لکھتا ہے کہ محمد ﷺ رسول اللہ نے اپنی پشت احمد کی طرف رکھی اور مدینہ ان کے سامنے تھا۔ روماۃ پہاڑ جہاں کہ انہوں نے تیر اندازوں کو مقرر کیا تھا، ان کے باہمیں جانب تھا۔

پہلا میدان جنگ: حضرت حمزہؓ کی شہادت کی جگہ رومات کے مغربی طرف

حضرت حمزہؓ کی شہادت اور جنگ کی پہلی جگہ دونوں ہی رومات پہاڑ کے مغربی سمت ہوئی تھیں۔ اس کے حق میں یہ شہادتیں ہیں:

1- ابن سعد کی کتاب جو ایک مستند تاریخی حوالہ ہے۔

2- رسول اکرم محمد ﷺ نے صحابہ کرام کو فرمایا تھا کہ شہدا کو اسی جگہ دفن کریں جس جگہ وہ شہید کئے گئے تھے۔ اگر وہ موجودہ مسجد والی جگہ جو روماۃ پہاڑ کے مشرق میں واقع ہے، پر شہید ہوتے تو وہیں دفن کئے جاتے۔

3- جنگ روماۃ پہاڑ کی مغربی طرف شروع ہوئی تھی اور تمام شہدا حضرت حمزہؓ سمیت اُسی جانب مدفون ہیں۔

سمہودی کہتا ہے کہ اگر ایک زائر تمام شہدا کے لیے دعا کرنا چاہتا ہے، تو وہ حضرت حمزہؓ کی قبر پر کھڑے ہو کر یا اس کی مغربی اور شمالی جانب رہ کر، کر سکتا ہے۔

4- میدان جنگ روماۃ پہاڑ کی مشرقی جانب مسلمانوں کی شکست کے بعد ہی تبدیل ہوا تھا۔ یہ تمام شواہد ثابت کرتے ہیں کہ جنگ کا ابتدائی حصہ پہاڑ کی مغربی جانب واقع ہوا تھا اور حضرت حمزہؓ بھی اسی مقام پر شہید ہوئے تھے۔

اُحد کی پانچ لڑائیوں کی جگہیں

جنگ اُحد مسلسل پانچ مختلف جگہوں پر لڑی گئی تھی: پہلی لڑائی وادی قبات میں روماۃ پہاڑ کی مغربی طرف مسلمانوں اور کفار کے پڑاؤ کے درمیان لڑی گئی۔

دوسری لڑائی بھی اسی علاقے میں عین کفار کے کمپ میں جہاں خالد بن ولید نے اس وقت مسلمانوں پر حملہ کیا تھا جب وہ کفار کا کمپ لوٹنے میں مصروف تھے۔

تیسرا لڑائی پہاڑ کے درہ کے دہانہ پر جہاں مسلمانوں کا پڑاؤ تھا اور رسول اللہ ﷺ مقیم تھے۔

چوتھی لڑائی مسلمانوں کی پسپائی کی جگہ پر جوان کے کمپ اور اُحد پہاڑ پر ان کی پناہ کی جگہ تک تھی، جس دوران مسلمانوں نے پسپائی اختیار کھی اور وہ اپنی پناہ گاہ (معصم) تک پہنچ، لڑائی جاری رہی۔

پانچویں لڑائی اُحد پہاڑ پر مسلمانوں کی پناہ گاہ (معصم) پر لڑی گئی جہاں کہ مسلمانوں نے اپنے آپ کو تین اطراف، مشرق، مغرب اور شمالی طرف سے محفوظ کر لیا تھا۔

مسلمانوں نے اپنی عزت بحال کر لی

محمد رسول اللہ ﷺ مدینہ اور دوسرے علاقوں کے کفار عرب کو یہ بتا دینا چاہتے تھے کہ مسلمان ابھی بھی جنگی اور روحانی لحاظ سے مضبوط ہیں اور یہ کہ ان کی فوج کبھی بھی ہزیست نہ اٹھاتی اگر تیر اندازوں نے غلطی نہ کی ہوتی۔

انہوں نے جنگ کے اگلے ہی روز (اتوار 03-10-3 ہجری، 625ء) اپنے وہ صحابہ کرام،

جنہوں نے حضور ﷺ کا جنگ اُحد میں ساتھ دیا تھا، کو اکٹھا کیا اور ان کے ساتھ قریش کا، جو مکہ کی طرف جا رہے تھے، تعاقب شروع کیا۔

جب آپ ﷺ حراء الاسد تک جو مدینہ سے 8 کلومیٹر کی دوری پر تھا، پہنچ تو انہیں یہ اطلاعات

ملیں کہ قریش نے آنحضرت ﷺ اور ان تمام مسلمانوں کو قتل کرنے کی خاطر مدینہ واپس آنے کا فیصلہ کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے قریش سے دوبدو ہونے کے لیے تیاری کر لی اور اسی جگہ کفار کے واپس آنے کا تین دن تک انتظار کیا۔ انہوں نے بعد میں محسوس کیا کہ کفار نے یہ افواہ صرف اس لیے اڑائی ہو گی تاکہ مسلمان ان کا پیچھا نہ کریں اور ان کو فوراً مکہ پہنچنے کا موقع مل جائے۔

جب رسول اللہ ﷺ کو یقین ہو گیا کہ قریش مکہ و اپس پہنچ گئے تھے تو وہ مسلمانوں کے ساتھ واپس مدینہ آگئے۔

اس بہادری، استقلال، فراست اور جنگی ہنرمندی نے ہی مسلمانوں کو اپنی ساکھ و اپس لانے میں مدد کی۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی شجاعت، صبر، مستقل مزاجی اور داشتمانی سے اس شکست کو فتح میں تبدیل کر دیا تھا۔

فتح کی پہلی نشانی اس وقت سامنے آئی جب کفار اُحد کے پہاڑ کے اوپر مسلمانوں کی پناہ گاہ تک نہ پہنچ سکے تھے۔ دوسری نشانی اس وقت نظر آئی جب مسلمانوں نے جنگ کے دوسرے دن کفار کا پیچھا کرنا شروع کیا۔

جنگ اُحد سے کیا سبق حاصل ہوا

-1۔ مشاورت میں اکثریت کی رائے کو تسلیم کرنا۔

-2۔ کافر کی مدد کافر کے خلاف نہیں مانگنی چاہیے۔

-3۔ فوج کو اپنے کمانڈر کے احکامات کی حکم عدو لی نہیں کرنی چاہئے۔

-4۔ ایک زیر کے کمانڈر جو مکمل جنگی تیاری اور جنگی حکمت عملی سے پوری طرح بہرہ ور ہو گا وہی اپنی فوج کو جیت دلا سکتا ہے۔

5۔ عورتیں اسلحہ اٹھا سکتی ہیں اور بوقت ضرورت فوج کے ساتھ لڑائی بھی کر سکتی ہیں۔ یہ اس بات

سے عیاں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انصاری خاتون نسبیہؓ کو اپنے برابر ہی لڑائی کرنے سے منع نہیں کیا اور نہ ہی ان کے اس عمل پر کوئی تقيید کی، بلکہ ان کو سراہا تھا۔

6۔ تیر اندازوں کو ان کی اس غلطی پر کوئی باز پرس نہ کی تھی کیونکہ ان میں تمام یا زیادہ تر جنگ

میں شہید ہو چکے تھے۔ عام طور پر یہ رواج تھا کہ ایسی غلطیوں کے سرزد ہونے پر مسلمان خود

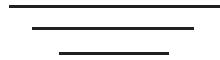
ہی اپنی باز پرس کرتے پیشتر اس کے کہ رسول اللہ ﷺ انہیں پوچھیں۔ یہ جذبہ حضرت

ابولباب اُبین منظر انصاری نے ظاہر کیا تھا، جنہوں نے خود ہی مسجد بنوی میں اپنے آپ کو ایک

ستون کے ساتھ باندھ لیا تھا کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جنگ تبوک میں حصہ نہ لے

سکے تھے یا بنی قریضہ کے یہودیوں کے ساتھ گھرے روابط کی وجہ سے۔ ہم نے آپ کی

کہانی اس کتاب کے دوسرے باب میں پیان کی تھی۔



باب: 9

غزوہ احزاب (مشترکہ اتحاد)
یا
جنگ خندق

بِرْمَعْوَنَهُ (معونہ کا کنوال)

تاریخ دان ابن سعد اپنی کتاب ”الطبقات الکبراء“ میں بر معونہ کا امیہ بیان کرتا ہے:

1- وہ کہتا ہے کہ عامر ابن مالک ابن جعفر ابو براء، رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور جب اس کو مسلمان ہونے کی دعوت دی گئی تو وہ خاموش رہا۔ پھر اس نے رسول اکرم ﷺ سے کہا کہ اگر حضور ﷺ اس کے ہمراہ کچھ صحابہ کرام کو اس کے قبیلہ کی طرف روانہ کر دیں تو اسے امید ہے کہ اس کے لوگ رسول اللہ ﷺ کی دعوت قبول کر لیں گے۔ پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ انہیں یہ خدشہ ہے کہ خبد کے لوگ ان کو نقصان پہنچائیں گے۔ ابو براء نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ یہ صحابہ کرام اس کی حفاظت میں ہوں گے۔ تب رسول اکرم ﷺ نے 70 صحابہ کو جنہوں نے قرآن پڑھا ہوا تھا منذر بن امر ساعدی کی سر کردگی میں اس کے ہمراہ بھجوادیا۔ جب یہ لوگ اس جگہ پہنچ جسے معونہ کنوال کہا جاتا تھا جو بنی سلیم کے پانی لینے کی جگہ تھی تو ان پر عامر ابن طفیل نے اور اس کے ساتھیوں نے گھات لگا کر ماسوائے عامر ابن امیہ ابن ضمری کے سب کو شہید کر دیا۔ ابن طفیل نے عامر ابن امیہ کے سر کے بال منڈوا کر ان کو زندہ چھوڑ دیا۔

ایک دوسرے بیان میں یہ کہا گیا ہے کہ رعل، زکوان، عصیہ اور بنو لیجان کے قبائل کے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور مدد کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے 70 مردوں کو روانہ کیا جو وہاں شہید کر دیئے گئے۔ جب اس خون ریزی کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ملی تو انہوں نے فرمایا کہ یہ کام ابو براء کا ہے، اور اسے ناپسند فرمایا۔ پھر انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ قاتلوں پر وہ

اپنا عذاب نازل فرمائے۔

مدینہ والپی پر ابن ضمری کی بنی کلب قبیلہ کے دو اشخاص سے ملاقات ہوئی جن کو رسول اکرم ﷺ نے پناہ دی تھی لیکن وہ اس سے بے خبر تھے اور انہوں نے ان دونوں کو قتل کر دیا۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے انتہائی غلط اور نازیبا کام کیا ہے اور اس کام کا مداوا ہونا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے تب ان دونوں کا خون بہا ادا کیا۔ یہ واقعہ ذوالحجہ کے مہینہ چار ہجری (626ء) میں پیش آیا۔

- 2- بنی نصیر کے ساتھ جنگ کے احوال بیان کرتے ہوئے ابن سعد کہتا ہے کہ ربع الاول کے مہینہ میں رسول اللہ ﷺ بنی نصیر کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے بنی کلب کو دو اشخاص کے قتل کا خون بہا دینے میں مدد کی درخواست کی۔ بنی نصیر نے اس کا مثبت جواب دیا تاہم اسی دوران یہ سازش سوچی کہ رسول اکرم ﷺ پر ایک بھاری پھرگرا کر انہیں قتل کر دیا جائے (نوعذ باللہ) جب کہ وہ اپنے صحابہ کرام کے ہمراہ بنی نصیر کی ایک عمارت کی دیوار کا سہارا لے کر بیٹھے ہوئے تھے۔

سلامہ بن مشکم نے اپنے لوگوں کو اس کام کے کرنے سے باز رکھنا چاہا کیونکہ اللہ اپنے رسول ﷺ کو اس بات کی خبر کر دے گا اور پھر یہ حرکت رسول اللہ ﷺ اور بنی نصیر کے مابین کئے ہوئے معاملہ کو توڑ دے گی۔ اللہ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو بنی نصیر کی اس سازش کا علم دے دیا، انہوں نے فوراً وہ جگہ چھوڑ دی اور مدینہ والپیں چلے گئے۔ ان کے ساتھی بھی ان کے پیچھے ہی چلے آئے۔ آپ ﷺ نے ان کو بنی نصیر کے یہود کی اس سازش کا بتایا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بنی نصیر کو حکم دیا کہ وہ مدینہ کو خالی کر دیں اور اس بے وفائی کے بعد وہ آئندہ اس جگہ کبھی بھی مسلمانوں کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ لیکن ابن ابی نے یہودیوں کو کہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی حکم عدوی کریں اور

اپنی مضبوط جگہوں پر مورچ بند ہو جائیں۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ 2,000 آدمیوں کی مدد روانہ کرے گا۔ اس نے مزید یہ بھی کہا کہ قریظہ قبیلہ اور ان کے حليف غطفان قبیلہ بھی مدد کے لیے آجائیں گے۔ بنی نصیر کے سردار حمی ابن اخطب جو اس موقع سے ذاتی مفاد حاصل کرنا چاہتا تھا، نے رسول اکرم ﷺ سے کہا کہ وہ مدینہ نہیں چھوڑیں گے اور رسول اللہ ﷺ جو قدم اٹھانا چاہیں اٹھائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے تب بنی نصیر کی یہودی بستی کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمانوں نے یہ محاصرہ 15 روز تک جاری رکھا۔ بنی قریظہ اور بنی غطفان کا ساتھ نہ پا کر اور اس لمبے محاصرہ کی وجہ سے بنی نصیر نے شکست تسلیم کر لی اور مدینہ چھوڑنے پر رضا مند ہو گئے۔ ان کو اپنا تمام سامان ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی گئی۔ لیکن ہتھیار لے جانے کی ممانعت کر دی گئی۔ یہود 600 اونٹوں کے ساتھ خیبر اور عذر روانہ ہو گئے۔

جنگ احزاب (متحدہ دشمن)

مدینہ چھوڑنے کے بعد بھی بنی نصیر کے یہودیوں نے اپنے سرداری ابن اخطب اور دوسری نمایاں شخصیات کی سربراہی میں رسول اللہ ﷺ کے خلاف سازشیں ختم نہ کیں۔ تعصب، عداوت اور بعض سے بھرے ہوئے یہود دین اسلام کو مٹانے اور پیغمبر ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو ختم کرنے کی سازشیں کرنے لگ گئے۔ لیکن یہ ان کی صرف خام خیالی تھی۔ انہوں نے قریش، غطفان اور دوسرے قبائل سے روابط قائم کر کے انہیں اکسانا شروع کیا کہ مدینہ پر حملہ آور ہوں اور نئے دین کو ختم کر دیں۔ اس طرح وہ دوبارہ اپنا کھویا ہوا اقتدار واپس لینا چاہتے تھے۔

متحدہ دشمن کی فوج

یہود نے قریش، غطفان، بنی اسد، بنی سلیم، فزارہ، اشجع، مرہ اور دوسرے قبائل کے ساتھ اتحاد قائم کرنے کے لیے ایک جال پھیلا رکھا تھا۔ ان یہودیوں نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ وہ بنی

قریظہ کے یہود کو اس بات پر آمادہ کریں گے کہ وہ اس اتحاد میں شامل ہوں۔ احزاب میں 10,000 سپاہیوں پر مشتمل ایک کثیر فوج جو ہتھیاروں، رسداور دوسرا جنگی ضروریات کے ساتھ مکمل لیس تھی اکٹھی ہو گئی، اس تعداد میں بنی قریظہ شامل نہ تھے۔ صرف قریش ہی کی فوج 4000 سپاہیوں، 300 گھوڑوں اور 1500 اوٹوں پر مشتمل تھی۔ اس فوج کا سردار ابوسفیان ابن حرب تھا۔ غطفان کی فوج کے چار کمانڈر تھے، عینیہ ابن حصن فزاری، حارث ابن عوف مری، مسرع ابن رونیلہ ابن خوبید الاسدی۔ یہود کی یہ آواز کہ پیغمبر ﷺ اور ان کے دین سے چھکارا پایا جائے، کو قریش نے ہمدردی کی نظر سے دیکھا کیونکہ وہ خود بھی یہی چاہتے تھے۔
یہود کی جنگ

متحده فوج کو بیکجا کرنے کا کردار جو یہودیوں نے ادا کیا تھا اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ جنگ احزاب بنیادی طور پر یہود کی جنگ تھی گو۔ قریش اور غطفان نے اس جنگ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اس کی کڑی برمونہ کے المیہ اور بنی نصیر کے ساتھ جنگ سے مسلک تھی۔ اس جنگ کی ترغیب بنی نصیر کے لیڈروں نے ہی مدینہ سے نکالے جانے کے بعد دی تھی۔
رسول اللہ ﷺ کو اس خبر کی اطلاع

اللہ کے پیغمبر ﷺ، اسلام کے دشمنوں کی حرکات سے پوری طرح باخبر رہتے تھے۔ ان کو متواتر ایسی خبروں کی اطلاع دی جاتی تھی۔

جب آنحضرت ﷺ کو یہ خبر موصول ہوئی کہ اتحادی مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں تو آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو مشورہ کے لیے بلایا کہ ان حالات میں کیا اقدامات کئے جائیں۔ حضرت سلمانؓ فارسی نے مدینہ کے گرد ایک خندق کھونے کی رائے دی جو منظور کی گئی۔^۱

^۱ بعض کتب میں بیان ہے کہ حضرت سلمانؓ فارسی نے اپنی رائے میں یہ کہا کہ فارس میں محاصرہ ہونے پر خندق کھو دی جاتی تھی۔ (الرجیح المحتوم۔ صفحہ نمبر 410) (مترجم)

خندق، مقام اور علاقہ

مسلمانوں نے غور و غوض کیا کہ مشرکین کس طرف سے مدینہ میں داخل ہو سکتے ہیں اور صرف مدینہ کی شمالی طرف ہی غیر محفوظ نظر آئی کیونکہ مشرقی، مغربی اور جنوبی اطراف پہاڑوں پر مشتمل تھیں۔ یہاں آبادیاں اور بھجور کے درخت ایک قدرتی حصار کا کام دیتے تھے۔ خندق صرف شمالی علاقہ میں ہی کھودی گئی تھی۔

غزوہ احزاب (جنگ خندق)

(خندق کا نقشہ و مقام)



خندق کا نقشہ مصنف نے اپنی کتاب کے آخر میں منتک کیا ہے
خندق کی لمبائی 3.75 کلومیٹر، چوڑائی 6.75 میٹر اور گہرائی 5.25 میٹر تھی

جب منصوبہ کا فصلہ ہو گیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے صحابہ کو مختلف ٹولیوں میں تقسیم کیا ہر ٹولی 10 اصحاب پر مشتمل تھی اور ہر ایک کو خندق کا ایک حصہ کھدائی کے لیے دے دیا گیا، مہاجرین نے کھدائی کا کام رتھ جگہ سے زواباب تک سرانجام دینا تھا جو ایک پہاڑی علاقہ تھا، اسی علاقہ میں راعیہ مسجد تعمیر کی گئی تھی۔

رسول اللہ ﷺ اسی جگہ پر ہی خیمه زن ہوئے تھے۔ انصار نے زوباب سے جبل بن عبید کا کھدائی شروع کی۔ رسول اکرم ﷺ بھی خندق کی کھدائی میں مسلمانوں کے ساتھ شامل تھے، ان کا جسم مٹی سے اٹ گیا تھا۔ ایک موقع پر مسلمانوں کو ایک سخت چٹان کا سامنا کرنا پڑا جو ٹوٹ نہیں رہی تھی، انہوں نے حضرت سلمانؓ فارسی سے کہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جائیں اور انہیں اس رکاوٹ کا بتائیں اور وہ ان کی ہدایت کا انتظار کریں گے۔ رسول اکرم ﷺ موقع پر تشریف لائے اور اپنے ہاتھوں میں ک DAL لے کر انہوں نے اسے تین بار اس چٹان پر مارا اور وہ ٹوٹ گئی، ہر بار جب رسول اللہ ﷺ چٹان پر ک DAL مارتے تھے تو آگ کی چمک پیدا ہوتی تھی، انہوں نے مومنین سے فرمایا کہ اس چمک نے فارس اور شام کے محلوں کو روشن کر دیا ہے اور صنعت کے محل کو بھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبرايل علیہ السلام نے بشارت دی ہے کہ مسلمان ان سلطنتوں پر فتح حاصل کریں گے۔ خندق 6 روز میں کھودی گئی۔ بعض تاریخ دان 6 روز سے زیادہ دن بھی بیان کرتے ہیں تاہم یہ بات ظاہر ہے کہ یہ خندق اتحادی فوج کے مدینہ کے نواح میں آنے سے پہلے ہی مکمل ہو چکی تھی۔

خندق کی لمبائی، چوڑائی اور گہرائی

مجھے کسی ذریعہ سے بھی شواہد نہیں مل سکے کہ خندق کی لمبائی، چوڑائی اور گہرائی کیا تھی۔ لیکن محمد احمد بشماںل نے اپنی کتاب ”غزوہ احزاب“ کے پہلے ایڈیشن میں خندق کی اندازٰ لمبائی 3.75 کلومیٹر، چوڑائی 6.75 میٹر اور گہرائی 5.25 میٹر بیان کی ہے۔ خندق کا مقصد مشرکین اور ان کے گھوڑوں کو دوسرا طرف آنے اور ان کی فویت کے بڑھنے کو روکنا تھا۔

اسلامی فوج

سیرت نبوی اور حضور ﷺ کی زندگی پر لکھی گئی کتابوں میں اسلامی فوج کی تعداد 3,000

لکھی گئی ہے۔ کچھ دوسرے تاریخ دان یہ تعداد 900 بتاتے ہیں۔ اسلامی فوج جبل سلح کے شمال میں خیمہ زن تھی اور دشمن سے علیحدگی خندق ہی کی وجہ سے تھی۔
دشمن کی متعدد فوج کا پڑا و

قریش اور اس کے اتحادی مجتمعہ الاصید (آن کل برقة کے نام سے جانا جاتا ہے) اور غطفان، جبل اُحد کے مغرب میں رکے ہوئے تھے۔

غزوہ احزاب

جنگ کا آغاز تیر اندازوں کی تیرزنی اور پھر توپوں کی بارش سے ہوا، پھر تلواروں کی جنگ شروع ہو گئی۔ مشرکین نے مسلمانوں کے دفاع کو توڑنے کی کوشش کے دوران خندق کے ملحقہ ایک کمزور اور غیر محفوظ جگہ کا پتہ چلا لیا تھا اور ان کے کچھ لوگ وہاں سے مسلمانوں کی طرف گھس آئے۔ ان کے نام عمرو ابن عبد واد آمری، عکرمہ ابن ابو جہل، ضرار ابن خطاب، جیرہ ابن ابو یہب اور نوافل ابن عبد اللہ تھے، ان کا فوراً حضرت علیؓ ابن ابو طالب اور دوسرے صحابہ نے مقابلہ کیا۔ حضرت علیؓ نے عمرو کو قتل کر دیا اور زبیرؓ ابن عوام نے نوافل کا کام تمام کر دیا اور وہ خندق کے اندر گر گیا۔ باقی لوگ بھاگ گئے۔
بنی قریظہ کی دھوکہ دہی

یہودیوں کے حاسد اور کینہ پرور سردار، حمیؓ ابن اخطب نے بنی قریظہ کو قائل کر لیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کئے گئے اپنے معاملہ کو توڑ دیں اور اتحادیوں کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ مسلمانوں کو اتحادی فوجوں کے مقابلہ کے ساتھ ساتھ جو یہود ابھی مدینہ میں ہی رہتے تھے ان کی سازشوں کا بھی سامنا کرنا تھا کیونکہ وہ اندر وہی جاؤ سوں کا کام کر رہے تھے۔
مسلمانوں کی حالت نازک ہو گئی تھی۔ ”آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور دل حلق میں آ رہے

تھے۔” مسلمانوں نے اس وقت اپنی فوجوں کی تنظیم نو کی۔ رسول اللہ ﷺ نے دو بیانیں، 500 فوجیوں کو مدینہ شہر کی حفاظت کے لیے روانہ کیا۔ باقی فوج کو خندق کا دفاع کرنے کے لیے رکھا۔ عورتوں اور بچوں کو محفوظ جگہ بھجوادیا گیا۔

جنگ پوری شدت سے جاری تھی اور مسلمان اپنی جگہوں پر بہادری سے ڈلے ہوئے تھے۔ مشرکین نے مسلمانوں کا جوش و جذبہ کمزور کرنے کی خاطر مختلف افواہیں اور غلط اطلاعات پھیلانا شروع کر دیں۔ اتحادیوں نے تب اپنے سب سے مضبوط فوجی دستے جس کا کمانڈر خالد ابن ولید تھا، سے کہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ کرے۔ جنگ رات ہونے تک جاری رہی۔ اس روز رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا نہ کیں۔

مقابلہ کرنے والوں کی نفیسیات اور بہادری کا ذکر قرآن کریم میں یوں بیان کیا گیا ہے:
”دیکھو وہ تم پر تمہارے اوپر سے اور تمہارے پیچھے سے چڑھ دوڑے تھے اور دیکھو کہ آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور دل حلق میں آ گئے تھے۔“¹ مسلمان دراصل پانچ محاذوں پر جنگ کر رہے تھے: اتحادی، بنو قریظہ، سرداری، خوف اور بھوک۔

اس جنگ نے بہت سی مشکلات پیدا کر دیں، لیکن اس کا انجام کفر کے اتحادیوں کے لیے ہزیریت اور نشست کا باعث بنا اور اسلام کو آئندہ کے لیے زیادہ مضبوط اور طاقت ور بنا دیا۔ مسلمانوں نے اس جنگ میں لا جواب مثالیں قائم کیں اور وہ قابل تقید اشخاص تھے جو دشمن کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی بجائے شہادت والی موت کی تمنا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی بنو غطفان سے مصالحت

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں پر پڑے ہوئے دباو کو کم کرنے کی خاطر عینیہ ابن حصن فزاری

کو مدینہ کے انصار کی ایک تھائی پیداوار دینے کا کہا اور اس کے بدله میں ابن حصن اپنے قبیلہ کے لوگوں کو اتحادیوں سے علیحدہ کرے گا۔ فزاری مان گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد ابن معاذ اور حضرت سعد ابن عبادہ جو دونوں انصار میں سے تھے، کو مشورہ کے لیے بلا یا اور انہیں فراری کو دی گئی اپنی پیشکش کا بتایا۔ انہوں نے کہا کہ اگر تو یہ اللہ کا حکم ہے تو آپ ﷺ اس پر عمل کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ اللہ کا حکم ہوتا تو وہ ان سے کبھی کوئی رائے نہ لیتے۔ یہ آپ ﷺ کی ہی رائے تھی اور ان کا نقطہ نظر جانا چاہتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ مسلمانوں کو ان سے لڑنا چاہیے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کی رائے سے اتفاق کیا اور اس فیصلہ نے مسلمانوں کے جذبہ کو دو چند کر دیا۔

نعیم بن مسعود کا کردار

ان کا پورا نام نعیم بن مسعود ابن عامر ابن انبیف تھا جو قبیلہ غطفان سے تھے۔ اپنے لوگوں میں وہ ایک باعزت شخصیت تھے، بنی قریظہ اور اتحادی ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ نعیم نے نئے مذہب کی تاریخ کے نہایت نازک دور میں اسلام قبول کیا تھا۔ وہ رسول اکرم ﷺ کے پاس اس وقت آئے جب حضور ﷺ نے غطفان قبیلہ سے مصالحت نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ انہوں نے حضور ﷺ کو کہا کہ ان کے قبیلہ کے لوگ ابھی نہیں جانتے کہ وہ اسلام قبول کر چکے ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی کہا کہ انہیں کوئی بھی فرض ادا کرنے کا حکم دیا جائے جو وہ ادا کر سکتے ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ چونکہ وہ اکیلے شخص ہیں اور جنگی حکمت عملی میں دوران جنگ مختلف چالیں چلنی ہوتی ہیں اس لیے وہ اپنے ساتھی مسلمانوں کی مدد اتحادیوں کے منصوبوں کو ناکام بنانے کی شکل میں کر سکتے ہیں۔

نعمٰ تب بنی قریظہ کے پاس گئے اور کہا کہ غطفان اور قریش مدینہ کے رہائش نہیں اس لیے انہیں عورتوں اور بچوں کی حفاظت کی کوئی فکر نہیں وہ تو صرف محمد ﷺ سے لڑائی کرنے کے لیے آئے ہیں اور اگر وہ جیت نہ سکے تو اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں گے اور اگر وہ جنگ چھوڑ کر چلے گئے تو بنی قریظہ کو محمد رسول اللہ ﷺ سے خود ہی نیٹنا پڑے گا۔ اور اس صورت میں وہ مسلمانوں کی طاقت کے سامنے کھڑے نہیں ہو سکیں گے۔ انہوں نے مزید کہا کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ سے اس وقت تک لڑائی نہ کریں جب تک وہ بنی غطفان اور قریش کے کچھ آدمی بطور ریغال اپنے پاس نہ رکھ لیں۔ بنو قریظہ کو ان کی یہ رائے پسند آئی۔

پھر وہ قریش اور غطفان کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ قریظہ محمد رسول اللہ ﷺ سے اپنا معاملہ توڑنے پر متساف ہیں اور انہوں نے محمد ﷺ کو مشورہ دیا ہے کہ قریش اور غطفان اپنے کچھ آدمی بطور ریغال آپ ﷺ کے پاس رکھیں اور یہ کہ بنو قریظہ، قریش اور غطفان سے جان چھڑانے کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوں گے۔

جب قریش اور غطفان نے بنو قریظہ سے کہا کہ وہ جنگ میں حصہ لینے کے لیے تیاری کریں کیونکہ جنگ کی صورت حال ان کے حق میں نہیں ہے اور وہ جلد از جلد محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے چھکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں تو بنو قریظہ نے جواب میں کہا کہ وہ اپنے کچھ لوگ بطور ممتازت ان کے پاس رکھوائیں اور اس وقت تک لڑائی سے انکار کر دیا۔ پس اللہ بندو بالا نے وہ سازشی منصوبہ جو بنو قریظہ اور اتحادیوں نے تشکیل دیا تھا، ناکام کر دیا۔ مسلمانوں کے ہیر و نعیم نے اتحادیوں کی شکست کو جلد مکمل کرنے میں عمدہ کردار ادا کیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی اتحادیوں کے خلاف دعا

امام احمدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ الاحزاب کی مسجد میں نمازیں ادا کرنے سے پہلے،

اللہ سے دعا کرتے تھے کہ ”اے اللہ! کتاب اتنا نے والے اور جلد حساب لینے والے، ان اتحادیوں کو شکست دے۔“

اتحادی جنگ سے اُکتا گئے

اتحادی جنگ سے اُکتا گئے تھے جو 20 دن تک جاری رہی اور انہیں مسلمانوں سے دست بدست جنگ کی امید نہ رہی تھی، ان کے لوگ مطمئن نہ تھے اور اس پر سامان رسد کی کمی نے اضافہ کر دیا تھا۔ دراصل مشرکین قلعہ بند جنگ سے ناواقف تھے۔ وہ اب پیچے ہٹنے کا سوچ رہے تھے۔

اتحادیوں کی شکست

ابوسفیان ابن حرب نے اپنے آدمیوں سے مشورہ کرنے کے بعد اتحادی فوجوں کو حکم دیا کہ وہ واپس مکہ کے لیے کوچ کریں۔ اس نے ان کو بتایا کہ بنی قریظہ نے ان کو دھوکا دیا تھا اور محمد ﷺ کے ساتھ امن کا معاهدہ کر لیا ہے۔ مزید ایک سخت آندھی نے ان کے خیمے اور سامان رسد بھی تباہ کر دیے تھے۔

جب مسلمانوں نے اتحادیوں کے پڑاؤ میں غیر معمولی حرکت دیکھی تو اللہ کے نبی ﷺ نے حضرت ہریلہؓ ابن یمان کو تحقیق کے لیے بھیجا۔ جب وہ دشمن کے پڑاؤ کے قریب پہنچے تو شدید و تیز طوفانی ہوا۔ میں ان کے پڑاؤ اور محفوظ جگہوں کو تباہ کر رہی تھیں۔ ابوسفیان اپنے لوگوں پر چلا رہا تھا کہ واپس چلو۔ پھر اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اتحادی فوج نے بھی اس کی تقلید کی۔ فوجوں کی واپسی خالد ابن ولید اور عمر و ابن العاص کی مکرانی میں 200 مضبوط آدمیوں کی حفاظت میں ہوئی۔

حضرت ہریلہؓ نے واپس آ کر آنحضرت ﷺ کو احزاب کی فوجوں کی واپسی کی اطلاع دی۔

اللہ کے فضل سے اتحادیوں کو شکست ہوئی اور محاصرہ ختم ہو گیا۔ ”اور اللہ نے کفار کو غصہ میں بھرے ہوئے ہی نامراد واپس لوٹا دیا۔ انہوں نے کوئی فائدہ نہ پایا اور اس جنگ میں اللہ تعالیٰ خود ہی مونموں کے لیے کافی ہو گیا۔ اللہ کل طاقت کا مالک ہے اور اپنی منشاء کو فائز کرنے پر قادر ہے۔^{۱۴}

دونوں فریقین کے نقصانات

مسلمانوں کے 8 لوگ شہید ہوئے، تمام کا تعلق انصار سے تھا۔ ان میں سلیط اور سفیان ابن عوف تھے۔ اتحادیوں کے چار لوگ ہلاک ہوئے، تمام قریش سے تھے۔

جنگ کی تاریخ اور محاصرہ کی مدت

ابن ہشام اپنی کتاب سیرت، میں محمد ابن اسحاق المقلابی کے حوالہ سے کہتا ہے کہ جنگ خندق ہجرت کے پانچ سال بعد (627ء) شوال کے مہینے میں واقع ہوئی۔

سمہودی نے موی ابن عقبہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ یہ جنگ شوال میں ہجرت کے بعد چوتھے سال میں وقوع پذیر ہوئی۔ ابن سعد اپنی کتاب ”اطبقات الکبریٰ“ میں بیان کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنگ احزاب میں فوجی اخلاق کے بعد ذی قعده کی 7 تاریخ ہجرت کے پانچویں سال واپس مدینہ گئے۔ محاصرہ کی مدت 24 دن بیان کی گئی ہے۔ دوسری اطلاعات کے مطابق یہ 15 دن تک تھا۔

خندق کی موجودہ دور میں جگہ

ایسے کوئی آثار یا کھنڈرات نہیں بچے ہیں جن سے خندق کی صحیح جگہ کی حد بندی کرنے میں مدد مل سکے۔ تاہم، تاریخ کی کتابوں کے مطالعہ سے جو میں نے سمجھا ہے اور سمہودی نے بیان کیا

ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے خندق کی جو حد بندی فرمائی تھی اس کے مطابق حارة الشرقيہ کے عین آخر میں جماعت لشیخین کے مقام سے اس کی ابتداء کی اور صفا مسجد کی مغربی طرف جبل بنی عبید پر اس کا اختتام ہوا۔

ان کتابوں کے متن سے اندازہ لگاتے ہوئے ہم آسانی سے خندق کے مقام کو ایک سیدھی کلیر کھینچ کر جماعت لشیخین سے اگر جبل بنی عبید تک لے جائیں تو یہ کلیر حارة الشرقيہ سے گزرتے ہوئے جنوب مغرب کی طرف کچھ خم کھائے گی۔ میں نے سیدھی کلیر ان وجوہات کی بنا پر کھینچی ہے کہ:

- 1. ایک سیدھی لائن، خم کھائی ہوئی کلیر کے مقابلہ میں کم فاصلہ بتاتی ہے۔
- 2. اس علاقہ میں زمین ہموار ہے۔
- 3. ایک سیدھی لائن خندق کی حفاظت کرنے میں مددگار ہوگی۔

تاریخ دان مطہری نے یہ غلط لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خندق کی کھدائی وادی بہتان سے شروع کر کے ایک لکیر کی سیدھی میں عید گاہ کے مغرب تک اور پھر فتح مسجد سے ہو کر ان دو چھوٹی پہاڑیوں پر ختم کی جو وادی کی مغربی طرف واقع تھیں۔ اس طرح تو جبل سلحان کے پیچے ہو جاتا ہے۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا خیمہ قرن جو کہ فتح مسجد کے مقام پر واقع تھا، میں نصب کیا۔ خندق نے مسلمانوں کو مشرکین سے علیحدہ کر دیا تھا۔

محمد احمد بشما نیل جنگ احزاب پر لکھی ہوئی اپنی مشہور کتاب میں کہتا ہے کہ خندق بنانے کا منصوبہ حضرت سلمانؓ فارسی کی تجویز پر مبنی تھا جن کو ایک کشاور خندق کھونے کے لیے بلا یا گیا تھا۔ یہ خندق جبل سلحان کی مغربی جانب سے بڑھتے ہوئے حارة الوبرہ کے دامن تک مغربی جانب کی بلندی پر واقع تھی۔ اس کی مغربی اونچائی سے مدینہ کا منظر دیکھا جا سکتا تھا۔ یہ خندق

ایک نیم سیدھی لکیر کی شکل میں مشرق کی طرف بڑھتے ہوئے حارة و قیم کے دامن تک چلتی گئی تھی اور شمالی جانب سے مدینہ کا منظر پیش کرتی تھی، اس طرح اس خندق نے متعدد کفار کے لشکر کو جبل سلع کے سامنے مورچہ بند مسلمانوں سے مکمل علیحدہ کر رکھا تھا۔ مدینہ کا شمالی بیرونی علاقہ بھی اسی خندق کی وجہ سے محفوظ رہا۔ خندق کے منصوبہ سے ہی دوسری ذیلی شاخیں کھودی گئیں جو ایک دوسری کو ملاتی تھیں اور بڑی خندق کے آخری کنارے سے جو جبل سلع کا مغربی کنارہ تھا، کو جنوبی حصہ سے وادی بثان اور رانوں سے بھی ملاتی تھیں۔ یہ خندق مغرب کی طرف سے مسجد نبوی کے عقب تک جا سکتی تھیں، بشما نیل نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 30 پر اس خندق کے مکانہ و قوع کا نقشہ بھی درج کیا ہے۔

مطربی اور بشما نیل کے نظریہ پر بحث

بشمیل نے یہ قیاس مطربی کی وجہ سے ہی کیا ہو گا جس نے یہ خیال ابن نجارتے مستعار کیا تھا۔ لیکن میں نے اپنے دلائل اور خندق کی لکیر کے متعلق قیاس، سمہودی، طبرانی، یہیقی اور ابن سعد کے بیانات کی بنیاد پر ہی رکھا ہے جن کی وجوہات درج ذیل ہیں:

- 1- خندق کی لائے کی لمبائی جو مطربی اور بشما نیل نے بیان کی ہے، زیادہ لمبی ہے اور اس کا دفاع کرنا مشکل ہو گا۔ مزید یہ کہ اس قدر لمبی خندق 6 دن یا اس سے قدرے زیادہ وقت میں کھودی نہیں جا سکتی تھی۔

- 2- تاریخی حقائق بتاتے ہیں کہ مدینہ کی مشرقی، مغربی اور جنوبی اطراف رہائشی عمارتوں، کھجور کے درختوں اور پہاڑی علاقہ پر مبنی تھی جو قدرتی حفاظت گاہ تھیں۔ یہ بات غیر دلنشدanza ہو گی کہ ہم ان علاقوں میں خندق کی کھدائی پر اپنا وقت ضائع کریں۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ مدینہ کی تمام اطراف میں سے صرف ایک طرف ہی مورچہ بندی کی گئی تھی اور اس

طرح مدینہ محفوظ ہو گیا تھا۔

3۔ اگر یہ ضروری ہوتا کہ ایک خندق جبل سلیع کے مغرب سے مسجد کے مغربی طرف تک کھودی جاتی اور پھر وہاں سے وادی بہتان، برانونا اور قباء میں محضور کے سنگم تک لاٹی جاتی تو پھر ایک خندق مشرقی طرف سے بھی کھودی جاتی جو مسجد نبوی کے ساتھ ساتھ عوامی گاؤں تک جاتی۔ مزید یہ کہ ایک خندق جنوبی طرف سے بھی کھودی جاتی جو حارة الشرقیہ سے شروع ہو کر حارة الغربیہ اور مبرارتک جاتی۔

4۔ المطہری کا یہ قیاس غلط ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرنِ فتح مسجد والی جگہ ہے، پر خیمه زن ہوئے تھے۔ آپ کا خیمه صحیح طور پر جبلِ زواب بجے جبل راعیہ بھی کہا جاتا ہے، پر نصب ہوا تھا۔ یہ پہاڑ خندق کی لائے کے عین درمیان واقع تھا اور یہاں سے متعدد کفار اور مسلمانوں کے لشکروں کو نظر میں رکھا جا سکتا تھا۔ وہ پہاڑ جہاں کہ فتح مسجد واقع ہے وہاں سے رسول اللہ ﷺ کو خندق کی کل لمبائی کو نظر میں رکھنا دشوار ہوتا اور یہی امر درست ہے۔

5۔ ابن نجاح کا یہ بیان غلط ہے کہ خندق اب بھی موجود تھی اور اب بھی وہ ایک نہر کی شکل میں بلکہ چشمہ جو فتح مسجد کے قریب واقع ہے، میں کھجور کے درختوں کو پانی فراہم کرتی ہے۔ خندق پر کھجور کے درخت تھے جو زیادہ تر زمین میں دب گئے تھے اور اس کی دیواریں بھی منہدم ہو چکی تھیں۔ دراصل ابن نجاح نے جو نہر کیچھی اور بیان کی وہ پانی لے جانے والی تھی اور خندق کے اندر نہ تھی۔ مزید خندق کی دیواریں نہیں تھیں۔

اگر اس بات کی ضرورت ہوتی کہ جبل سلیع کی مغربی طرف سے قباء تک ایک خندق کھودی جائے، تو وہ بیرونی ڈمنوں سے مدینہ کی حفاظت کے لیے نہ بنائی جاتی بلکہ یہ حارة الغربیہ کے اندر سے آنے والے حملہ آوروں سے بچاؤ کے لیے ہوتی۔ مگر ایسا معاملہ نہ تھا۔

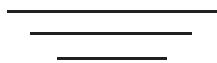
مندرجہ بالائکات کی بنابر میں سختی سے اس نظریہ کی تائید کرتا ہوں کہ خندق کی لکیر شماری طرف تھی، جیسا کہ میں نے نقشہ میں دکھایا ہے یا پھر اس سے ملحت ہوتی۔
دھوکے باز بُنی قریظہ کا اخراج

کفار کی متعدد فوج کی واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنی تمام تر توجہ اندر وہی محااذ پر مبذول کر دی جہاں دغا باز بُنی قریظہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کر رہے تھے۔ مسلمانوں نے بنو قریظہ کی بستیوں کا محاصرہ ان کے ہتھیار ڈالنے تک جاری رکھا۔ ان کو مدینہ بطور قیدی لا یا گیا۔ اوس قبیلہ جو کہ بنو قریظہ کے ساتھی تھے، نے رسول اکرم ﷺ سے کہا کہ ان یہودیوں کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد ابن معاذ کو اس کام کے لیے مقرر کیا کہ یہودیوں پر مقدمہ چلا کیں اور ان کا فیصلہ کریں۔ حضرت سعد نے ان کے مردوں کو موت کی سزا دی اور عورتوں کو قیدی بنا لیا اور ان کی جائیدادیں ضبط کر لیں۔ ان فیصلوں پر عمل درآمد کیا گیا کیونکہ یہودیوں کی مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ بازی اور کفار کی متعدد فوج کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنا بہت سُکھیں جراہم تھے۔ جن لوگوں کو قتل کیا گیا ان میں یہودیوں کا سردار حَمَّان ابن اخطب بھی شامل تھا۔ جو یہودی قتل کئے گئے ان کی تعداد 600 سے 700 مرد تھے۔ جو املاک ضبط کی گئیں ان میں 1500 تلواریں، 300 آہنی جنگی سامان جن میں زرہ بکتروغیرہ شامل تھیں، 2000 نیزے، 1500 ڈھال اور بہت تعداد میں اونٹ اور مویشی شامل تھے۔

جنگ احزاب سے کیا سبق ملتا ہے

1- مسلمانوں کو ہوشیار اور چاک و چوبندر ہنا چاہئے لیکن اپنے آپ کو غیر ضروری خطرات لینے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ یہ جانتے ہوئے کہ کفار کی متعدد فوج مسلمانوں سے تعداد میں بہت زیادہ تھی اور مسلمانوں کو ان کا سامنا کرنے میں زیادہ خطرہ تھا، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے مدافعت کرنے کی رائے سے اتفاق کیا اور خندق کھودنے کا فیصلہ کیا۔

- 2- اسلامی رہنماؤں اور کمانڈروں کو جنگ کے دوران ہر ذریعہ کو بروئے کار لانا چاہئے۔ اس میں دشمن کے حوصلہ پست کرنے والی خبروں کو نشر کرنا بھی شامل ہے تاکہ ان کا جذبہ کمزور پڑ جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے نعیم کو دشمن کے پاس یہی چال چلنے کے لیے بھیجا تھا تاکہ وہ کمزور پڑ جائیں۔ انہوں نے یہ ایک مثال قائم کی تھی۔
- 3- مسلمانوں کو قتل و غارت، بھوک، ٹھنڈا اور تکالیف برداشت کرنے کی عادت ہونی چاہئے اور مشکلات کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ بھی ہونا چاہئے تاکہ وہ اپنے نیک مقاصد حاصل کر سکیں۔ بہادر اور ثابت قدم مؤمنین کی کامیابی ہمیشہ ان کے لیے ایک انعام کا درجہ رکھتی ہے۔
- 4- خبروں کے ذریعہ دشمن کا حوصلہ پست کرنے کا حربہ مسلمانوں نے پہلی بار جنگ احزاب ہی میں استعمال کیا تھا۔ اس جنگ سے ہمیں بہت سے سبق ملتے ہیں ان سب کو ہم تلاش کریں اور ان سے فائدہ اٹھائیں۔



باب: 10

مدینہ میں تعلیمی سرگرمیاں

اسلامی یونیورسٹی^۱

مسجد نبوی کا کردار ایک اسلامی یونیورسٹی کا رہا ہے جہاں دین اسلام، عربی زبان، تاریخ، علم فلکیات، حساب، فلسفہ اور دوسرے مضامین پڑھائے جاتے تھے۔

اس مسجد سے لالعداد علماء، سائنسدان، فلسفہ دان، ریاضی دان اور ماہر فلکیات فارغ التحصیل ہوئے اور اسناد حاصل کیں۔ درس و تدریس کا عمل عام طور پر روزانہ پانچوں نمازوں کی ادائیگی کے بعد یا ان نمازوں کے وقفہ میں ہوتا تھا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ امام مالک کبھی بھی مدینہ سے باہر نہیں گئے تھے مساوئے حج کی ادائیگی کے لیے۔ انہوں نے علم فلکیات پر ایک کتاب لکھی تھی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مضمون بھی مسجد نبوی میں پڑھایا جاتا تھا۔ مدینہ میں سلطنت عثمانیہ کے دور میں عام سکول کھول دیئے گئے اور لوگ بتدریج مسجدوں کی تعلیمی سرگرمیوں سے دور ہوتے گئے اور ان سکولوں میں تعلیم حاصل کرنے لگے۔ تب مسجد نبوی کا ایک بنیادی یونیورسٹی کا کردار کم ہو گیا۔

اسلامی یونیورسٹی کے قیام میں اخبار مدینہ منورہ کا کردار^۲

اخبار مدینہ نے 1379 ہجری سے 1381 ہجری (1959ء سے 1961ء) کے دوران

۱۔ اس باب میں مصنف نے اسلامی یونیورسٹی کے علاوہ مدینہ میں جدید تعلیم کے احیاء اور مختلف نوعیت کے سکولوں اور کالجوں، جن میں صنعتی اور فنی کالج بھی شامل ہیں، کا ذکر کیا ہے اور یہ تعلیم مردوں اور خواتین کو یکساں دی جاتی ہے۔ اسی طرح شہر میں مختلف لائریریوں کا ذکر بھی آتا ہے۔ مصنف نے تفصیلی انداز میں اپنے اخبار کا ذکر بھی اسی باب میں کیا ہے جس کا ایجاد 1936ء میں مدینہ ہی سے ایک ہفت روزہ ”اخبار المدینہ“ کی شکل میں کیا گیا تھا اور 1962ء میں اسے روزنامے کی شکل وے دی گئی تھی۔ اس اخبار کا دفتر بھی مدینہ سے جدہ منتقل کر دیا گیا تھا جو کہ اب ملک کا کثیر الاشاعت اخبار ہے۔ مصنف کے دوسرے بھائی عثمان حافظ بھی ابتداء ہی سے اس اخبار کے ساتھ مشکل رہے اور انہوں نے اپنی کتاب ”صحافت نصف صدی“ میں اپنے اخبار کی جدوجہد کا مفصل حال بیان کیا تھا۔ بقول مصنف یہ کتاب یونیورسٹی کے نصاب میں شامل ہے۔ (متجم)

۲۔ یہ اخبار مصنف اور ان کے بھائی کی ملکیت تھا۔

مذہبی منورہ میں اسلامی یونیورسٹی کے قیام کے لیے باقاعدہ مہم کا اہتمام کیا۔ جن صحافیوں نے اس مہم کی سرپرستی فرمائی ان میں عبید مدنی، احمد لفظی، علی حافظ (اس کتاب کے مصنف) اور ان کے بھائی عثمان حافظ شامل تھے۔

خبر کے ناشر کی حیثیت سے علی حافظ اور عثمان حافظ نے اس موضوع پر لکھے گئے کچھ مضامین شاہ سعود ابن عبدالعزیز کو بھجوائے جنہوں نے یونیورسٹی کے قیام کا حکم نامہ جاری کیا۔

مضامین میں شاہ سعود ابن عبدالعزیز کے قیام کے لیے ایک شاہی فرمان جاری ہوا اور اتوار 1381-6-2 ہجری (1961ء) کو یونیورسٹی نے باقاعدہ اپنا کام شروع کر دیا۔ مفتی اعظم شیخ محمد ابن ابراہیم اس یونیورسٹی کے ناظم (ریکیٹر) مقرر ہوئے اور شیخ عبدالعزیز ابن باذ، ان کے نائب مقرر ہوئے۔



مصنف علی حافظ کی کوششوں سے بنائی گئی اسلامی یونیورسٹی مدینہ

سعودی حکومت کے سفارت خانوں کو یونیورسٹی کے قیام کے متعلق اطلاع دی گئی اور ہر ملک کے لیے طلباء کی خاص نشستیں رکھی گئیں۔

سندر (ڈگری) حاصل کرنے والے طالب علم کو 300 سعودی روپیہ ماہوار وظیفہ ملتا تھا اور ثانوی تعلیم کے طالب علم کو ماہوار 250 سعودی روپیہ وظیفہ ملتا تھا۔ اس کے علاوہ مفت رہائش اور طالب علم کو اپنے ملک تک آنے جانے کا ٹکٹ بھی ملتا تھا۔ سعودی عرب اور بیرون ملک کے طلباء اس نئی یونیورسٹی میں داخلہ کے لیے امڈ پڑے۔

یونیورسٹی کے مقاصد

اس یونیورسٹی کا مقصد طلباء کو اسلامی کلچر اور عربی زبان کے فروع کی تعلیم دینا ہے تاکہ یہاں کے سندر یافتہ طالب علم ہر طرح کے مذہبی سوالوں کا جواب دے سکیں اور اسلام کو پھیلائیں۔

طلباء کی تعداد

اس یونیورسٹی کا آغاز 1961ء میں ہوا۔ ابتداء میں 84 طلباء نے شرعیہ کالج میں داخلہ لیا اور 173 طالب علم ثانوی تعلیم کے لیے یونیورسٹی میں داخل ہوئے۔ پانچ سال بعد اس کے کل 748 طالب علم تھے۔ سعودی عرب کے علاوہ دنیا کے مختلف ممالک سے طلباء حصول تعلیم کے لیے یہاں آتے ہیں۔

یونیورسٹی کا صدر مقام

یہ یونیورسٹی وادی عقیق کے کنارے جمادات پہاڑ کے شمال مشرق اور شاہ فہد کے محل کے جنوب مشرق کی طرف واقع اور مسجد نبوی سے پانچ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔

مصنف نے اس کتاب کے تتمہ (صفحہ 204) میں لکھا ہے کہ خادم حرمین شریف شاہ فہد ابن عبدالعزیز نے بروز جمعرات، 8 صفر 1405 ہجری (2 نومبر 1984ء) کو اسلامی یونیورسٹی کی

توسیع کے کام کا افتتاح ایک عالیشان تقریب میں کیا تھا۔ توسعہ کے کام کی تفصیل یونیورسٹی کے ریکٹر (ناظم) نے شاہ فہد کو اسی تقریب میں بیان کی۔ اس تقریب کا حال ٹیلی ویژن پر دکھایا گیا جو سعودی عوام اور مسلم امت نے دیکھا۔

صحرا میں تعلیمی کوششیں..... مساجید (Al-Misajeed) میں صحرائی سکول

المساجید مدینہ سے 83 کلومیٹر کے فاصلہ پر مدینہ۔ جدہ سڑک پر واقع ہے۔ صحرا میں قائم کیا گیا یہ پہلا سکول تھا۔ یہ ایک بنیادی تعلیم کا سکول تھا اور اس کا نصاب جدید طرز تعلیم پر رکھا گیا تھا۔ یہ سکول 1365ھ (1945ء) میں علی حافظ (مصنف) اور اس کے بھائی عثمان حافظ نے قائم کیا تھا۔ یہ دونوں اشخاص اس بات کو بخوبی سمجھتے تھے کہ بدودہ کو تعلیم دینے کی از حد ضرورت تھی اور اسی بنا پر ان کے لیے سکول قائم کیا گیا۔ ابتداء میں سکول کی کلاسیں ایک کافی کی دکان^۱ کے کمرہ میں منعقد ہوتی تھیں اور کچھ عرصہ کے بعد ایک علیحدہ عمارت کا بندوبست کیا گیا۔

دونوں بانی حضرات کو والدین اور بچوں میں سکول جانے کی عادت ڈالنا ایک بہت مشکل کام نظر آیا کیونکہ سکول کی تعلیم ان لوگوں کی زندگی میں کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔

طالب علموں کی سکول آنے میں حوصلہ افزائی کی خاطر سکول کے بانی دونوں حضرات ان بچوں کو روزانہ کچھ رقم دیتے تھے، بعد ازاں شاہ عبدالعزیز نے حکم دے دیا کہ ہر طالب علم کو روزانہ آدھا (نصف) ریال دیا جائے۔

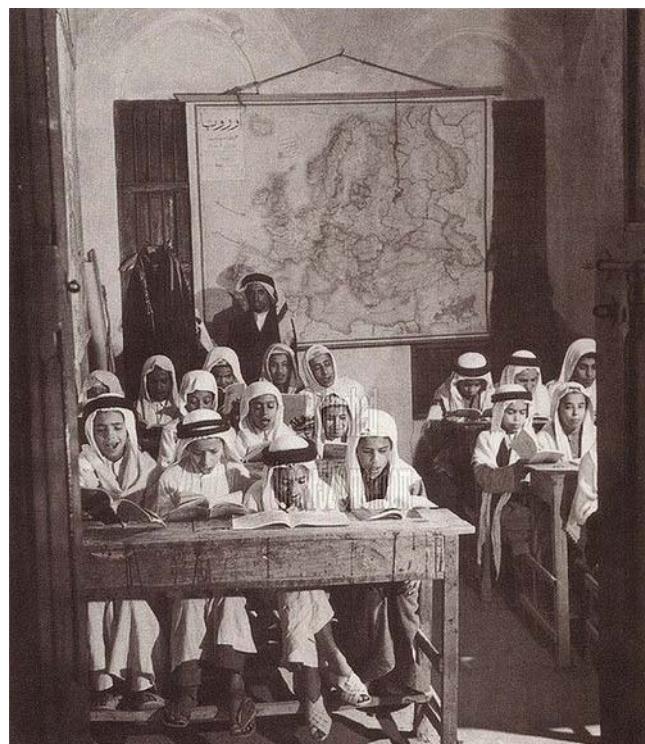
سکول کے بانیان کو ایسے اساتذہ ملنے میں دشواری پیش آتی تھی جو صحرا میں رہائش رکھنے کے لیے رضا مند ہوں۔ تاہم مدینہ کے ایک عظیم ماہر تعلیم نے یہ چیلنج قبول کیا اور وہ پہلے سکول ماسٹر

¹ غالبًاً قہوہ خانہ ہوگا۔ (مترجم)

بن گئے۔ اُن کا نام سالم داغستانی تھا۔ وہ اپنے خاندان کے ساتھ مساجید میں باوجود صحرائی زندگی کی مشکلات کے، رہائش پذیر ہو گئے۔ سکول کے بانی صاحبان بذریعہ لاری (بس) معائضہ کے لیے اکثر وہاں آتے تھے۔

ابتداء میں اس سکول میں 13 طالب علم داخل ہوئے مگر جلد ہی یہ تعداد 34 تک پہنچ گئی۔ مساجید میں حکومت کی ایک عمارت موجود تھی جو اس نے اس سکول کے بانی حضرات کو سکول کے لیے دے دی۔ یہ عمارت اس وقت کے وزیر خزانہ شیخ عبداللہ سلیمان نے دی جو اس پر اجیکٹ کی ہمت افزائی کرتے تھے۔

اس سکول نے بہت شہرت اور کامیابی حاصل کی اور اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہوا کہ صحرائے



صحرائے کے ایک سکول کی فوٹو

رہنے والے جو پہلے اپنے بچوں کو تعلیم دلانے سے خائف رہتے تھے اب ان کو دور دراز علاقوں سے بھی سکول بھیجننا شروع کر دیا۔ وہ اب حکومت سے مطالبة کرنے لگے کہ ان کے لیے مزید سکول کھولے جائیں۔ حکومت نے ان کی درخواست کا ثابت جواب دیا اور صحرائیں بداؤؤں کے لیے سکول قائم کرنے شروع کر دیے۔ 1381ھجری (1961ء) میں سکول کے باñی صاحبان نے پندرہ سال سے زائد عرصہ اس سکول کو چلانے کے بعد اسے حکومت کے حوالے کر دیا۔

حکومت نے ہیڈ ماسٹر شیخ سالم داغستانی کی خدمات کے عوض انہیں مذہبیں میں مستقل ماہر تعلیم کے طور پر متعین کر دیا۔ جو عرصہ انہوں نے صحرائیں گزارا تھا اسے پیش دینے کے لیے شمار کر لیا گیا۔

وزیر خزانہ شیخ عبداللہ سلیمان کے کہنے پر سکول نے اپنے 17 سنديافتہ طلباء کو ریلوے کی فنی تربیت کے لیے دام بھجوایا۔ ریلوے کی تربیت کے علاوہ طلباء کو انگریزی زبان بھی پڑھائی گئی اور بعد میں انہیں مزید تربیت کے لیے امریکہ بھیجا گیا۔ سکول کے جو گریجویٹس امریکہ سے ٹریننگ لے کر آئے تھے، محکمہ ریلوے میں انہیں اعلیٰ انتظامی اور فنی عہدوں پر فائز کیا گیا۔ جن لوگوں نے انگریزی زبان میں دسیس حاصل کر لی تھی ان کو دام میں محکمہ ریلوے کے معافیہ کے لیے آنے والے اعلیٰ سعودی عہدہ داروں کے ساتھ ترجمانی کے فرائض ادا کرنے کی خاطر مقرر کیا گیا۔

ایک بار ان ترجمانوں میں سے ہی ایک نے وزیر خزانہ شیخ عبداللہ سلیمان کے دورہ دام پر ان کے ساتھ بطور ترجمان فرائض سرانجام دیئے۔ جب ان کو یہ علم ہوا کہ یہ ترجمان اس صحرائی سکول کا سنديافتہ ہے جس کی وہ سرپرستی فرماتے رہے ہیں تو وہ بہت متاثر ہوئے۔

تقریباً 23 طلباء نے ملٹری سکول میں داخلہ حاصل کیا جہاں سے انہوں نے ثانوی اور وسطی (Intermediate) تعلیم مکمل کی اور ریاض کے عسکری کالج میں داخلہ لیا۔ مزید 20

سندر یافتہ طلباء نے ریاض انٹیونیٹ میں داخلہ لیا جو ایک یونیورسٹی کا درجہ رکھتا تھا۔ فارغ التصیل ہونے کے بعد وہ اسلامی یونیورسٹی میں تدریس اور انتظامی امور کے شعبوں کے ساتھ مسلک ہو گئے۔

صحراًی سکولوں کے 200 سندر یافتہ طلباء مکمل تعلیم میں ملازم ہوئے۔ وہ مدرس اور تعلیمی رہنماء (Guide) کے طور پر فرائض سرانجام دیتے رہے۔ صحراًی سکولوں کا زیادہ عملہ ان کے اپنے ہی سندر یافتہ تھے۔

مذہبیں میں لاہوریاں (کتب خانے)

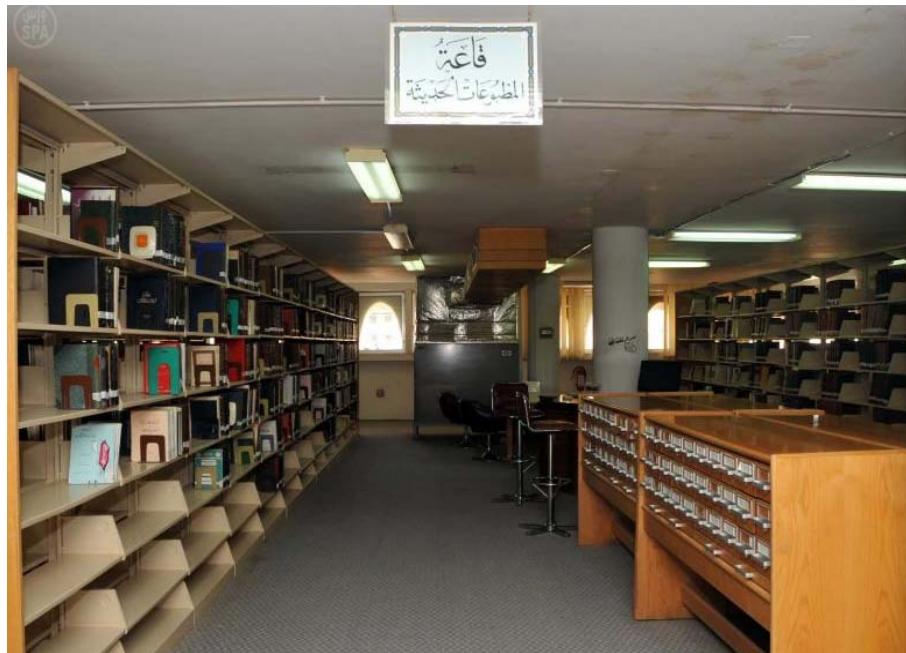
مذہبیں میں بہت سی عوامی لاہوریاں موجود ہیں جو زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق نادر علمی کتابوں سے بھری پڑی ہیں جن سے استفادہ نوجوان نسل اور علمی تحقیق کرنے والے طلباء اٹھاتے ہیں۔ ان میں نمایاں شاہ عبدالعزیز لاہوری ہے۔ اس کے علاوہ مسجد نبوی کی لاہوری، شیخ الاسلام عارف حکمت لاہوری، مذہبیں پبلک لاہوری اور محمودیہ لاہوری وغیرہ شامل ہیں۔



مسجد نبوی میں موجود لاہوری کا اندروئی منظر



شہزاد عبید العزیز لائبریری کا پیرومنی منظر



شہزاد عبید العزیز لائبریری کا اندرمنی منظر

باب: 11

مدینہ موجودہ دور میں

عین الزرقہ۔ (نیلا چشمہ)

یہ چشمہ 51ھجری (673ء) میں مدینہ کے گورنر مروان ابن حکم نے بنو امیہ کے پہلے فرمانزروا معاویہ ابن ابوسفیان کے دور حکومت میں بنایا تھا۔ نیلے چشمہ کا نام اس بات سے اخذ کیا گیا تھا کہ گورنر کی آنکھوں کا رنگ نیل گول تھا۔

اس چشمہ کو پانی بیڑا زرق کنوں سے دیا جاتا تھا جو قباصجد کے مغربی جانب جعفریہ کے علاقہ میں واقع تھا۔

بعد ازاں اس چشمہ کو مزید پانی مہیا کرنے کے لیے قباصجد کے قریب نو (9) کنوں اور کھودے گئے۔

آب رسانی کے مقام

مدینہ کے شہریوں کے لیے نیلے چشمہ سے پانی کی فراہمی کے لیے مختلف جگہوں پر سپلائی کے مقام رکھے گئے تھے۔ اس مقدس شہر میں نیلے چشمہ سے پانی کے حصول کے لیے مل لگائے گئے تاکہ پانی لے جانے والے ان مقامات سے پانی لے کر اہل مدینہ کو فروخت کر سکیں۔ بعض جگہوں پر جہاں 10 میٹر گہرائی میں مل لگائے گئے تھے پانی لے جانے والوں کی سہولت کے لیے خاص قسم کی سیڑھیاں بنائی گئیں تھیں تاکہ وہ وہاں تک پہنچ کر اپنے برتن (Containers) بھر سکیں۔

شہر میں بہت سے مقامات پر پانی فراہم کرنے کی سہولت موجود تھی، جن میں مناچہ جو مصلی مسجد کے قریب تھا، سہما، چھوٹا قلعہ، باب السلام، باب بصری انواع۔ درب الجنازہ اور ذکی شامل تھے۔



کھارے پانی کو پینے کے قابل بنانے کا پلانت (Desalination Plant)

سعودی حکومت نے اہل مدینہ کو نیلے چشمہ سے صاف اور پینے کے قابل پانی کی وافر مقدار
 مہیا کرنے میں پوری مدد کی۔

1344ھ (1926ء) میں ایک خاص محلہ نیلے چشمہ کے نظم و نسق کے لیے قائم کیا گیا
 تاکہ اس چشمہ کے پانی کو بہتر طور پر استعمال کیا جاسکے۔ اس محلہ کے پہلے سربراہ زین العابدین
 مدنی مقرر کیے گئے تھے۔ ان کے نیچے ایک کمیٹی قائم کی گئی جو اس کے انتظامی معاملات کو چلانے
 کے لیے محلہ کے سربراہ کی معاونت کرتی تھی۔

1379ھ (1959ء) میں نیلے چشمہ کے محلہ میں کل 69 ملازام کام کرتے تھے اور اس کا
 بجٹ بھی بہت مختصر تھا۔ 1385ھ (1965ء) میں اس کا بجٹ بڑھ کر 2.3 ملین سعودی ریال
 ہو گیا جس کے علاوہ سعودی ریال 2.2 ملین 20 انج چوڑی پائپ لائن بچھانے کے لیے مختص کئے
 گئے۔ اس وقت ملازیں کی تعداد تقریباً 1000 تک پہنچ چکی تھی۔

1398ھجری (1978ء) میں ایک شاہی فرمان کے ذریعہ مذہبیہ کے لیے پانی اور نکاسی آب کا ایک علیحدہ محکمہ قائم کر دیا گیا۔ اس نئے محکمہ میں نئیلے چشمہ کی انتظامیہ کو بھی ضم کر دیا گیا۔ 1403-04ھجری (1983ء) میں اس محکمہ کا کل بجٹ 314 میلین سعودی ریال ہو گیا تھا۔ پانی اور نکاسی آب کے محکمہ کے وجود میں آجائے سے نئیلے چشمہ کا محکمہ ختم ہو گیا۔

مجھے امید ہے کہ نئیلے چشمہ کا نام محفوظ رکھا جائے گا، کیونکہ اس کی تاریخی حیثیت بخوبیہ کے فرمانروایہ ابن ابی سفیان کے دور سے وابستہ ہے جو 1300 سال سے زیادہ عرصہ پر محبط ہے۔

کھارے پانی کو پینے کے قابل بنانا۔ (Desalinated Water) مذہبیہ کے زیریز میں پانی کی سطح سنجیدگی کی حد تک کم ہو گئی تھی کیونکہ وہاں کے لوگوں نے پانی کے نکلے استعمال کرنے شروع کر دیئے تھے۔ نئیلے چشمہ کے پانی کو میشنوں کے ذریعہ نکال کر ٹینکوں اور تالابوں میں ڈالا جاتا تھا اور وہاں سے پانپوں کے ذریعہ گھروں میں



مذہبیہ میں موجود بھلی گھر

سپلائی دی جاتی تھی۔

اس طرح مدینہ کی بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے زیریز میں پانی کی قلت ہو گئی۔

کھارے پانی کی تبدیلی کی کارپوریشن (Swcc)¹ نے 7-4-1398ھ (1980ء) میں مدینہ کے پلانٹ کے پہلے مرحلہ کی ابتدا کا کام شروع کیا۔ شاہ خالد کی سرپرستی میں ایک بڑی تقریب کا اہتمام کیا گیا۔

یہ تقریب مسجد قبا کے جنوب مغرب کی طرف ایک کلو میٹر کے فاصلہ پر 90,000 کیوب میٹرو سعت کے بنائے گئے پانی کے تالاب کے قریب منعقد ہوئی تھی۔ مدینہ کی جدید تاریخ کا یہ ایک یادگار دن تھا۔

یہ پلانٹ بحیرہ احمر میں پینج² کے شمال میں 41 کلو میٹر کے فاصلہ پر لگایا گیا تھا۔

مدینہ میں بھلی

مدینہ میں پہلی بار بھلی 1326ھ (1906ء) میں ترک دور کے وقت ریلوے لائن کے ساتھ ہی آئی تھی۔ عثمانی انتظامیہ نے مسجد نبوی کی مغربی جانب ایک ریلوے اسٹیشن بنایا اور وہاں ایک جیزیرہ نصب کیا جو مسجد نبوی کو بھی بھلی فراہم کرتا تھا۔ جب مسجد نبوی کی توسعہ کی گئی تو ریلوے اسٹیشن اور اس کے گرد و نواح کی تمام عمارتوں کو منہدم کر دیا گیا۔

ریلوے اسٹیشن جس میں جزیرہ لگا ہوا تھا اور وہ مسجد نبوی کو بھی بھلی فراہم کیا کرتا تھا، اس کو مسما کرنے کے بعد 1375ھ (1955ء) میں شیخید احمد بن لادن نے ابیار علی میں جو مدینہ سے 9 کلو میٹر فاصلہ پر عیر پہاڑ کے مغرب میں واقع ہے، ایک بھلی گھر تعمیر کیا۔

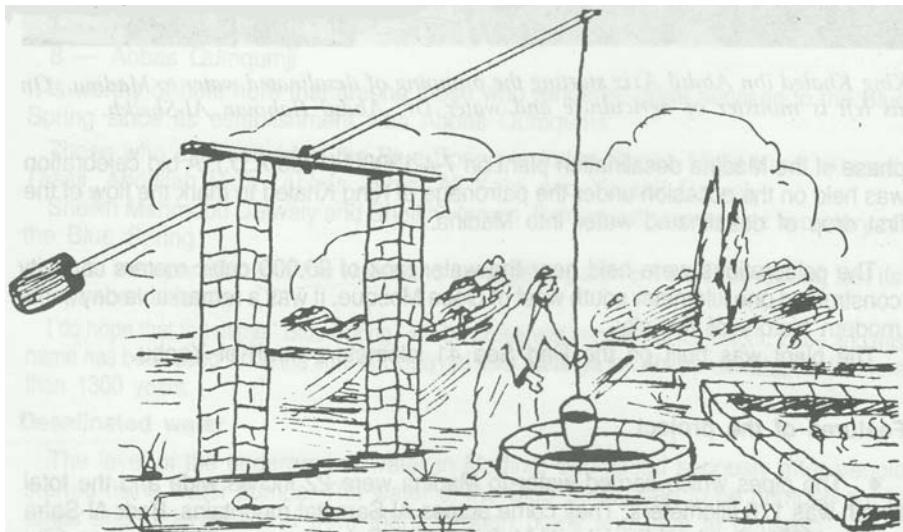
ایک سال بعد مدینہ کی بھلی کمپنی کا اجرا ہوا اور ابن لادن کے بنائے ہوئے اسٹیشن کو 1957ء

(1) The Saline water conversion corporation (Swcc) 1

- Yanbu 2

میں اس نئی کمپنی کا حصہ بنادیا گیا۔ اُس وقت کے وزیرِ خزانہ نے رسمی طور پر یہ اعلان کر دیا کہ ابن لادن کے اسٹیشن کی ملکیت نئی کمپنی کو دے دی گئی ہے۔

اُس وقت سے ہی مدینہ منورہ کا بھلی کا نظام ترقی پر گامزن ہے۔ 1388 ہجری (1968ء) میں بھلی کی کل ترسیل 6100 کلوواٹ اور کل صارفین کی تعداد 12,315 تھی۔ پندرہ سال بعد 1983ء میں کل ترسیل 105,009 کلوواٹ اور کل صارف 189,000 ہو گئے تھے۔



”الغرقاڑ، پرانا ذریعہ آبیاری، جو عام طور پر چھوٹے باغات کی آب پاشی کے کام آتا تھا۔

باب 12

مذہبیہ منورہ میں ترقیاتی منصوبے

(1370-1385ھ/1950-1965ء)

بن لادن کے تکمیل شدہ منصوبے

ٹھیکیدار محمد ابن لادن نے مسجد نبوی کی توسعہ و تزئین کا کام مکمل کیا جو اس دور کے چند بہت بڑے منصوبوں میں سے ایک تھا۔

اس نے 26 دوسرے منصوبوں کو بھی مکمل کیا جن میں بہت سی نئی سڑکوں کی تعمیر اور دوسری سڑکوں کو تارکوں سے پختہ کرنا تھا، مزید بہت سی مساجد کا بنانا اور اسلامک یونیورسٹی کی تعمیر بھی شامل تھیں۔

1381-1385ھجری (1961-1965ء) میں بلدیہ نے جو منصوبے مکمل کئے

اس کتاب کے مصنف شیخ علی حافظ (1965-1961ء) بلدیہ مدینہ کے سربراہ تھے۔ اس دور میں بلدیہ مدینہ نے 70 منصوبوں کی تکمیل کی جن میں 7 پلک پارکس اور فوارے تھے۔ ان منصوبوں کی کل لاگت 27 ملین سعودی ریال تھی۔

شہزادہ فیصل نے جو بعد میں سعودی فرمازرو ہوئے، مدینہ کے ان ترقیاتی کاموں میں خاصی دلچسپی لی جن کا ذکر مصنف کے اخبار المدینہ منورہ نے کیا تھا۔ یہ اخبار انہوں نے اپنے



(کنگ) شاہ عبدالعزیز ہسپتال



سعودی جمن ہسپتال

بھائی عثمان حافظ کے ساتھ مل کر شروع کیا تھا۔ شہزادہ فیصل نے اس مقدس شہر کے ڈپٹی گورنر کو ہدایات دیں کہ ایک خاص کمیٹی ترتیب دی جائے جو ان پانچ منصوبوں کی نگرانی کرے جن کے تحت چند سڑکوں کی تعمیر ہونی تھی اور دوسری سڑکوں کو تارکوں سے پختہ کرنا تھا۔ ان منصوبوں کی نشاندہی اخبار مذکور نے کی تھی۔

شہزادہ فیصل نے زیر تعمیر منصوبوں کا ذاتی طور پر دو گھنٹوں تک معاہدہ کیا اور ان کی تکمیل کے متعلق اپنی رائے سے بھی نوازا۔

محکمہ صحت کے منصوبے

وزارت صحت نے بہت سے منصوبوں کی تکمیل کی جن میں کنگ (شاہ) ہسپتال جو باب شامی میں واقع ہے اور 1951ء سے پہلے مکمل ہو چکا تھا، شامل ہے۔ متعدد زائرین اور سعودی باشندوں نے اس ہسپتال کی تعمیر کے لیے مالی معاونت کی۔ ایک فلسطینی خاتون جو خدرہ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، نے پہلا عطیہ دیا تھا۔

سعودی حکومت نے اس ہسپتال کی عمارت ایک بڑے زمین کے ٹکڑا پر تعمیر کروائی۔ مدینہ منورہ میں زچگی کا ہسپتال بھی 1951ء سے پہلے ہی باب شامی میں تعمیر ہوا تھا۔ یہ ہسپتال مصر کی حکومت نے شاہ فاروق کی ایک آمد کی یاد میں بنوایا تھا۔ سعودی حکومت نے بعد ازاں اس ہسپتال میں توسعہ کی تھی۔

مدینہ میں اس وقت 20 ہسپتال کام کر رہے ہیں۔ 9 اندر وون شہر اور 11 شہر کے مضافات میں ہیں، ان میں 2,870 بستروں کی گنجائش ہے۔ شہر میں 130 صحت کے مراکز اور ڈسپنسریاں ہیں۔ شہر میں 1,415 ڈاکٹر اور 1,548 نرنسیں اور فنی عملہ شامل ہے۔ ایک 200 بستر کا نفیسیاتی مریضوں کا ہسپتال بھی زیر تعمیر ہے۔ نشوواشاعت کے منصوبے

وزارت اطلاعات کی عمارت 1965ء میں مکمل ہو چکی تھی جو منانہ سٹریٹ میں واقع ہے۔ سعودی ٹی وی اسٹیشن 1966ء میں ذوالحلیفہ کے علاقہ ابیار علی میں بنایا گیا جو عیر پہاڑ کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔

27 اکتوبر 1986ء بروز سوموار شاہ فہد نے مدینہ میں ٹی وی اسٹیشن سنٹر کا افتتاح کیا اور اسی تقریب میں یہ اعلان بھی کیا گیا کہ آئندہ خادم الحریمین شریفین کے لیے لفظ ہر مجھٹی (His Majesty) استعمال نہ کیا جائے۔

کالے و سفید (Black and White) رنگ کے ٹی وی نے براہ راست اپنی نشریات کا آغاز 1967ء میں کیا اور 9 سال کے بعد یہاں سے رنگین نشریات بھی شروع ہو گئیں۔ 1984ء میں اس اسٹیشن کی نشریات پہلے اور دوسرے چینلوں سے بھی شروع ہو گئیں۔

یہ اسٹیشن 120 ملین سعودی ریال کی لاگت سے 18,500 مربع میٹر پر بنایا گیا ہے جس

میں سے 4,110 میٹر پرفی اور انتظامی امور کے لیے عمارت بنائی گئی ہے۔ علاوہ ازیں ایک بڑا باعچپہ بھی دیا گیا ہے۔

اس ٹی وی اسٹیشن میں جدید فنی آلات نصب ہیں جن میں چار عدد ایف ایم ٹرانسمیٹرز عام پروگراموں اور قرآن حکیم کے خاص پروگرام کی نشریات کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ اس اسٹیشن میں مزید 5 کلوواٹ کے چار ٹرانسمیٹرز چینل نمبر 1 اور چینل نمبر 2 کے لیے نصب کئے گئے ہیں، علاوہ ازیں ایک 100 میٹر بلند ٹاور بھی نصب ہے جو 30 کلو میٹر نصف قطر تک نشریات دے سکتا ہے۔

القماشہ مارکیٹ میں آتش زدگی

مؤرخہ 18-7-1397ھ/1977ء کو قماشہ مارکیٹ میں آگ لگ گئی۔ یہ آگ باب مصری سے بھڑک کر مشرق میں باب السلام چوک تک پہنچ گئی۔ اس مارکیٹ کو جواہ (اندرونی) مدینہ مارکیٹ بھی کہا جاتا تھا۔ اس کا ایک نام حدراہ مارکیٹ بھی تھا۔ تقریباً 400 دکانیں مکمل طور پر خاکستر ہو گئی تھیں لیکن کوئی جانی نقصان نہ ہوا تھا۔

باب: 13
حکومتی دفاتر
عوامی خدمات

مدینہ کے علاقہ کی حاکیت

مدینہ منورہ اور اس کے علاقہ کے تمام حکومتی محلہ جات کی کارکردگی اور مگرائی کرنے والی تنظیم گورنر ہے۔ یہ حکومت وقت کے نمائندہ کے طور پر انتظامی امور کے لیے مکمل حاکیت رکھتا ہے۔

مرحوم شاہ عبدالعزیز نے اپنے بیٹے شہزادہ محمد کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا اور اپنے نائب کی حیثیت سے 19 جمادی الاول 1344 ہجری (1925ء) کو انہیں اختیار دیا کہ وہ اشرف دور کے گورنر مدینہ شہزادہ احمد ابن منصور اور شہر مدینہ کے ملٹری کمانڈر عبدالجبار پاشا سے تمام اختیارات لے کر خود بطور گورنر، مدینہ کا انتظام سنبھال لیں۔

اختیارات کی منتقلی اور شہر مدینہ کا نظم و نسق اپنے کنٹرول میں لینے کے بعد شہزادہ محمد، ریاض واپس لوٹ گئے مگر گورنر کا عہدہ انہی کے پاس رہا اور مدینہ کا انتظام نامذہ نائب گورنر مکمل اختیارات کے ساتھ ان کے جانشین کے طور پر چلاتے رہے۔

ڈپٹی (نائب) گورنر عبدالعزیز ابن ابراہیم، 10 ربیع الثانی 1346 ہجری (1927ء) تا 1355 ہجری (1936ء)
سفر 1355 ہجری (1936ء)

ڈپٹی گورنر عبد اللہ سدیزی، 21 سفر 1355 ہجری (1936ء) تا 13 شعبان 1379 ہجری
(1960ء)

سعودی دور میں مدینہ کے گورنر
شہزادہ عبدالحسن ابن عبدالعزیز سعود 22 جمادی الثانی 1385 ہجری (1965ء) میں شاہی فرمان نمبر 1/12 کے ذریعہ کیم رجب 1385 ہجری (1965ء) میں مدینہ منورہ کے گورنر مقرر ہوئے۔ وہ 20 شعبان 1406 ہجری (1985ء) تک اس عہدے پر فائز رہے۔ ان کی وفات

بروز ہفتہ 20-21 شعبان 1405 ہجری (1985ء) میں ہوئی۔

شہزادہ عبدالجید (15-5-1986 ہجری 1406) کو مدینہ کے گورنر نامزد ہوئے۔

محکمہ پولیس

عزت آب (HRH) شہزادہ نائف ابن عبدالعزیز وزیر داخلہ، پورے ملک اور مدینہ منورہ میں سیکورٹی (حفاظت) کے نگران ہیں۔ وزارت داخلہ متواتر ہر بلتی صورت اور جدید ترقی کی رفتار کو زیر نظر رکھتی ہے۔ وزارت میں کام کو آسان بنانے کی خاطر کمپیوٹر ز کا آغاز کیا گیا تھا۔

مدینہ منورہ کے علاقے کے پولیس ڈائریکٹر صاحبان اور بیرونی و اندر ونی امور کے شعبوں کی بنیادی ذمہ داری مدینہ کے شہریوں، زائرین اور سیاحوں کی دلکشی بھال اور حفاظت کرنا ہے۔ یہ شعبے وزیر داخلہ کو جوابدہ ہوتے ہیں اور اسی کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں۔
محکمہ تار اور ٹیلی فون کی خدمات کا مدینہ میں آغاز

ترکوں کے دور حکومت کے دوران 1318 ہجری میں محکمہ تار کا آغاز ہوا۔ یہ سہولت سرکاری دفاتر، مدینہ کے عوام اور کاروباری ترقی کی خاطر استعمال ہوئی۔ بر قی تارنے جازر ریلوے کے زیر عمل آنے سے مدینہ شہر کو دوسرے بڑے اسٹیشنوں سے ملا دیا۔ ان اسٹیشنوں میں دمشق، العلی، مدائن صالح، تبوک، مان، عمان اور دریہ شامل ہیں۔ 1326 ہجری میں ایک دوسری ریلوے لائن کا آغاز ہوا اور اس کے ذریعہ سے مدینہ منورہ کو چھوٹے اسٹیشنوں کے ساتھ ملا دیا گیا جو حفیہ، خطیط، باوت، ابریسیف اور بویرہ پر مشتمل تھے۔ یہ رابطہ دراصل اس بات کی ضمانت دیتا تھا کہ ریلوے لائن متواتر کام کرتی رہے گی۔ سال 1335 ہجری میں ترکوں کے دور حکومت ہی میں ٹیلی فون کا مدینہ میں آغاز ہوا۔ یہ ایک 50 لاکھیوں کا مرکزی ایکسچنچ تھا۔ ٹیلی فون کا استعمال صرف فوج ہی کرتی تھی۔ 1337 ہجری میں حکومتی دفاتر بھی اسے استعمال کرنے لگے۔

اسی سال ترکوں نے وائرلیس ٹیلی فون لائن کا آغاز کیا۔ اس کا اسٹیشن باب شامی کے علاقہ سے باہر شہر کے شمالی حصہ میں فیکٹریوں سے دور بنایا گیا تھا۔ یہ سہولت اہل شہر کے ساتھ رابطہ کے لیے استعمال کی گئی تھی۔

سعودی دور میں شعبہ ابلاغ / مواصلات (Communication) نے ترقی کی سمت ایک بڑا قدم اٹھایا اور پرانی مشینوں کی جگہ جدید کمپیوٹرز سے لیس ساز و سامان مہیا کیا گیا۔

مدینہ سے اوسطاً 2595 برقی پیغام (ٹیلی گرامز) ماہانہ جاتے ہیں اور اندر ورون شہر آنے والے 2600 پیغام ہیں۔ یہ تعداد حج کے دوران کی تعداد میں شامل نہیں ہے جو کہ اس تعداد سے دگنا ہوتی ہے۔ 1344 ہجری کے اوائل ہی سے سعودی حکومت کے دور میں ٹیلی فون کی سہولت بڑھ گئی ہے اور یہ مزید ترقی کر رہی ہے۔ مرکزی ایچینجوس (Exchanges) کی تعداد 21 ہو گئی ہے اور ہر ایک میں 100 لاکھوں کی گنجائش ہے اور چالو لاکھوں کی تعداد 1890 تک پہنچ گئی ہے۔ ان میں سے 1451 کاروباری اور 439 دفتری امور کی لائیں ہیں۔ سال 1376 ہجری میں وائرلیس ٹیلی فون متعارف ہوا اور اس کا باقاعدہ سرکاری آغاز 1377-10-2 میں ہوا۔ اب لوگ ملک کے اندر اور باہر کے لیے آسانی سے ٹیلی فون کا استعمال کر سکتے ہیں۔ اندر ورنی کالز کی ماہوار تعداد کا اندازہ 1255 تھا اور بیرونی کالز کی ماہوار تعداد 17 تھی۔ حج سیزن میں یہ تعداد دگنی ہو جاتی تھی۔

محکمہ ڈاک

سعودی حکومت کے ابتدائی ایام سے ہی ڈاک کے نظام میں بہتری آنی شروع ہو گئی تھی اور ڈاک لانے والے جانے کے لیے اونٹوں اور خچروں کی جگہ موڑ کارروں کا استعمال عمل میں آگیا تھا۔ 1366 ہجری (1947ء) سے ڈاک کی ترسیل ہوائی جہازوں اور موڑ کارروں کے

ذریعہ شروع ہو گئی تھی۔ کل ماہوار خطوط کی تعداد تقریباً 96,290 تھی جن میں 8,664 رجسٹرڈ خطوط تھے۔

زمینی نقل و حمل (Land Transport)

زمینی نقل و حمل میں بھی خاصی بہتری آئی تھی۔ لوگوں اور سامان کی ترسیل کے لیے موڑ کاروں کا استعمال شروع ہو گیا تھا۔ مدینہ اور جدہ کا درمیانی راستہ 425 کلومیٹر چھوٹی کاروں کے ذریعہ 5 گھنٹے میں طے پاتا ہے، جب کہ دوسری سواریاں صرف 4 گھنٹے میں یہ فاصلہ طے کر لیتی ہیں۔ پہلے یہ فاصلہ اونٹوں پر 12 روز میں اور کار پر 3 دن میں طے ہوتا تھا، کیونکہ سڑکیں پختہ نہ تھیں۔

محکمہ حج سعوادی دور میں

1365 ہجری (1946ء) میں سب سے پہلے محکمہ حج کے ڈائریکٹر عثمان حافظ میرے¹ بھائی مقرر ہوئے تھے۔ وہ اس عہدہ پر 1386-7-27 ہجری (10 نومبر 1966ء) تک متعین رہے۔

محکمہ اوقاف

اس محکمہ کو مسجد نبوی کی خدمت اور اس کو صاف اور اعلیٰ حالت میں رکھنے کی ذمہ داری دی گئی ہے۔ یہ محکمہ وقف املاک کی تعمیر اور ان کی دیکھ بھال کا ذمہ دار بھی ہے۔ ان میں عمارتوں کے کراپی کی وصولی، ان کی تزیین و آرائش اور مسجد نبوی اور شہر کی دوسری مساجد میں ضروری سامان کی فراہمی شامل ہیں۔ یہ محکمہ مسجدوں میں موذن اور امام مقرر کرتا ہے اور مسجد نبوی کو دیے گئے تھائے کی وصولی بھی کرتا ہے۔

دونوں مقدس مقام (حرمین) کی مزید دیکھ بھال اور گمراہی کی خاطر 1397 ہجری

¹ مصنف کے بھائی

(1996ء) میں ایک شاہی فرمان جاری کیا گیا تھا جس کی رو سے شیخ ناصر محمد الراشد کو دونوں مقدس مقامات (حرمین) کے مکہ کا صدر مقرر کیا گیا تھا اور ان کے فرائض میں دونوں حرمین کے تمام معاملات کی نگرانی کرنا شامل تھی۔ وہ اس عہدہ پر فائز کرنے گئے پہلے شخص ہیں۔ اس سے پہلے انہوں نے ڈائریکٹریٹ جزل تعلیم بنات¹ کے مکہ کے چیزیں میں کی حیثیت سے فرائض سرانجام دیئے تھے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تتمہ کتاب

شاہ فہد ابن عبدالعزیز کے منصوبوں کی شمولیت

شاہ فہد کا عظیم اسلامی پراجیکٹ قرآن حکیم پرنسپل کمپلیکس مدینہ منورہ

تمام دنیا کے مسلمان ایک عظیم پرنسپل پریس کے قیام کا انتظار کر رہے ہیں، جو ایسے مقدس قرآن کی طباعت کرے گا، جو ہر طرح کی غلطیوں سے پاک ہو اور قرآنی مفہوم کو مکمل طور پر محفوظ کرے مزید یہ کہ وہ تمام مسلم اُمہ میں کیسانیت رکھتا ہو گا۔ یہ قرآن بڑی تعداد میں مسلمان ممالک میں تقسیم کیا جائے گا تا کہ تمام دوسرے قرآنی نسخوں کو اس سے تبدیل کیا جائے، کیوں کہ بعض قرآن غلطیوں سے مبرانہیں ہیں اور انہیں اسلام دشمن قوتوں نے اس دین کی ہیئت تبدیل کرنے کی کوشش کے طور پر تیار کیا ہے۔



قرآن حکیم پرنسپل کمپلیکس مدینہ منورہ

شah فہد ابن عبدالعزیز خادم حرمین شریفین اور اسلامی قدرتوں کے سرپرست اعلیٰ، کے دور حکومت نے اسلامی تاریخ کا ایک عظیم کارنامہ مدینہ منورہ میں پرتنگ پر لیں کے منصوبہ کی تکمیل کی شکل میں دیکھا۔ شah فہد تعلیم کے علم بردار اور مسلمانوں کے مددگار ہیں۔

اس پراجیکٹ (منصوبہ) کو اسلامی اور بین الاقوامی سطح پر ایک بہت بڑی کامیابی اور مقام فخر قرار دیا گیا ہے۔ اس منصوبہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شah فہد ہماری مقدس کتاب کو کس قدر اہمیت کی نظر سے دیکھتے ہیں کیونکہ قرآن ہی ہماری کامیابی اور ترقی کا زینہ ہے۔

پراجیکٹ (منصوبہ) کی جگہ (مقام)

یہ منصوبہ توک روڈ پر زمین کے 25 ڈگری شمال اور 39 ڈگری مشرق پر اور 250 میٹر سطح سمندر سے اونچائی پر واقع ہے۔

پرتنگ پر لیں کی استعداد

اس پر لیں کی قرآن چھاپنے کی سالانہ استعداد 100,000,000 کا پیاں ہیں اور 100,000 (ایک لاکھ) مصحف کی ریکارڈ شدہ کیسٹ کی شکل میں ہیں۔ یہ تعداد جس میں مختلف زبانوں میں قرآن حکیم کا ترجمہ بھی شامل ہے اندون اور بیرون ملک بانٹی جاتی ہے۔
مسجد نبوی کی سب سے بڑی توسعی شah فہد کے دور میں

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تاریخی طور پر مسجد نبوی کے سب سے بڑے توسعی منصوبہ کو عملی جامع پہنانے کا کام بھی شah فہد ابن عبدالعزیز کے دور حکومت میں ہی سرانجام پایا تھا۔ یہ منصوبہ شah عبدالعزیز آل سعود جنہوں نے جزیرہ نما عرب کو اکٹھا کیا تھا، کی سوچ کی تکمیل کا مظہر تھا۔^۱

۱۔ اس دور میں کی جانے والی مزید توسعی وزیریں کو ہم نے اس تتمہ سے نکال کر کتاب کے باب 2 (مسجد نبوی) صفحہ 104 پر شah فہد نے مسجد نبوی کی سب سے بڑی توسعی کروائی، کے عنوان میں درج کیا ہے۔ اسی تتمہ میں مصنف نے چند دیگر ترقیاتی امور پر بھی مختصرًا نظر دوڑائی ہے ان میں مدینہ میں نیشنل گارڈ کی برائی، مدینہ میں ہوا بازی میں ترقی اور سعودی ایئر لائین کی کارکردگی کو مختصرًا بیان کیا ہے۔ (مترجم)

اسلام کی سب سے پہلی میونسپلی مدینہ تھی

اسلام میں سب سے پہلی میونسپلی کا آغاز مدینہ منورہ میں ہوا۔ اسے دوسرے خلیفہ حضرت عمرؓ ابن خطاب نے قائم کیا اور اسے حسابہ، کا نام دیا گیا اور اس کے سرپرست (Chairman) کو اور میونسپلی کو اشاعت مختص کہتے تھے۔ یہ نام ترک دور کے آخر تک قائم رہے۔ مجھے اپنی جوانی کے دور میں یاد ہے کہ اشاعت مختص کا دفتر سوق حبابہ کے بالکل آخری کنارے پر واقع تھا۔ مختص کے اختیارات اس قدر تھے کہ وہ ملزمان کو قید کر سکتا تھا، کوڑے مار سکتا تھا اور دوسری سزا میں بھی دے سکتا تھا۔

حضرت عمرؓ ابن خطاب نے میونسپلی کے کاموں کو سرانجام دیا۔



جدید میونسپلی بلڈنگ مدینہ منورہ

خلفیۃ الرسول حضرت عمرؓ ابن خطاب مسلمانوں کے طرز زندگی اور ان کی مذہبی اقدار کی حفاظت کے لیے فکر مندر ہتھے تھے۔ وہ ذاتی طور پر اس کی تقلید کرتے اور عوام کی مشکلات اور شکایات کو خواہ وہ کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہوں، اپنے عوام کی حفاظت اور بہتری کی خاطر فوراً حل کرتے تھے۔ وہ صفائی پر خصوصی توجہ دیتے تھے اور اس پر عمل نہ کرنے والوں کو سزا دیتے تھے۔

کتاب ”لسان العرب“ جلد 12 میں لکھا ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے تشریف لائے تو وہ اس کی گلیوں میں گشت کیا کرتے تھے اور لوگوں کو ہدایت کرتے کہ وہ اپنے گھروں کے صحنوں کی صفائی رکھا کریں۔ خلیفہ وقت نے ابوسفیان کے گھر کے قریب سے گزرتے ہوئے اس کے مکینوں کو اپنا صحن صاف کرنے کا حکم دیا، ابوسفیان نے کہا کہ یہ صفائی اس کے نوکر جب آئیں گے تو کر لیں گے۔ حضرت عمرؓ جب دوسری بار وہاں سے گزرے اور دیکھا کہ صحن کی صفائی نہیں کی گئی تو آپ نے اپنی چھپڑی سے ابوسفیان کو مارا۔

حضرت عمرؓ کے اس روایہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بلدیہ کے کاموں کی انجام دہی کے لیے مسلسل معاہنہ اور گمراہی درکاری درکار ہوتی ہے۔ میونسپلٹی کے افسران اپنے دفاتر میں بیٹھ کر ان کاموں کا جائزہ لینے کی بجائے ذاتی طور پر ان کا موقع پر معاہنہ کریں۔

اضافی: باب

(عرض مترجم میں بیان شدہ نیا باب)

مصنف: مبشر احمد اختر

-1 غزوہ بدر

-2 رسول اللہ ﷺ کا جنگی سامان

-3 حریمین بر ق رفتار ریل

-4 سیل العرم اور انصار مدینہ

(غزوہ بدر)

”اُس وقت کو یاد کرو جب کہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی کہ میں تمہاری ایک ہزار فرشتوں سے مدد کروں گا، جو لگاتار چلے آئیں گے۔“ (سورہ انفال آیت: 9)

اسلامی تاریخ کی سب سے پہلی اور فیصلہ کن جنگ جس میں کفار مکہ کے لشکر کی تعداد مسلمانوں سے تین گناہ زیادہ تھی اور جنگی اعتبار سے بھی اسلامی لشکر نامکمل تھا، تمام فوج کے پاس صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے۔ سامان حرب کی شدید کمی تھی۔ اسلامی لشکر کی کل تعداد ۳۱۰ یا ۳۱۳ مجاہدین پر مشتمل تھی جب کہ قریش کا لشکر ایک ہزار سے اوپر مشرک جنگجو سپاہیوں پر مشتمل تھا اور ہر ایک مسلمان مجاہد کا سامنا تین یا چار مشرکین سے تھا۔ ادھر کفار مکہ فوجی لحاظ سے مکمل ہتھیار بند تھے، اُن کے ساتھ ایک سو گھوڑے، چھ سو زر ہیں اور اونٹوں کی تعداد نامعلوم تھی۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہمراہ جالوت کے خلاف لڑنے والے لشکر کی تعداد بھی اتنی ہی تھی۔ انسانی قدر اور تاریخ انہی دو ادوار میں تبدیل ہوئی ہے جن میں نورانی لشکروں کا ظلمانی لشکروں سے ٹکراؤ ہوا۔ یہ دونوں لشکر حضرت اسحاق و اسماعیل علیہما السلام کی اولاد کے ممتاز ترین افراد اور خدا کو ایک ماننے والی ملت حنفیہ کے ۳۱۳ نمائندوں پر مشتمل تھے۔^۱

صحیح بخاری میں ایک حدیث منقول ہے کہ حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان اصحاب کی تعداد جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے تھے، حضرت طالوت کے ان ساتھیوں کے

¹ نور سرمدی فخر انسانیت، محمد فتح اللہ گولن۔ جلد دوم صفحہ 60

برا برا بتائی جو نہر سے پار ہو گئے تھے اور وہ تین سو دس سے کچھ زیادہ تھے۔ حضرت براءؓ کا بیان ہے کہ اللہ کی قسم طالوت کے ساتھ اہل ایمان کے علاوہ کوئی دوسرا نہر سے پار نہیں ہوا تھا۔^۱

مسلمانوں کی اس بے سر دسامنی کی وجہ بحیرت کے بعد مالی وسائل کی کمی کے علاوہ یہ بھی تھی کہ دراصل مسلمان محفوظ ابوسفیان کے قافلہ کو ہر اساح کرنے کے لیے نکلے تھے اور ان کے کوئی جنگی عزم نہ تھے اسی لیے ان کی جنگی تیاری بھی نامکمل تھی۔ ان حالات میں مومنین کے ایک گروہ کی رائے یہ تھی کہ کفار مکہ سے جنگ کرنے کی بجائے ابوسفیان کے تجارتی قافلہ پر ہی التفاء کیا جائے، مگر اللہ کی مرضی یہی تھی کہ حق کو قائم کیا جائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دی جائے۔ سورہ انفال (آیات 7,8) میں ارشاد ہوا ہے کہ ”تم لوگ اس وقت کو یاد کرو، جب کہ اللہ تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ فرماتا ہے کہ وہ تمہارے ہاتھ آ جائے گی اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت تمہارے ہاتھ آ جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کو حق اور ناحق کو ناحق کر دکھائے۔“ اسی خدائی منشاء کے مطابق رب العزت نے نہ صرف مسلمانوں کو مکی فوج کے سامنے لا کھڑا کر دیا بلکہ اس جنگ میں مومنین کی مکمل مدد اپنے فرشتوں کے ذریعہ فرمائی۔ ابتدائی آیت اسی نیبی مدد کا ذکر کر رہی ہے۔

جنگ بدر کا پس منظر

نبی ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی کے دو مرحلیں ہیں ایک کمی زندگی جو تقریباً تیرہ سال پر محیط ہے اور دوسرا مدنی زندگی جو دس سال کے عرصہ کا ہے۔

حضور ﷺ کے نبوت کا دعویٰ کرنے کے بعد اہل قریش کے اکثر با اثر لوگ آپ کے خلاف ہو گئے تھے مگر شروع کے چند سال انہوں نے اس بات کو زیادہ اہمیت نہ دی کیوں کہ یہ دور پس

^۱ مختصر صحیح بخاری، جلد دوم حدیث نمبر 1601 صفحہ 1052۔ دارالسلام پبلشرز

پرده تبلیغ کا تھا اور قریش نے حضرت محمد ﷺ کو بھی کوئی ایسا دینی آدمی ہی سمجھا جو دوسرے لوگوں کی طرح الوہیت اور حقوق الوہیت کے موضوع پر گفتگو کرنے والا ہو، تاہم قریش نے آپ کی خبر کے پھیلاو اور اثر کے بڑھاؤ سے کچھ اندیشے ضرور محسوس کیے تھے اور وہ آپ کی تبلیغ کی قبولیت سے فکر مندر ہنے لگے تھے۔

کفار مکہ کی مخالفت کا زور رسول اللہ ﷺ کے کمی دور کے دوسرے مرحلہ سے شروع ہوا جب چوتھے سال نبوت سے مسلمانوں کو محلی تبلیغ کرنے کا ربانی حکم ملنا شروع ہوا۔ اس ضمن میں پہلا حکم کہ ”آپ اپنے نزدیک ترین قرابت داروں کو عذاب الہی سے ڈرائیے“¹ پھر اس کے فوری بعد ہی حکم ہوا کہ ”آپ کو جو حکم ملا ہے اسے کھول کر بیان کر دیجئے اور مشرکین سے رخ پھیر لیں۔“²

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے شرک کے خرافات اور کفر کا پرده چاک کرنا شروع کیا، اور بتوں کی حقیقت اور قدر و قیمت کو واشگاف کرنا شروع کر دیا۔ آپ محل کریمہ سے سمجھاتے کہ یہ بت کس قدر ناکارہ ہیں اور ان کو اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بنانا ایک محلی ہوئی گمراہی ہے۔

اہل مکہ اپنے بتوں کی برائی اور مشرکین اور بہت پرستوں کو گمراہ کہنے پر احساس غصب سے سخن پاء ہو گئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ غیر اللہ کی الوہیت کے انکار اور رسالت و آخرت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو مکمل طور پر رسالت کے حوالے کر دیا جائے جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ کفار کا اپنی جانوں اور اپنے مالوں پر بھی کوئی اختیار نہ رہے گا۔ مزید یہ کہ مکہ والوں کی تمام عرب میں دینی برتری اور بالادستی کا صفائیا ہو جائے گا، جو قریش کو قطعاً قبل قبول نہ تھا۔ دوسری طرف ان کے سامنے ایک ایسا شخص تھا جو صادق اور امین ہونے کے علاوہ انسانی اقدار کا اعلیٰ ترین نمونہ بھی تھا۔

قریش مکہ نے رسول اکرم ﷺ کو ابتداء سے ہی مختلف طریقوں سے دباو میں لانے کی کوشش کی، کبھی وہ آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ پر دباو ڈالنے کی کوشش میں رہتے تو کبھی آپ کو مختلف دنیاوی منصب اور فائدوں کا لائق دینے کی کوشش کرتے تھے، لیکن اللہ کے رسول ﷺ کے ہر انکار کے بعد وہ آپ ﷺ کی جان کے درپے ہو گئے۔ مسلمانوں پر از حد سختیاں اور ظلم کفار کا شیوه بن گیا اور ان کی ہر کوشش یہ ہوتی تھی کہ مسلمان مکہ سے ہجرت نہ کر سکیں اور مکہ ہی میں کسی پرہیز کی حالت میں زندگی بسر کریں۔ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کی اسلامی دعوت کی کارروائیوں کی راہ روکنے میں انفرادی اور اجتماعی کوششیں تیز کر دیں۔ رسول خدا ﷺ اور صحابہ کرام پر ہر طرح کے ظلم و ستم روا رکھے۔ قریش کے بعض بد طینت سرداران اس مکروہ کام میں پیش پیش تھے جن میں ابو جہل، ابو لہب وغیرہ نمایاں تھے۔ بخاری، ترمذی، ابن ماجہ، ابن کثیر اور دوسری احادیث کی کتب ان واقعات سے بھرپڑی ہیں اسی طرح مشہور تاریخ دانوں نے بھی اس وقت کے ان جور و ستم کے واقعات کثرت سے بیان کئے ہیں ان میں ابن ہشام، ابن خلدون، نسائی وغیرہ شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے مومنین پر ظلم و ستم اور مومنین پر اپنی رحمت اور سکون کا قرآن حکیم میں بار بار ذکر فرمایا ہے اور اسلام کی کامیابی کی نوید کا بھی اکثر ذکر کیا ہے۔

کفار کے جور و ستم نے ابتداء ہی سے مسلمانوں کا مکہ میں رہنا انتہائی دشوار کر دیا تھا، ان حالات کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ فتوں سے اپنے دین کی حفاظت کے لیے ملک جوشنہ ہجرت کر جائیں جس کا فرمانروا (بادشاہ) نجاشی ایک عادل حکمران ہے اور وہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ رجب 5ء نبوی میں اسلامی تاریخ کی پہلی، ہجرت بارہ مردوں اور چار عورتوں پر مشتمل تھی۔ حضرت عثمان رض ابن عفان اس قافلہ کے امیر تھے اور رسول اللہ ﷺ کی صاحزادی حضرت رقیہ جو حضرت عثمان رض کی زوجہ محترمہ تھیں بھی اس ہجرت میں شامل تھیں۔

جب قریش کا ظلم و ستم مزید بڑھ گیا اور نجاشی کے حسن سلوک کی خبریں مسلمانوں تک پہنچیں تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو پھر عبše ہجرت کا مشورہ دیا۔ لیکن یہ دوسری ہجرت پہلی ہجرت سے زیادہ مشکل ثابت ہوئی، کیونکہ اب کی بار قریش پہلے ہی سے چوکنا تھے اور اسے ناکام بنانے کا تہمیہ کیے ہوئے تھے لیکن مسلمان زیادہ مستعد ثابت ہوئے اور خدا کی مدد سے وہ کفار کی گرفت میں آنے سے پہلے ہی شاہ جوش کے پاس پہنچ چکے تھے۔ اس بار بیاسی یا تراسی (82/83) مددوں نے اور اٹھارہ یا میس عورتوں نے ہجرت کی جیسا کہ ابن قیم نے اپنی کتاب زاد المیعاد میں لکھا ہے:

مکہ سے ہجرت کی اجازت

ابن قیم کہتے ہیں کہ جب کفار کے مسلمانوں پر مزید ظلم بڑھ گئے اور انہوں نے پے در پے اپنی ناکامیوں کے باعث مسلمانوں کا سماجی اور معاشری بائیکاٹ کر دیا اور مسلمان تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور ہو کر رہ گئے۔ ان پر کھانے پینے کی اشیاء یا غلہ وغیرہ باہر سے نہ پہنچ سکتا تھا، تب بھی رسول اللہ ﷺ اس محصوری کے باوجود اپنے صحابہ کرام کے ہمراہ ایام حج میں باہر نکلتے اور حج کے لیے آنے والوں سے مل کر انہیں اسلام کی دعوت دیتے تھے۔

اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو جھلانے اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کا جو بیڑہ اٹھا کر کھاتھا اس وجہ سے نبی ﷺ کی حکمت عملی یہ تھی کہ آپ رات کی تاریکی میں قبائل عرب کے پاس تشریف لے جاتے، تاکہ مکہ کا کوئی مشرک رکاوٹ نہ ڈال سکے۔ گیارہویں سن بیوت کے موسم حج (جولائی 620ء) میں آپ ﷺ منی کی گھاٹی سے گزرے تو کچھ لوگوں کو باہم گفتگو کرتے سنا آپ ﷺ ان کے پاس گئے، یہ پیشہ کے چھنو جوان تھے جو قبیلہ، بنی خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے

ان کے ساتھ بات چیت شروع کی اور اسلام کی حقیقت بیان کی اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا، کہ بھی دیکھو یہ تو وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کا حوالہ دے کر یہود تمہیں دھمکیاں دیا کرتے ہیں لہذا یہود تم پر سبقت نہ لے جائیں۔ اس کے بعد انہوں نے فوراً ہی آپ ﷺ کی دعوت قبول کر لی اور مسلمان ہو گئے۔ یہ شب کی چھ سعادت مندر و عجیں تھیں۔ انہوں نے حضور ﷺ سے وعدہ کیا کہ وہ واپس جا کر اپنی قوم میں آپ ﷺ کی رسالت کی تبلیغ کریں گے۔^۱

پہلی بیعت عقبہ

نبی خزر ج کے وہ چھ نوجوان جو حضور ﷺ کی تبلیغ سے مسلمان ہو گئے تھے، نے واپس مدینہ جا کر آپ ﷺ سے کئے گئے وعدہ کے مطابق اسلام کی تبلیغ شروع کر دی جس کے نتیجہ میں اگلے سال (سن بارہ نبوی) میں بارہ آدمی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں پانچ آدمی وہی تھے جو پہلے سال بھی آپکے تھے۔ ان بارہ میں سے دو آدمی قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے باقی قبیلہ خزر ج سے تھے۔ ان لوگوں نے اللہ کے نبی ﷺ سے منی میں عقبہ کے پاس ملاقات کی اور آپ ﷺ پر چند باتوں پر بیعت کی۔ یہ باتیں وہی تھیں جن پر آئندہ صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ کے وقت عورتوں سے بیعت لی گئی تھی۔ اس بیعت سے اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا دروازہ اسلام کے لیے کھول دیا۔

بیعت پوری ہو گئی اور حج ختم ہو گیا تو نبی ﷺ نے ان لوگوں کے ہمراہ اپنا پہلا سفیر مدینہ روانہ کیا تاکہ وہاں کے مسلمانوں کو اسلامی احکام کی تعلیم دے سکے اور مشرکوں کو بھی اسلام کی تبلیغ کرے۔ یہ سفیر حضرت مصعب بن عُمیر بدری تھے۔

دوسری بیعت عقبہ۔ (بیعت عقبہ کبریٰ)

اگلے سال، سن تیرہ نبوی 622ء کے موسم حج میں مدینہ سے آنے والے مشرکین کے وفد میں سے پچھتر اشخاص نے اسلام قبول کیا ان میں دو عورتیں حضرت اُم عمارہ نسیبہ بنت کعب اور حضرت اُم منع اسما بنت عمر و تھیں حضرت اُم نسیبہ اسلام قبول کرنے کے بعد ایک نہایت بہادر اور مغل اشخاص صحابیہ ثابت ہوئیں جنگ اُحد کا واقعہ جو اسی کتاب کے باب نمبر 8 میں دیا گیا ہے اس میں مصنف علی حافظ نے لکھا ہے کہ ام نسیبہ جنگ اُحد میں انتہائی بہادری اور بے خوفی کے ساتھ دشمن پر تلوار سے حملہ آور رہیں اور رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی خاطر آپ ﷺ کے قریب ہی جنگ کرتی رہیں۔ خود حضور ﷺ نے جنگ کے بعد فرمایا کہ میں جب بھی اُحد والے دن دائیں یا بائیں نظر دوڑتا تھا تو نسیبہ کو میری حفاظت کی خاطر بہادری سے لڑتے دیکھتا تھا۔

ترکی کے موجودہ عالم دین و محقق محمد فتح اللہ گول اپنی کتاب نور سرمدی، فخر انسانیت جلد دوم میں ابن ہشام کی سیرۃ النبویہ اور ابن کثیر کی تصنیف البداۃ والنہایۃ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ”یہ دونوں عظیم خواتین سفر و حضر میں ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ رہیں۔ بلکہ اُم عمارہ نے تو ارتداد کی جنگوں میں بھی شرکت کی، چنانچہ انہوں نے جنگ یمامہ میں حصہ لیا اور ہاتھ میں تلوار لے کر غزوہ اُحد کی طرح اس جنگ میں بھی دادشجاعت لی۔ ان کے میٹھے حضرت حبیب ﷺ کو رسول اللہ ﷺ نے اپنا قادر بنا کر مسلمہ کذاب کے پاس بھیجا تھا۔ جنہیں اس نے شہید کر دیا۔

یہ بیعت کرنے والے چھپ چھپا کر اکیلے اکیلے ایک تہائی رات گزرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو ملنے کے لیے مقررہ جگہ عقبی میں جمع ہو گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد رسول اکرم ﷺ تشریف لے آئے، آپ ﷺ کے ہمراہ آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس ابن عبد المطلب بھی تھے۔ گوہا ب تک اپنی قوم کے دین پر تھے، مگر چاہتے تھے کہ اپنے بھتیجے کے معاملہ میں موجود رہیں اور ان کے لیے پختہ اطمینان

حاصل کر لیں۔ سب سے پہلے بات بھی انہیں نے شروع کی۔ باہمی گفت و شنید کے بعد انصار کے ایک قائد حضرت کعب ابن مالک رض نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ اے اللہ کے رسول اب آپ گفت گو فرمائیں اور اپنے لیے اور اپنے رب کے لیے جو عہد و پیمانہ پسند کریں کیجئے۔^۱

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ نکات پر بیعت لی جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے سے متعلق تھے۔ ان پانچ نکات میں ایک نکتہ یہ بھی تھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے انصار کے پاس پہنچ جائیں تو اہل مدینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر حال میں مذکوریں گے اور جس چیز سے اپنی جان اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں، ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی حفاظت کریں گے۔ ابن احیا نق نے اس امر کو یوں بیان کیا ہے کہ حضرت براء رض ابن مسرو رونے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ، ہاں، اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق بننا کر بھیجا ہے، ہم یقیناً ہر اس چیز سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کریں گے جس سے اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے بیعت لیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انصار مدینہ کو یقین دلایا کہ رسول ان میں سے ہیں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی حال میں ان کو بھی بھی چھوڑ کر نہ جائیں گے۔²

عقبہ کی یہ دوسری بیعت، جسے بیعت عقبہ کبریٰ کہا جاتا ہے، نے وقت کے ساتھ ساتھ یہ ثابت کر دیا کہ یثرب کے مسلمانوں کے دل اپنے کمزورگی بھائیوں کی محبت سے سرشار تھے اور ان کی ہجرت کے بعد انصار نے مہاجرین کے ساتھ سے بھائیوں سے بڑھ کر محبت اور اخوت کا ثبوت دیا۔ یہ دوسری بیعت اسلام کی دعوت کے آغاز سے اب تک مسلمانوں کے لیے ایک بہت بڑی کامیابی تھی کہ وہ ایک وطن کی بنیاد رکھنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے مسلمانوں کو اجازت مرحمت فرمائی کہ وہ اپنے نئے وطن کی طرف ہجرت کر جائیں۔

۱ الرخیق الختم: ص 212، ابن ہشام (441/1)

۲ الرخیق الختم: ص 213، 212

مسلمانوں نے اس اجازت کے بعد، باوجود ہجرت کے فحصانات کو سمجھتے ہوئے کہ انہیں اپنے گھر بار اور سارے مفادات کو چھوڑنا ہو گا ہجرت کی ابتداء کر دی۔ سب سے پہلے مہاجر حضرت ابوسلمہ رض تھے۔ ابن اسحاق کے مطابق انہوں نے بیعت عقبہ کبریٰ سے ایک سال قبل ہجرت کی تھی۔ جب انہوں نے اپنی بیوی اور بچے کے ہمراہ ہجرت کرنی چاہی تو ان کے سرال والوں نے یہ کہا کہ وہ خود تو جاسکتے ہیں مگر اپنی بیٹی کو اجازت نہیں دے سکتے کہ ان کے ساتھ در بدر ٹھوکریں کھاتی پھرے۔ چنانچہ ان کی بیوی ان سے چھین لی گئی اس پر حضرت ابوسلمہ رض کے گھر والوں کو بھی تاؤ آگیا اور انہوں نے یہ کہہ کر ان سے ان کا بچہ چھین لیا کہ اس عورت کو اگر آپ لوگوں نے ہمارے آدمی سے چھین لیا ہے تو ہم اپنا بیٹا اس عورت کے پاس نہیں رہنے دے سکتے۔ مشرکین کا ہجرت کرنے والوں پر ظلم و ستم کا پہلا ثبوت تھا۔ اسی طرح حضرت صحیب رض نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو کفار قریش نے کہا کہ جب تم ہمارے پاس آئے تھے تو حیر و فیر تھے، اب تم بہت مال دار ہو گئے ہو اور چاہتے ہو کہ اپنی جان اور مال دونوں لے کر چل دو، بخدا ایسا نہیں ہو سکتا۔ حضرت صحیب رض نے پوچھا کہ یہ بتاؤ اگر میں اپنا مال چھوڑ دوں تو تم میری راہ چھوڑ دو گے۔ انہوں نے کہا ہاں تو حضرت صحیب رض نے کہا، اچھا تو پھر ٹھیک ہے۔ چلو میرا مال تمہارے حوالے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس بات کا علم ہوا تو فرمایا، ”صحیب نے نفع اٹھایا۔“^۱

عیاشؓ ابن ربیعہ، ابو جہل کے ماں جائے بھائی تھے۔ حضرت عمر رض کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے، پیچھے پیچھے ابو جہل اپنے بھائی حارث کو ساتھ لے کر مدینہ پہنچ گیا اور بات بنائی کہ ماں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک عیاش کو نہ دیکھ لوں گی وہوپ سے سائے میں نہ جاؤں گی

^۱ الرجیل الخاتوم: ص 220، ابن ہشام: 477/1

اور نہ سر میں لکھی کروں گی اس لیے تم چل کر انہیں شکل دلھا دو پھر واپس آ جانا۔ وہ بیچارے مان کی محبت میں ساتھ ہو لیے راستے میں دونوں بھائیوں نے انہیں قید کر لیا اور مکے میں انہیں لے کر اس طرح داخل ہوئے کہ وہ رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے۔ کافی عرصہ یہ قید میں رہے اور آخر کار ایک جانباز مسلمان ان کو نکال لانے میں کامیاب ہو گیا۔

اس طرح کے بعد شمار ظلم و ستم مہاجرین مکہ کو ہجرت کے وقت پیش آئے مگر اللہ کے مجاهدین اپنے ایمان کی پختگی کی وجہ سے، ہر طرح کی سختی برداشت کرتے ہوئے یثرب پہنچ گئے۔ بیت عقبہ کبریٰ کے تقریباً دو ماہ کے اندر مساواۓ چند لوگوں کے تمام مومنین خالی ہاتھ مکہ سے ہجرت کر چکے تھے، چونکہ نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اب تک ہجرت کی اجازت نہیں دی تھی اس لیے آپ ﷺ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ چند اور مسلمان مکہ ہی میں رکے رہے۔

اسی دوران قریش مکہ نے مسلمانوں کے اتنے بڑے انخلاء سے حواس باختہ ہو کر قریش کی پارٹی، دارالندوہ میں قبائل قریش کا ایک ہنگامی اجلاس طلب کیا اور مختلف تجاویز پر غور کرنے کے بعد نبی ﷺ کے قتل کی ظالمانہ تجویز پر اتفاق کیا۔ اس مجرمانہ قرارداد کے طے پاجانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مکہ سے روائی کی اجازت دے دی اور ہجرت کے وقت کا تعین بھی کر دیا یہ کام وحی کے ذریعہ ہوا جو حضرت جبریلؑ لے کر آئے تھے اور انہوں نے مزید یہ بھی پیغام دیا کہ آپ ﷺ اس رات اپنے بستر پر نہ گزاریں۔

رسول اللہ ﷺ 27 صفر 14 (نبوت) مطابق 13, 12 ستمبر 622ء کی درمیانی رات حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر لٹا کر ان تمام مشرکین کے سامنے جو آپ کے گھر کے باہر دارالندوہ کے فیصلہ کے مطابق نگرانی کر رہے تھے کہ جب بھی حضور ﷺ باہر تشریف لائیں تو حضور ﷺ کا کام تمام کر دیں (نعواذ باللہ)، اللہ تعالیٰ کی خاص مدد کے ساتھ ان مشرکین کی آنکھوں میں دھول

جوہنک کر اپنے سب سے قابل اعتماد ساتھی حضرت ابو بکر صدیق کے گھر پہنچ کر ان کے ساتھ مکہ سے باہر نکل گئے۔ دونوں حضرات نے تین راتیں مکہ سے باہر یمن کے راستہ پر پانچ میل کے فاصلہ پر غار ثور میں گزاریں۔

قباء میں تشریف آوری

دو شنبہ 8 ربیع الاول 14 نبوت یعنی 1 ہجری مطابق 23 ستمبر 622ء کو رسول اللہ ﷺ قباء پہنچے۔ مسلمانان مدینہ کو چونکہ حضور ﷺ کی مکہ سے روانگی کا علم ہو چکا تھا اس لیے مسلمان روزانہ صبح ہی صبح بستی سے باہر نکل آتے تھے اور آپ کی راہ دیکھتے رہتے، مختلف روایات کے مطابق رسول اکرم ﷺ نے قباء میں چار روز یا دس روز یا چوبیس دن قیام فرمایا اور اسی دوران مسجد، قباء کی بنیاد رکھی جو کہ آخر حضرت ﷺ کی نبوت کے بعد پہلی مسجد ہے۔

مدینہ میں داخلہ

اللہ کے رسول ﷺ بروز جمعہ حکم خداوندی سے قباء سے مدینہ کے لیے روانہ ہوئے۔ راستہ میں بونجبار جو آپ ﷺ کے تہیال کا قبیلہ تھا نے آپ کا پر جوش استقبال کیا اور انہوں نے بھی حضور ﷺ کی معیت میں یثرب کا رخ کیا۔ راستہ میں ہی جمعہ کی نماز کا وقت ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ نے وادی رانو ناء میں اس مقام پر نماز جمعہ ادا کی جہاں اب مسجد جمعہ واقعہ ہے۔ مدینہ میں ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ اس کے گھر پر قیام فرمائیں، اس لیے حضور ﷺ نے اپنی اونٹی کو کھلا چھوڑ دیا کہ جہاں وہ بیٹھے گی اسی گھر میں رسول اللہ ﷺ کا قیام ہو گا، اونٹی چلتے چلتے چند بار رُکی اور ہر بار لوگ اسے بٹھانے کی کوشش کرتے مگر رسول اللہ ﷺ یہ فرماتے کہ اونٹی کی راہ چھوڑ دو یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے۔ چنانچہ مسلسل چلنے

کے بعد اونٹی حضرت ابو ایوب انصاری ﷺ کے گھر کے سامنے بیٹھ گئی۔ انہوں نے فوراً کجا وہ اٹھا لیا اور اپنے گھر لے کر چلے گئے۔

اُدھر حضرت علیؓ نے بھی مکہ میں تین روز ٹھہر کر اور لوگوں کی امانتیں جو رسول اللہ ﷺ کے پاس تھیں انہیں ادا کر کے ہجرت کر لی۔

مدنی زندگی

رسول اللہ ﷺ کی مدنی زندگی کو ہم تین مرحلے میں تقسیم کر سکتے ہیں، جو یوں ہیں:

-1 پہلا مرحلہ: جس میں فتنے اور اضطرابات برپا کئے گئے۔ اندر سے مشکلات کھڑی کی گئیں اور باہر سے مدینہ کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے چڑھائیاں کی گئیں یہ مرحلہ 6 ہجری صلح حدیبیہ پر ختم ہوتا ہے۔

-2 دوسرا مرحلہ: جس میں بت پرست قیادت کے ساتھ صلح ہوئی یہ مرحلہ 8 ہجری فتح مکہ پر ختم ہوتا ہے۔ یہی مرحلہ شہان عالم کو دعوتِ دین پیش کرنے کا بھی ہے۔

-3 تیسرا مرحلہ: جس میں خلقت اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل ہونے کا ہے قوموں اور قبیلوں کے وفاد کی آمد کا بھی یہی مرحلہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کے آخر، ربع الاول 11 ہجری تک محيط ہے۔

مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کا ابتدائی مشن

رسول اکرم ﷺ اور مکہ کے اکثر مسلمانوں کی کامیاب ہجرت کرنے سے قریش مکہ کی تملماہٹ اور بوکھلاہٹ اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ ان کے جوش غصب اور احساس محرومی نے انہیں بدلہ بازی پر مجبور کیا اور انہوں نے عبد اللہ بن ابی کو جواہی تک مشک مشرک تھا ایک دھمکی آمیز

خط بھجوایا کہ وہ نہ صرف انصار مدینہ کا سردار ہے بلکہ انصار اسے بادشاہ بنانے پر متفق ہیں اور یہ کہ آپ نے ہمارے صاحب کو پناہ دے رکھی ہے یا تو آپ لوگ انہیں نکال دیجئے یا پھر ہم آپ پر پوری طاقت سے یورش کر کے آپ کے مردوں کو قتل کر دیں گے اور آپ کی عورتوں کی حرمت کو پامال کر ڈالیں گے۔

اس خط کے ملتے ہی عبد اللہ بن ابی مشرکین مکہ کے حکم کی تعمیل کے لیے اٹھ کھڑا ہوا کیونکہ وہ پہلے ہی رسول اللہ ﷺ کے مدینہ آنے سے خارکھائے ہوئے تھا کہ آپ ﷺ نے اس کی بادشاہت چھینی ہے۔ جب نبی ﷺ کو اس کی خبر ہوئی، تو آپ ﷺ ان کے پاس گئے اور فرمایا: ”کیا قریش کی دھمکی آپ لوگوں پر بہت اثر کر گئی ہے، تم خود اپنے آپ کو جتنا نقسان پہنچا دینا چاہتے ہو، قریش اس سے زیادہ تم کو نقسان پہنچا نہیں سکتے۔ کیا تم اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے خود ہی لڑنا چاہتے ہو؟ حضور ﷺ کی اس بات سے لوگ بکھر گئے اور وقتی طور پر عبد اللہ بن ابی اپنے ارادہ سے باز آگیا۔

حضور اکرم ﷺ نے مدینہ پہنچ کر فوری حکمت عملی کے طور پر اپنی تمام کوششیں اللہ کے دین کو مضبوط کرنے کی خاطر شروع کر دیں تھیں، انہوں نے مدینہ میں رہنے والے کفار کو محبت اور دوستی کا پیغام دیا۔ مسلمانوں میں باہمی بھائی چارے اور اخوت کے اصول وضع کیے۔ مدینہ کے گرد و نواح میں آباد یہودیوں کے ساتھ صلح اور بھائی چارے کے معاهدے کئے، دینی تربیت کے لیے مسلمانان مدینہ کا تعلیمی پروگرام مرتب کیا اور مسجد نبوی کی بنیاد رکھی وغیرہ وغیرہ۔

ایک نئے دین کے پودے کو اللہ تعالیٰ نے مدینہ کی فضا میں پھلنے پھولنے میں پوری مدد کی اور اپنے رسول ﷺ کو ہر طرح کی ٹریننگ دی کہ وہ ایک عظیم مملکت کی بنیاد رکھ سکیں۔ مسلمانوں کو ایک بین الاقوامی جماعت بننے کے لیے جواز مات درکار تھے یعنی مذہبی، عسکری اور اخلاقی

اقدار وہ سب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ان مونین کو عطا کر دیئے، قران ایک مکمل ضابط حیات کی صورت میں حضور ﷺ کو دیا گیا اور چند ہی سالوں میں یہ چھوٹی سی جماعت پوری دنیا کو فتح کرنے کے علاوہ اسلامی مساوات کے ذریعہ کئی صدیوں تک کامیابی سے ان پر حکومت کرنے کے قابل ہو گئی۔

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ہر خوبی سے سرفراز فرمایا تھا۔ ایک طرف تو وہ اعلیٰ پایہ کے معلم و استاد تھے تو دوسری طرف فراست و محبت کا پیکر بھی تھے۔ عسکری لحاظ سے ان جیسا کمانڈر دنیا میں پیدا نہیں ہوسکا۔ آپ ﷺ کی جنگی کمانڈر کی حیثیت کو آج بھی پوری دنیا خاص طور پر مغرب کے مفکرین پہلے نمبر دیتے ہیں۔ ”رسول ﷺ ایک ماہر سپہ سالار کی طرح اپنی حکمت عملیاں بدلتے رہتے تھے۔ عموماً ایک ہی حکمت عملی کو دوبارہ نہ دھراتے تھے جس سے آپ کے دشمنوں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا۔ حضور ﷺ نے غزوہ بدر میں اپنے دشمنوں کے خلاف یہی حکمت عملی اپنائی لیکن مشرکین اسے سمجھنے سکے جس کے نتیجہ میں جنگجوؤں، گھوڑوں اور اونٹوں کی کثرت کے باوجود ان کے آغاز میں ہی پاؤں اُکھڑ گئے۔ جب کہ مسلمانوں کے پاس دو تین گھوڑوں اور چند نیزوں اور تیروں کے سوا کچھ نہ تھا۔^۱

مسلمانوں کی عسکری حکمت عملی

کیم ہجری میں جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار کے خلاف جنگ کرنے کی اجازت دے دی تو آپ ﷺ نے مندرجہ ذیل فوری اقدامات فرمائے:

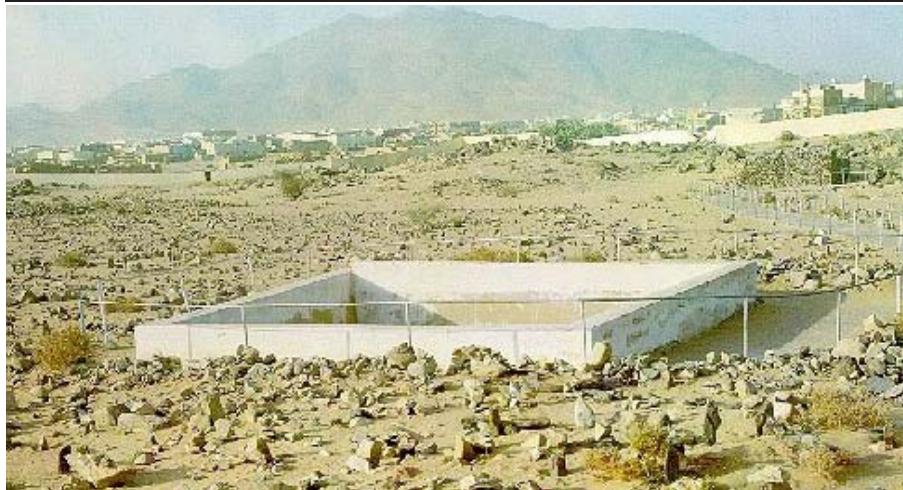
رسول اللہ ﷺ ایک انہائی ماہر منصوبہ ساز بھی تھے جو آنحضرت ﷺ کی زندگی کے ہر روپ سے عیاں ہوتا ہے مسلمانوں کے مدینہ میں حفاظت رہنے کے لیے فوری اقدام رسول اکرم ﷺ نے شروع

^۱ نور سرمدی (محمد فتح اللہ گول): جلد دوم، صفحہ 37

- میں ہی کر دیئے تھے جن کا ذکر پہلے آپ کا ہے۔ تاہم دین اسلام کی حفاظت اور ترقی کے لیے آنحضرت ﷺ نے دورس اور مستقل اقدامات بھی کرنے شروع کر دیئے۔ ان میں سے چند یہ تھے:
- 1۔ مسلمانوں کی عزت اور وقار کو بلند رکھنے اور قریش مکہ اور مدینہ کے کفار پر مسلمانوں کی برتری ثابت کرنے کی خاطر، خبر رسانی کا عدیم الظیر جال بچانا شروع کیا جس کے نتیجہ میں مرکز تک پل کی خبر پہنچتی، جہاں اس کا فوری تجزیہ کیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ کی فوجی منصوبہ بندیوں اور فتوحات کی بناء پر بعض مغربی موَرخین آپ ﷺ کو عسکری پیغمبر بھی کہتے ہیں۔
 - 2۔ قریش مکہ کی سازشوں کو روکنے کی خاطر اور مدینہ کے مسلمانوں کی دھاک بٹھانے کے لیے، مدینہ کے قرب و جوار میں مشرق اور مغرب کی طرف جانے والے اہم تجارتی راستوں پر اسلامی فوج نے نقل و حرکت اور گرانی شروع کر دی۔ یہ تجارتی شاہراہ بحر احمر کے کنارے کنارے یمن سے شام تک جاتی تھی اور اہل مکہ کی معاشی زندگی کا انحصار صرف اسی راستہ پر تھا جس کا اندازہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ اہل مکہ کی جو تجارت اس شاہراہ کے بل پر کی جاتی تھی اس کا جم ڈھانی لاکھ اشرفی سالانہ تھا، طائف اور دوسرے مقامات کی تجارت اس کے علاوہ تھی۔
 - 3۔ مدینہ کی حفاظت کی خاطر مختلف قبائل عرب جن کا تاحال مسلمانوں سے امن کا معاهدہ نہ تھا، ان سے معاهدے کئے گئے۔
 - 4۔ جنگ بدر 2 ہجری تک مسلمانوں نے آٹھ بار کفار کے تجارتی قافلوں سے ٹڈ بھیڑ کی لیکن نہ ہی کسی سرایہ یا غزوہ¹ میں لوٹ مار ہوئی اور نہ ہی قتل و غارت کیوں کے مقصد کفار کو ڈرانا اور تنبیہ کرنا تھا۔ دوسرے یہ کہ ان میں سے کسی مہم میں بھی حضور ﷺ نے اہل مدینہ کا کوئی آدمی لے گئے ہوں۔

¹ غزوہ وہ فوجی مہم ہے جس میں نبی ﷺ بنفس نفس تشریف لے گئے ہوں۔ سریہ وہ فوجی مہم ہے جس میں آپ ﷺ خود تشریف نہ لے گئے ہوں۔





میدان بدر اور شہدائے بدر کا قبرستان

شامل نہ کیا بلکہ تمام دستے خالص کی مہاجرین سے ہی مرتب فرماتے رہے تاکہ یہ کشمکش
قریش کے اپنے گھر والوں میں ہی رہے اور دوسرے قبیلوں کے اس میں الجھنے سے آگ
پھیل نہ جائے۔

(5) مسلمان ہجرت کے وقت اپنے مال و متع سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے کیونکہ کفار کے ڈر سے
ہجرت خاموشی سے کی جاتی رہی تھی اور مہاجر اپنے سب اٹاثے و مال و زر مکہ میں ہی چھوڑ
جاتے تھے یا پھر مال و زر لے کر نکلنے والوں کے ساتھ وہ سلوک کیا جاتا، جیسا کفار نے
حضرت صہیب صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے کہ ان کا تمام مال اس بہانہ سے
لے لیا گیا تھا کہ جب وہ مدینہ آئے تھے تو خالی ہاتھ تھے لیکن یہاں آ کر ان کا مال بہت
زیادہ ہو گیا اس لیے تمام مال کافروں نے رکھ لیا۔ اہل کمہ بعد میں یہ مال و متع اونٹوں پر
لا د کر شام اور یمن کی منڈیوں میں فروخت کرتے تھے۔ مدینہ کے قریب سے گزرنے
والے قافلوں میں مسلمانوں کا مال و اسباب بھی ہوتا تھا جسے واپس لینا ضروری ہو گیا تھا۔

بعض تاریخ دان کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو حق پہنچتا تھا کہ جس طرح ان کے اموال ضبط کئے گئے تھے، اسی طرح وہ بھی ان سرکشوں کے اموال ضبط کریں۔ نیز ایسے لوگوں کی سرزنش بھی ضروری تھی جنہوں نے مسلمانوں پر ہر طرح کے ظلم و ستم روار کئے تھے۔

جنگ (غزوہ) بدر کی ابتدائی وجہ

شعبان ۲ ہجری (فروری یا مارچ ۶۲۳ء) میں قریش کا ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ تقریباً ایک ہزار اونٹوں پر تجارتی مال، جس کی بے شمار مالیت تھی ابوسفیان کی مگر انی میں شام سے مکہ جا رہا تھا اور اس کی حفاظت کی خاطر صرف تمیں یا چالیس آدمی تھے۔

یورپ کا ایک مشہور مورخ وی سی بود لے رسول اللہ ﷺ کی سوانح عمری پر اپنی لکھی کتاب میں بیان کرتا ہے کہ ابوسفیان کا یہ قافلہ تجارتی سامان کے علاوہ جتنی ہتھیار بھی خرید کر مکہ لا رہا تھا، اور اس قافلہ کا تجارتی منافع پچاس ہزار دینار (سونے کے ٹکڑے) تھا۔ اہل مکہ یہ تمام منافع اور جنگی سازروں سامان مسلمانوں کے خلاف ایک بڑی فوج تشکیل دینے کے لیے استعمال کرنے پر متفق تھے۔^۱

اس قافلہ کی خبر رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے شام جاتے ہوئے دیر سے ملی تھی جس کی وجہ سے حضور ﷺ کو اس کی واپسی کا انتظار کرنا پڑا اور دو صحابہ کو اس قافلہ کے حالات دریافت کرنے کی خاطر انہیں شمال کی طرف روانہ کیا جو مقام حوراء تک پہنچ کر وہیں ٹھہرے رہے۔ جب ابوسفیان قافلہ لے کر وہاں سے گزر اتو ان دونوں اصحاب نے تیز رفتاری سے واپس آ کر آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع کی۔ اہل مدینہ کے لیے یہ ایک سنہری موقع تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل مدینہ میں اعلان کروایا کہ قریش کا قافلہ مال و دولت لیے چلا آ رہا ہے، اس کے لیے نکل پڑو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اسے تمہارے لیے مال غنیمت بنادے۔ تاہم آپ نے کسی پر روانگی ضروری قرار نہیں دی تھی

1- The Messenger, the Life of Mohammed, Newyork, 1946 by V.C. Bodley.

بلکہ اسے لوگوں کی رغبت پر ہی چھوڑ دیا تھا۔ اہل مدینہ نے رسول اللہ ﷺ کے اس سفر کو بھی گزشتہ مگر انی مہماں کی طرح تصور کیا اور کسی کو بھی فوجی تکر کا گمان نہ ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے صحابہ کرام مدینہ ہی میں رہے اور ان کی بعد ازاں باز پرس بھی نہ ہوئی۔

ابوسفیان اپنے قافلہ کو لے کر مکہ کے لیے روانہ ہوا، وہ حد درجہ ممتاز تھا کیونکہ مدینہ کا راستہ اس کے لیے پُر خطر اور غیر محفوظ تھا۔ وہ راستہ میں ہر گزرنے والے قافلہ سے مدینہ کے گرد و نواح کے حالات کے متعلق پوچھ پکھ کرتا جا رہا تھا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو قافلہ کی مگر انی کی دعوت دے دی ہے، لہذا اس نے فوراً اپنا خاص قاصد جو ایک سبک رفتار سارباں تھا جس کا نام زم بن عامر غفاری تھا کو مکہ روانہ کر دیا کہ اہل مکہ کو صورت حال سے آگاہ کرے تاکہ فوری مدد بھوائی جائے۔ قاصد نے مکہ پہنچنے سے پہلے عرب کے دستور کے مطابق اپنے اونٹ کے کان کاٹے، اس کی ناک چیر دی، کجاوا الٹا کر دیا اور اپنا کرتا پھاڑا، اور مکہ میں داخل ہو کر اہل مکہ کو مخاطب کیا کہ لوگوں تھے، تمہارا تمام مال ابوسفیان کے پاس ہے مگر اس پر محمد ﷺ دھاوا بولنے جا رہے ہیں۔ ابوسفیان تم سے مدد چاہتا ہے، اس کی مدد کو نکلو۔ اہل مکہ یہ پیغام سن کر ہر طرف سے دوڑے چلے آئے، چنانچہ سارے مکہ میں دو ہی طرح کے لوگ تھے، یا تو جو خود جنگ کے لیے نکل رہے تھے یا اپنی جگہ کسی دوسرے کو بھیج رہے تھے۔ معززین مکہ خود بھی پیچھے نہ رہے صرف ابو لهب نے اپنی جگہ اپنے ایک قرضدار کو بھیج دیا۔ قریش نے گرد و پیش کے قبائل کو بھی بھرتی کیا اور بھر پور تیاری کے ساتھ ایک مضبوط فوج ابو جہل کی قیادت میں تیار کر کے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔

ادھر ابوسفیان کا قافلہ بدر کے قریب پہنچ چکا تھا جو مدینہ سے جنوب مغرب کی طرف 155 کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ وہاں اس نے پوچھ پکھ کی تو معلوم ہوا کہ چند سواروں نے بدر

کے چشموں سے اپنے مشکنے پانی سے بھرے اور چلے گئے۔ ابوسفیان نے ان کے اوٹوں کی میلگنیاں توڑ کر دیکھیں تو ان میں سے کھجور کی گھٹلیاں برآمد ہوئیں، ابوسفیان نے کہا کہ خدا کی قسم یہ یہرب کا چارہ ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے قافلہ کا رخ مغرب کی جانب موڑ کر ساحل سمندر کا رُخ کر لیا اور بدر سے گزرنے والی تجارتی شاہراہ کو چھوڑ دیا اور یوں اپنے قافلہ کو مردی قافلہ سے بچالیا۔

رسول اللہ ﷺ مدینہ سے ابوسفیان کے قافلہ کے تعاقب کے لیے نکلے، تو آپ ﷺ کے ساتھ ایک مختصر سی جمعیت تھی، جن میں 305 یا 313 صحابہ کرام کے علاوہ دو گھوڑے تھیں سے چالیس اونٹ اور چند زر ہیں تھیں کیونکہ ان کا ارادہ تو صرف قریش کے قافلہ کو ہر اس اکتوبر تھا۔ ادھر کمی لشکر طیش کھائے ہوئے پوری تیاری کے ساتھ بدر سے کچھ دور جنہ کے مقام پر پہنچ چکا تھا۔ اس لشکر کی کل تعداد تیرہ سو تھی جن کے پاس ایک سو گھوڑے اور چھ سو زر ہیں تھیں۔ اوٹوں کی تعداد ڈھیک معلوم نہ ہو سکی تھی۔ لشکر کا سپہ سالار ابو جہل بن ہشام تھا۔ قریش کے نو معزز آدمی فوج کی رسد کے ذمہ دار تھے۔ ایک دن نو اور ایک دن دس اونٹ ذبح کیے جاتے تھے۔

ابوسفیان نے جب تجارتی شاہراہ کو چھوڑ کر سمندر کا راستہ لیا تو اس نے اپنے قاصد کی لشکر کی طرف روانہ کئے کہ اس کا قافلہ محفوظ ہے اور مکہ والے واپس آ جائیں۔ یہ پیغام انہیں جنہے ہی میں موصول ہوا، پیغام من کر کمی لشکر نے واپس جانے کا ارادہ کر لیا لیکن ابو جہل نہایت تکبر اور غرور کے ساتھ بولا کہ ”خدا کی قسم ہم واپس نہ ہوں گے، یہاں تک کہ بدر جا کر وہاں تین دن قیام کریں گے اور اس دوران اونٹ ذبح کریں گے۔ لوگوں کو کھانا کھلائیں گے اور شراب پلائیں گے۔ لوٹدیاں ہمارے لیے گانے گائیں گی اور سارا عرب ہمارے سفر و اجتماع کا حال سنے گا اور

اس طرح ہمیشہ کے لیے مسلمانوں پر ہماری دھاک بیٹھ جائے گی۔

مگر بنو زہرہ کے تین سو آدمیوں نے مکہ کے لشکر کو خیر باد کہہ دیا اور ان کا کوئی بھی آدمی جنگ بدر میں شامل نہ ہوا۔ بنو زہرہ کی واپسی کے بعد مکی لشکر کی تعداد ایک ہزار رہ گئی تھی۔ کفار کے لشکر نے اپنا سفر جاری رکھا اور بدر کے قریب پہنچ کر اس نے ایک ٹیلے کے پیچھے پڑاؤ ڈالا۔ یہ ٹیلہ وادی بدر کی حدود میں جنوبی دہانے پر تھا۔

اسلامی لشکر کو مکی فوج کا علم ہونا

جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل مدینہ کو اختیاری رغبت کے تحت قریش کے تجارتی قافلہ کا پیچھا کرنے کی دعوت دی تھی اور مختصر افراد جن کی کل تعداد 313 کے قریب تھی، نامکمل جنگی ساز و سامان کے ساتھ مدینہ سے بدر کی جانب نکلے اور چند روز کی مسافت کے بعد وادی صفراء کے قریب جا پہنچ اور وہاں سے قبیلہ جہینہ کے دوآدمیوں کو ابوسفیان کے قافلے کے حالات معلوم کرنے کے لیے بدر روانہ کیا۔ آپ ﷺ کو اسی جگہ تجارتی قافلہ اور مکی لشکر دونوں ہی کے متعلق اطلاعات فراہم ہوئیں۔ آپ ﷺ نے ان اطلاعات کا گہرائی سے جائزہ لیا اور اس نتیجہ پر پہنچ کے اب ایک خوزیری مکراوہ کا وقت آگیا ہے کیونکہ اگر قریش کے فوجی لشکر کو اس علاقہ میں یوں ہی دندناتا ہوا پھر نے دیا جاتا، تو اس سے قریش کی فوجی ساکھ کو بڑی تقویت مل جاتی اور مسلمانوں کی آواز دب کر کمزور ہو جاتی اور اس کے بعد اسلام کے خلاف کینہ وعداً و عداوت کا بازار گرم ہو جاتا۔ یہاں تک کہ مدینہ ہر طرح سے غیر محفوظ ہو جاتا۔ بعض تاریخ دان لکھتے ہیں کہ اگر مسلمان مکی فوج کو کھلا چھوڑ دیتے تو وہ مدینہ پر چڑھ دوڑتی تاکہ اسلام جوان کے لیے ایک عظیم خطرہ بن چکا تھا کامکمل خاتمه کر دیا جائے۔

حالات کی اس اچانک اور پر خطر تبدیلی کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے اپنی اعلیٰ فوجی

قیادت سے مشورہ کیا اور درپیش حالات کا تذکرہ فرمایا اور کمانڈروں اور فوجی قیادت سے تبادلہ خیالات کیا۔ اس موقع پر ایک گروہ خونزیز نکراوہ کا نام سن کر کانپ اٹھا اور اس کا دل لرزنے لگا۔ اسی گروہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورہ انفال کی آیات 5 اور 6 میں ان کی حالت یوں بیان کی ہے، ”یہ تجھ سے بالکل سچی بات میں جو واضح ہو چکی ہے، جھگڑ رہے ہیں گویا کہ وہ موت کو دیکھتے ہوئے اس کی طرف ہانکے جا رہے ہیں۔“

قائدین لشکر اور دیگر صحابہ کرام ثابت قدمی سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھڑے تھے۔ حضرت ابو بکر رض نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ ”اے اللہ کے رسول آپ کو جو اللہ نے راہ دکھائی ہے آپ اس پر رواں دواں رہیے، ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم ہم آپ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ ”تم اور تمہارا رب جاؤ اور لڑو ہم یہیں بیٹھے ہیں۔“ بلکہ ہم یہی کہیں گے کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے پور دگار چلیں اور لڑیں، ہم بھی آپ کے ساتھ ساتھ لڑیں گے۔“ حضرت عمر رض اٹھے اور انہوں نے بھی یہی بات کی۔ اسی طرح حضرت مقداد بن عمرو رض نے بھی اسی طرح کی بات کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سب کے حق میں کلمہ خیر ارشاد فرمایا اور دعا دی۔ یہ تینوں حضرات مہاجر تھے جو لشکری تعداد میں کم تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ کی خواہش تھی کہ انصار کی رائے بھی معلوم کریں کیونکہ وہی لشکر میں اکثریت رکھتے تھے اور جنگ کا زیادہ بوجھا انہی کے شانوں پر پڑنے والا تھا۔ دوسرے بیعت عقبہ کی رو سے ان پر لازم نہ تھا کہ مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کریں۔ اس لیے حضور ﷺ نے پھر فرمایا کہ ”لوگو! مجھے مشورہ دو۔“ مقصود انصار سے تھا اور یہ بات انصار کے کمانڈر اور علمبردار حضرت سعد رض بن معاذ نے بھانپ لی، اور عرض کیا کہ بخدا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ، اے اللہ کے رسول آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں۔ تب حضرت سعد رض نے کہا کہ

”اے اللہ کے رسول، ہم تو آپ پر ایمان لائے ہیں، آپ کی تصدیق کی ہے اور یہ گواہی دی ہے کہ آپ جو کچھ لے کر آئے ہیں سب حق ہے اور ہم نے آپ کو اپنی سعی و طاعت کا عہد و میثاق دیا ہے، لہذا اے اللہ کے رسول! آپ کا جوارا دہ ہے اس کے لیے پیش قدمی فرمائیے۔ اگر آپ ﷺ ہمیں ساتھ لے کر سمندر میں کو دنا چاہیں گے تو ہم اس میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ کو د پڑیں گے۔ ہمارا ایک آدمی بھی پیچھے نہ رہے گا۔“^۱

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ آپ نے فرمایا: ”چلو اور خوشی خوشی چلو۔ اللہ نے مجھ سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے۔“

”یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ دو جماعتوں میں سے ایک جماعت تمہارے ہاتھ لے گی، تمہاری چاہت تھی کہ بغیر شوکت والی (کمزور) جماعت تمہارے ہاتھ لے اور حق تعالیٰ کی چاہت تھی کہ وہ دین حق کو اپنے فرمان سے سچا ثابت کر دکھائے اور کافروں کی جڑ بنیاد سے کاٹ دے۔“ (سورہ انفال، آیت نمبر ۷)

اسلامی لشکر رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں بدر کی جانب بڑھا اور چند پہاڑی موڑ گذر کر بدر کے قریب نزول کیا۔ یہاں پہنچ کر رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ گرد و پیش کی خبر لینے کے لیے نکل پڑے۔ ابھی دور ہی سے مکی لشکر کے کمپ کا جائزہ لے رہے تھے کہ ایک بوڑھا دیہاتی مل گیا، اس سے معلوم ہوا کہ وہ مکہ کا لشکر تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی روز دشمن کے حالات جاننے کے لیے ایک جاسوسی دستہ بھی روانہ فرمایا جو مہاجرین کے تین قائد، علی بن ابی طالب، زیر بن عوام اور سعد بن ابی وقار صاحب رضوان اللہ عنہما کرام پر مشتمل تھا۔ وہ سید ہے بدر کے چشمہ پر پہنچے۔ وہاں دو یا تین غلام مکی لشکر کے لیے پانی بھر رہے تھے۔ انہیں

¹ الریحہ الختوم: صفحہ 285

گرفتار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ قریش کے سقے تھے اور ان کے لیے پانی بھرنے کے لیے آئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو انہوں نے بتایا کہ وادی کے آخری دہانے پر جو ٹیکہ نظر آ رہا تھا، قریش اسی کے پیچھے ڈیڑھ ڈالے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کتنے لوگ ہوں گے۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ انہیں معلوم نہیں۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ وہ روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں۔ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ ایک دن نو اونٹ اور ایک دن دس۔ آپ ﷺ نے فرمایا تب تو لوگوں کی تعداد نو سے ایک ہزار کے درمیان ہے۔ حضور ﷺ نے اپنی معلومات کی خاطر چند اور سوال پوچھا اور فرمایا کہ مکہ نے اپنے جگہ کے مکروں کو تمہارے پاس لا کر ڈال دیا ہے۔

اسی رات اللہ عزوجل نے ایک بارش نازل فرمائی جو مشرکین پر موسلا دھار بر سی اور ان کی پیش قدمی میں رکاوٹ بن گئی، لیکن مسلمانوں پر پھوار بن کر بر سی اور انہیں پاک کر دیا نیز ریت میں سختی آگئی اور قدم ٹکنے کے لائق ہو گئے۔ اللہ نے ان کے دلوں میں سکون بھر دیا۔

مسلمانوں کا بدر کے چشمیں پر قبضہ

ان حالات میں رسول اللہ ﷺ نے اسلامی شکر کو بدر کے چشمیں کی طرف حرکت دی تاکہ مشرکین سے پہلے وہاں پہنچ جائیں۔ چنانچہ عشاء کے وقت آپ ﷺ نے بدر کے قریب ترین چشمہ پر پڑاؤ ڈالا۔ اس موقع پر حضرت حباب بن منذر نے ایک ماہر فوجی کی حیثیت سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر اس جگہ پر آپ ﷺ نے اللہ کے حکم سے قیام فرمایا ہے تو پھر ہمیں آگے پیچھے ہٹنے کی کوئی گنجائش نہیں یا یہ محض جنگی حکمت عملی کے طور پر ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ محض جنگی حکمت عملی کے طور پر ہے۔ حضرت حباب بن منذر نے کہا کہ یہ مناسب جگہ نہیں ہے، آپ ﷺ آگے تشریف لے چلیں اور قریش کے سب سے قریب جو چشمہ ہے وہاں پڑاؤ۔

ڈالیں پھر ہم باقی چشمیوں کو پاٹ دیں گے اور اپنے چشمہ پر حوض بنائیں کہ پانی بھر لیں گے اور دشمن پانی سے محروم رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے بالکل صحیح مشورہ دیا اور اس کے بعد آپ ﷺ لشکر کو لے کر دشمن کے قریب ترین چشمہ پر قابض ہو گئے۔ پھر صحابہ کرام نے حوض بنایا اور باقی چشمیوں کو بند کر دیا۔

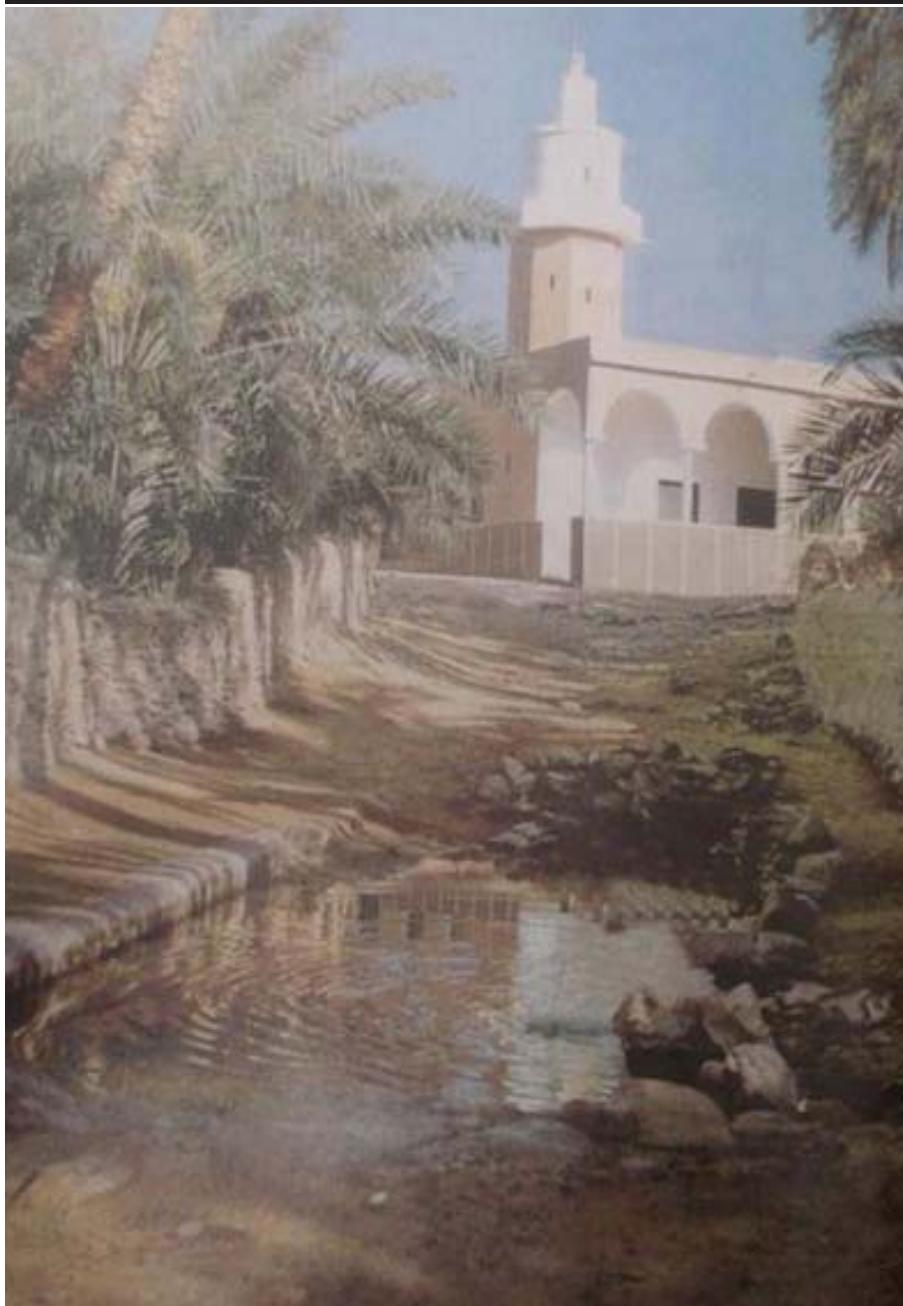
مسلمانوں نے میدان جنگ کے شمال مشرق میں ایک اونچے ٹیلے پر چھپر تعمیر کیا جہاں اللہ کے رسول ﷺ تشریف فرمائے ہو کر پورے میدانِ جنگ کو دیکھ سکتے تھے۔ آپ ﷺ نے اس مرکزی قیادت کے چھپر کی نگرانی حضرت سعد بن معاذؓ کی کمان میں انصاری نوجوانوں کے ایک دستہ کے سپرد کر دی۔

ترتیب لشکر اور شب گزاری

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے لشکر کی ترتیب فرمائی پھر میدانِ جنگ میں تشریف لے گئے اور اڑائی کے متعلق صحابہ کرام سے گفت و شنید فرمائی، اور وہیں ایک درخت کے تنے کے پاس رات گزاری اور مسلمانوں نے بھی پر سکون اور پر اعتماد طور پر رات بسر کی۔

یہ رات جمعہ 17 رمضان 2ھ کی رات تھی۔ اسلامی لشکر پر اطمینان و سکون طاری ہونے کے متعلق اللہ تعالیٰ سورہ انفال آیت 11 میں اپنے احسانات بیان فرماتے ہیں کہ اس جنگ بدر میں جب کہ اپنی کمی اور کافروں کی زیادتی، اپنی بے سروسامانی اور کافروں کے پر شوکت سروسامان دیکھ کر مسلمانوں کے دل پر برا اثر پڑ رہا تھا، پروردگار نے ان کے دلوں کے اطمینان کے لیے ان پر اونگھ ڈال دی۔^۱

^۱ تفسیر ابن کثیر، جلد دوم۔ صفحہ 466



بدر کے مقام پر ایک چشمہ..... پس منظر میں مسجد العرش ہے

میدان جنگ میں کی لشکر کی آمد

قریش نے وادی کے دہانے کے باہر اپنے نیمپ میں رات گزاری اور صبح اپنے تمام دستوں سمیت ٹیلے سے اتر کر بدر کی جانب روانہ ہوئے۔ جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کو دکھائی دینے لگیں تو قریش کی فوجی کثرت اور شان و شوکت کو دیکھ کر رسول اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حضور یوں دعا کی کہ ”اے اللہ، تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا فرمادے۔ اگر آج تیرے مانے والے ناکام ہو گئے تو آئندہ تیری عبادت کرنے والا کوئی شخص نہ ہو گا۔“ حضور ﷺ نے اللہ کی بارگاہ میں بڑے خشوع و خصوع کے ساتھ بہت لمبی دعا فرمائی۔ آپ ﷺ کی دعا کی قبولیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اسی وقت وحی کے ذریعہ خبر دی کہ ”میں ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد کروں گا جو آگے پیچھے آئیں گے۔“ (سورہ انفال، آیت 9)

اس جنگ میں سب سے زیادہ سخت امتحان مہاجرین مکہ کا تھا جن کے اپنے بھائی بندسمنے صفت آرا تھے۔ کسی کا باپ، کسی کا بیٹا، کسی کا بچہ، کسی کا ماموں، کسی کا بھائی اس کی اپنی تلوار کی زد میں آ رہا تھا اور اپنے ہاتھوں اپنے جگر کے ٹکڑے کاٹنے پڑ رہے تھے۔ اس کڑی آزمائش سے صرف وہی لوگ گزر سکتے تھے جنہوں نے پوری سنجیدگی کے ساتھ حق سے رشتہ جوڑا ہوا اور باطل کے ساتھ سارے رشتے قطع کر ڈالنے پر تسلی گئے ہوں۔ ادھر انصار کا امتحان بھی کچھ کم سخت نہ تھا۔ اب تک تو انہوں نے قریش اور اس کے حليف قبائل کی دشمنی صرف اس حد تک مولیٰ تھی کہ انہوں نے مسلمانوں کو اپنے ہاں پناہ دے دی تھی لیکن اب تو وہ اسلام کی حمایت میں اُن کے ساتھ لڑنے بھی جا رہے تھے۔ جس کے معنی یہ تھے کہ ایک چھوٹی سی بستی سارے ملک عرب سے لڑائی مول لے رہی ہے۔ یہ جسارت صرف وہی لوگ کر سکتے تھے جو کسی صداقت پر ایسا ایمان

لے آئے ہوں کہ اس کی خاطر اپنے ذاتی مفاد کی انہیں ذرہ برابر پرواہ نہ ہو۔^۱

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی صفائی درست فرمائیں۔ آپ ﷺ نے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ کو دائیں، دوسرے کو بائیں اور تیسرا کو درمیان میں رکھا۔ اس دور میں یہ حکمتِ عملی معروف نہ تھی۔ درمیان والا حصہ مہاجرین اور ان سرداران انصار پر مشتمل تھا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر موت کی بیعت کی تھی۔ آپ ﷺ نے درمیانی حصہ کے مہاجرین کی قیادت حضرت علیؓ بن ابی طالب اور انصار کی قیادت حضرت سعد بن معاذؓ کے سپرد کی۔ اسلامی فوج کا پرچم حضرت مصعب بن عميرؓ کو عطا فرمایا۔^۲

رسول اللہ ﷺ نے اس غزوے کا خصوصی شعار ”احد۔ احمد“ کا نعرہ مقرر فرمایا تھا۔ احمد اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنی میں سے ایک نام ہے، کہ جس کا کوئی ثانی نہیں۔

دوسری طرف مشرکین کی فوج اسلحہ سے لیس مبارزت کے لیے تیار تھی۔ ان کے سردار ابو جہل نے اللہ سے فیصلہ کی دعا کی۔ اُس نے کہا کہ اے اللہ ہم میں سے جو فریق قرابت کو زیادہ کاٹنے والا اور غلط حرکتیں زیادہ کرنے والا ہے اسے تو آج توڑدے اور جو فریق تیرے لیے زیادہ محظوظ اور پسندیدہ ہے آج اس کی مدد فرم۔

علامہ ابن کثیر سورہ انفال کی آیت 19 کی تشریح بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مکہ سے نکلنے سے پہلے ان مشرکوں نے خانہ کعبہ کا غلاف پکڑ کر دعا کی تھی کہ الہی! دونوں لشکروں میں سے تیرے نزدیک جو اعلیٰ اور زیادہ بزرگ ہوا اور زیادہ بہتری والا ہو، تو اس کی مدد کر۔ پس اس آیت میں ان سے فرمایا جا رہا ہے کہ لواللہ کی مدد آگئی۔ تمہارا کہا ہوا پورا ہو گیا۔ ہم نے اپنے نبی کو جو

ہمارے نزدیک بزرگ، بہتر اور اعلیٰ تھا غالب کر دیا۔^۱

مبارزت

جنگ کا آغاز کرتے ہوئے قریش نے اپنے انتہائی بہادر شہسوار نکالے جو سب ایک ہی خاندان کے تین افراد تھے۔

دوسری جانب سے رسول اللہ ﷺ نے انصار کے تین جری اور بہادر بھیجے مگر قریش نے غورو و تکبر میں آ کر آنحضرت ﷺ سے کہا کہ آپ ﷺ ان ہی کی قوم سے ان کے ہم عصر اور ہم پلہ لوگوں کو بھیجیں۔ اس کے جواب میں اللہ کے رسول ﷺ نے نہ صرف اپنے ہی خاندان بلکہ اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو موت کے دروازے پر دستک دینے کے لیے بھیجا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا ”حزہ، عبیدہ اور علی“، اُٹھو۔ ان میں سے ہر کوئی بہادری میں پورے لشکر پر بھاری تھا۔ ان میں دو آپ کے چچازاد بھائی اور تیسرے آپ کے چچا تھے۔ ادھر قریش کے تینوں مبارز عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ یعنی دو بھائی اور ان میں سے ایک کا بیٹا مسلمانوں کے مقابل ہوئے۔ معز کہ آرائی شروع ہوئی اور جلد ہی حضرت علیؓ نے اپنے مقابل ولید کا اور حضرت حمزہؓ نے شیبہ کا کام تمام کر دیا۔ حضرت عبیدہؓ نے عتبہ بن ربعہ کا مقابلہ کیا۔ آپ سب سے معمراً تھے لیکن عتبہ کے ہر دار کا مقابلہ کرتے رہے اور دونوں نے ایک دوسرے کو گہرے زخم لگائے۔ ادھر حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ اپنے مقابلوں سے فارغ ہو کر حضرت عبیدہؓ کی مدد کو آئے اور عتبہ کا کام تمام کر دیا اور حضرت عبیدہؓ کو سخت زخمی حالت میں اٹھا لائے۔ حضرت عبیدہؓ جنگ کے چوتھے یا پانچویں روز جب مسلمان مدینہ واپس ہوئے تو وادیٰ صفراء کے مقام پر انتقال فرمائے۔

اس مبارزت کا آغاز مشرکین کے لیے انتہائی برا تھا۔ وہ ایک ہی جست میں اپنے تین

^۱ تفسیر ابن کثیر جلد دوم، صفحہ 473۔ تفسیر آیت 19، سورہ انفال۔

بہترین کمانڈروں اور شہ سواروں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے اور ان کی صفوں میں مایوسی پھیل گئی تھی۔

انہوں نے گھبراہٹ اور بیچارگی میں بلا سوچ سمجھے کیبارگی حملہ کر دیا۔

دوسری طرف مسلمان اپنے رب سے نصرت اور مدد کی دعا کرنے کے بعد اپنی اپنی جگہوں پر جمع رہے اور دفاعی موقف اختیار کئے رکھا اور منشراں کے تابڑ تواریخ میں کو روک رہے تھے اور انہیں خاصاً نقصان پہنچا رہے تھے۔

پھر گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی اور لڑائی اپنے عروج پر تھی تو آپ ﷺ نے دیکھا ہر ایک مسلمان کا مقابلہ تین کافروں کے ساتھ ہے اس وقت رسول اللہ ﷺ نے اللہ سے خوب تصرع کے ساتھ دعا فرمائی۔ اُدھر اللہ نے فرشتوں کو وحی فرمائی کہ ”میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم اہل ایمان کے قدم جماو، میں کافروں کے دل میں رُعب ڈال دوں گا۔“ اور رسول اللہ ﷺ کے پاس وہی بھیجی کہ ”میں ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد کروں گا، جو آگے پیچھے آئیں گے۔“

مورخین کا کہنا ہے کہ مکہ کی فوج کو مسلمانوں کے مقابلہ میں تعداد اور جنگی ساز و سامان کے لحاظ سے بہت زیادہ فوقيت حاصل تھی، لیکن ان کے قدم شروع ہی میں اکھڑ گئے تھے جب کہ ان کے تین چوٹی کے جریل اور سردار قتل کر دیئے گئے، مزید یہ کہ اپنی فوجی قوت کے زعم میں وہ بغیر کسی منصوبہ بندی کے اپنی طاقت اور اسلحہ کا ضیائع کر رہے تھے۔“

اُدھر رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں اسلامی لشکر کا نظم و نسق بے مثال تھا، اس کی نقل و حرکت اور جنگ کا طریق کا رجھی عدہ تھا۔ سپاہیوں کو سمجھا دیا گیا تھا کہ کہاں اور کس وقت تیر استعمال کرنے ہیں اور کب نیزے اور تلواریں استعمال ہوں گی وغیرہ وغیرہ۔ رسول اکرم ﷺ خود بھی زرہ پہن کر بہ نفس نفس جنگ کے میدان میں آگئے تھے اور فوج کو ضروری ہدایات

دے رہے تھے۔ حضور ﷺ نہ صرف مسلمانوں کی ہمت افزائی فرمائے تھے بلکہ ان کو خوشخبری بھی سنارہے تھے کہ اللہ کی مدد اس کے فرشتوں کی شکل میں آگئی ہے اور ان شاء اللہ دشمن کو شکست کا سامنا ہو گا۔

ابو جہل کا قتل

جیسا کہ ذکر آچکا ہے کہ جنگ کے آغاز میں ہی مشرکین کے لشکر میں اضطراب اور گھبراہٹ پھیل گئی تھی ابو جہل کو شکست کرنے لگا کہ اپنے لشکر کا حوصلہ بلند رکھے، وہ اپنے بتوں خاص طور، لات و عزمی کی قسمیں دے دے کر ان کی ہمت بڑھانے کی کوشش کرتا رہا، مگر جلد ہی اسے اپنی بے بسی کا احساس ہونے لگا جب مسلمانوں نے اپنے جوابی حملوں کی تندی کے سامنے ان کی صفوں کو اللہنا شروع کر دیا۔ ابو جہل اپنے گھوڑے پر میدان جنگ کے چکر کا ثارہا اس نے اپنے گرد مشرکین کا ایک غول جمع کر کھا تھا اور ان لوگوں نے تلواروں اور نیزوں سے اس کے گرد گھیرا بنایا ہوا تھا۔ لڑائی کے دوران ہی دونوں عمرانصاری بھائیوں نے اس پر حملہ کر کے اسے سخت زخمی کر دیا تھا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رض نے اسی حالت میں اس کا سرتن سے جدا کر دیا اور وہ سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسالم کے حضور پیش کیا۔ روایت ہے کہ بعد میں اس کی تواریخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسالم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رض کو عطا کی تھی کیونکہ دونوں نو عمر بھائی اسی جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ ان نوجوانوں کے نام عوف بن حارث اور معاذ (معوز) بن حارث تھے^۱

کمی لشکر کی مکمل شکست

جب ان کے سردار ابو جہل کا قتل ہوا تو قریش کے لشکر میں بھگدڑ مج گئی اور کافر لوگ نا

^۱ المریق المختوم صفحہ 300، سنن ابی داؤد، باب اجاز علی جتنی۔ الح 2/373۔ (صحیح بخاری، 1، 444/1، 568/1)

صرف مکہ بلکہ ہر سمٹ بھاگ کھڑے ہوئے۔

مسلمانوں نے ان بھاگتے ہوئے دشمنوں کا تیروں، نیزوں اور تلواروں سے نشانہ کیا، ان کے ستر آدمی مارے گئے اور اتنی ہی تعداد میں قید کئے گئے، جب کہ چودہ مسلمانوں نے جام شہادت نوش فرمایا۔ دراصل کفار کی لڑائی کا مقصد صرف عداوت اور حسد تھا۔ ان کی ساری توجہ اس بات پر مرکوز تھی کہ وہ مسلمانوں کی سرکوبی کر کے تمام دنیاۓ عرب پر اپنی دھاک بیٹھائیں گے اور فتح حاصل کرنے کے بعد بقول ابو جہل کے شراب پینے پلانے، رقص کرانے اور طرب و نشاط کی محفل سجائے کی قسم پوری کریں گے۔^۱ جب کہ مسلمانوں نے وہاں نمازیں ادا کیں، اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ و زاری کی اور اسلام کی سر بلندی کے لیے دعائیں کیں۔

ان دونوں جماعتوں کے درمیان یہ واضح فرق تھا کہ ان میں سے ایک جماعت اطمینان و سکون سے مالا مال ہو کر بلند یوں کوچھور ہی تھی تو دوسری جماعت تنگی و اضطراب میں بنتلا ہو کر دنیا کی پستیوں میں جا گری تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں اور مسلمانوں کے جذبہ ایمانی کی وجہ سے یہ بے سروسامان جماعت اللہ تعالیٰ کی محبوب و پسندیدہ جماعت بن گئی۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اور ان کی مختصر اور کمزور جماعت کی مدد ایک ہزار فرشتوں سے کی تاکہ اللہ کا دین دن گنی رات چگنی ترقی کر سکے۔ یہی وہ ابتداء تھی جس کی وجہ سے چند ہی سالوں میں یہ دین دنیا کے پیشتر متمدن ملکوں پر حق و انصاف کے ساتھ حکمرانی کرتا رہا۔

- جنگ بدر کے چودہ شہدا کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں:
- 1. **مُحَاجٌ بن صالح** قوم عک سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت عمر فاروق کے آزاد کردہ غلام تھے۔
 - 2. **عَبِيدُهُ بْنُ حَارث** شہادت کے وقت عمر 63 سال تھی۔ سب سے پہلے اسلامی سریہ کے سردار بھی بنائے گئے تھے۔
 - 3. **عَمِيرُ بْنُ أَبِي وَقَاصٍ** یہ حضرت سعد بن ابی واقص کے بھائی ہیں۔ شہادت کے وقت ان کی عمر 16 سال کی تھی۔ نبی ﷺ نے ان کو چھوٹے ہونے کی وجہ سے جنگ سے واپس کرنا چاہا تو یہ رونے لگے اس لیے آپ نے اجازت دے دی۔
 - 4. **عَاقِلُ بْنُ كَبِيرٍ** ڈوالشما لین آپ کا لقب تھا۔ بنو زہرا کے حلیف تھے۔
 - 5. **عَمِيرُ بْنُ عَبْدِ عَمْرُو**
 - 6. **عَوْفُ بْنُ حَارث** یہ عوف بن حارث کے بھائی ہیں۔
 - 7. **مَعْوِذُ بْنُ حَارث** حارث یا (حارثہ) بن سراقد آپ کے حق میں تیر گا تھا۔
 - 8. **يَزِيدُ بْنُ حَارثٍ يَا (حَرَثٍ)** بن قیس بن مالک انصاری صحابی ہیں۔
 - 9. **رَافِعُ بْنُ مَعْلُونٍ** یہ بھی انصاری صحابی ہیں۔
 - 10. **عَمِيرُ بْنُ حَمَامٍ** حضرت عبیدہ بن حارث کے ساتھ موآخات¹ تھی۔ دونوں نے ہی سرو خرو ہو کر شہادت کو گلے لگایا۔

1- موآخات = بھائی چارہ، بھائی بندی

- 12- عمَّارُ بْنُ زِيَادَهُ بْنُ رَافعٍ
یہ انصاری صحابی ہیں
- 13- سَعْدُ بْنُ خَيْشَمَهُ انصاری
ان کے والد خیشمہ غزوہ احمد میں شہید ہوئے۔
- 14- مُبَشِّرٌ بْنُ عَبْدِ الْمَنْذَرِ
یہ انصاری صحابی ہیں۔



بدر کے مقام پر نصب کتبہ جس پر شہدائے بدر کے نام درج ہیں

جنگ بدر کے قیدیوں سے سلوک

رسول اللہ ﷺ کی بدر سے مدینہ تشریف آوری کے ایک دن بعد جنگ قیدیوں کی آمد ہوئی۔

آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے رائے مانگی، حضرت ابو بکرؓ نے سفارش کی کہ ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اس طرح آئندہ کے جنگی اخراجات کے لیے رقم بھی دستیاب ہو جائے گی اور ہو سکتا ہے اللہ رب العزت ان لوگوں کو اسلام قبول کر لینے کا شرف بخش دیں۔ حضرت عمرؓ نے اس رائے کے خلاف مشورہ دیا کہ سب کے سر قلم کر دیئے جائیں کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کی ہے۔ تاہم اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی وسیع القی اور دور اندیشی کی عادت کی بناء پر حضرت ابو بکرؓ کی رائے مان لی اور فدیہ کی ادائیگی کی شرط پر ان کو رہا کرنے کا فیصلہ فرمایا، فدیہ کی رقم ایک ہزار سے لے کر چار ہزار درہم تک مقرر تھی۔

جو قیدی فدیہ ادا نہ کر سکتے تھے اور خود پڑھ لکھے تھے، وہ دس بچوں یا ان پڑھ بڑوں کو لکھنا پڑھنا سکھلا کر رہائی حاصل کر سکتے تھے، البتہ بعض مجبور اور غریب قیدیوں کو بغیر فدیہ لیے بھی رہا کیا گیا تھا۔ ان میں مطب بن حطب، صفی بن ابی رفاعہ اور ابو عزہ حججی شامل تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے داماد ابوالعاص کو بھی اس شرط پر بلا فدیہ چھوڑ دیا کہ وہ حضرت نبیؐ کی راہ نہ روکیں گے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نبیؐ نے ابوالعاص کے فدیہ میں کچھ مال بھیجا تھا جس میں ایک ہار بھی تھا۔ یہ ہار در حقیقت اُم المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کا تھا اور حضرت نبیؐ کی رخصتی پر انہیں یہ ہار ملنا تھا، جب رسول اکرم ﷺ نے اسے دیکھا تو آپ پر رقت طاری ہو گئی اور آپ نے صحابہ کرامؓ سے اجازت چاہی کہ ابوالعاص کو چھوڑ دیں۔ صحابہ نے اسے بسر و چشم قبول کر لیا۔ ابوالعاص کو اس شرط پر چھوڑ دیا گیا کہ وہ حضرت نبیؐ کی راہ چھوڑ دیں گے اور یوں حضرت

نبیؐ نے ہجرت فرمائی۔¹

¹ الریحان المختوم: صفحہ 315

مدینہ میں ان قیدیوں کو رکھنے کے لیے کوئی خاطر خواہ جگہ نہ تھی اس لیے رسول اللہ ﷺ نے انہیں صحابہ کرام میں تقسیم فرمادیا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت فرمائی۔ اس نصیحت کے نتیجہ میں صحابہ کرام نے ان قیدیوں کو اپنے عزیزوں سے بھی بہتر سلوک کے ساتھ رکھا۔ مغربی مورخین نے بھی قیدیوں کے ساتھ مسلمانوں کے اس حسن سلوک کو نمایاں طور پر سراہا ہے۔

مشہور تاریخ دان سرویم مائیر لکھتا ہے کہ ”محمد ﷺ کے حکم کی تعییل میں اہل مدینہ اور وہ مہاجرین جو اپنے گھر رکھتے تھے ان کو قیدی تقسیم کئے گئے اور انہوں نے ان کے ساتھ بہترین سلوک کیا۔ ایک قیدی نے بعد کے دنوں میں کہا کہ، مدینہ کے لوگوں پر اللہ کی رحمت ہو، انہوں نے ہمیں سواری دی جب کہ وہ خود پیڈل چلتے تھے۔ وہ ہمیں گندم کی روٹی دیتے تھے جب کہ وہ قلیل مقدار میں میسر تھی اور خود بھجوں پر گزر کرتے تھے۔ یہ بات حیران کن نہ تھی کہ جب ان کے عزیزان کی رہائی کے لیے فدیہ لے کر آتے تو اکثر قیدی مسلمان ہونے کا اعلان کر دیتے۔ مسلمانوں کے حسن سلوک کا دیرپا اور ثابت اثر ان لوگوں پر بھی ہوا جنہوں نے فوری طور پر اسلام قبول نہیں کیا تھا،^۱

رسول اللہ ﷺ نے غزوہ بدر سے بھلائی کا پہلو نکالا۔ اس دور میں جس کے پاس طاقت ہوتی تھی وہ دوسروں کو وحشیانہ ظلم و ستم کا نشانہ بناتا تھا۔ لیکن جب مسلمانوں کو غزوہ بدر میں فتح نصیب ہوئی تو انہوں نے انسانی اقدار کی اعلیٰ ترین مثال قائم کی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی بلند اخلاقی اور اعلیٰ ظرفی کا نتیجہ تھی۔

قیدیوں سے در گزر کرنے کے ثبت اثرات

- 1- قیدیوں کے فدیے کے مطالبے کو مشرکین نے بخوبی قبول کر لیا تھا۔ اس فدیہ کا لینا دراصل جو مال مسلمانوں نے ہجرت کے وقت مکہ میں ہی چھوڑا تھا، اس کے کچھ حصہ کی وصولی تھا

جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عطا کیا۔

2- مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں خواندگی کی شرح انتہائی پست تھی، حالانکہ مستقبل میں علم اور دین کی نشر و اشاعت میں ان کے کردار کے پیش نظر ان کا پڑھے لکھے ہونا اشد ضروری تھا۔

3- جن لوگوں نے مسلمانوں کو لکھنا اور پڑھنا سکھانا تھا، انہیں مدینہ ہی میں ٹھہرنا تھا اس طرح ان کو اسلام کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملنا تھا اور جب وہ مکہ واپس لوئتے تو وہ لوگ اپنے گھروں میں خدا اور رسول اللہ ﷺ کا داعی ثابت ہوتے۔ مثلاً ابو جہل کے بھائی اہن ہشام قبول اسلام تک دوبارہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف کسی جنگ میں شریک نہ ہوئے، کیونکہ ان کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے عفو و درگزر اور مرمت کے بر塔و نے انہیں آپ ﷺ کے خلاف ہتھیار اٹھانے پر شرمندہ کر دیا تھا۔

4- مسلمانوں کا قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک ایک انہوں بات تھی جو کوئی اپنے سے اچھا شخص بھی اپنے جنگی دشمن کے ساتھ روانہ رکھتا تھا یہی وجہ ہے کہ رسول خدا کا قیدیوں کے ساتھ ایسا بر塔و موجودہ دور میں بھی غیر مسلم محققین حسین کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یورپ امریکہ اور دوسرے ممالک جب بھی دنیا میں آج تک ہونے والے انیاء بڑے بڑے مصلحین اور لیڈر ان کی فہرست ترتیب دیتے ہیں تو ہمیشہ ہی سرفہرست رسول اللہ ﷺ کا نام رکھتے ہیں۔^۱

جنگ بدر کی اہمیت اور اسلامی تاریخ پر اثرات

1- جنگ بدر اسلامی معروکوں میں سے ان معدودے چند معروکوں میں شامل ہے جس کا ذکر قرآن نے نام لے کر صراحة کیا ہے اور اس غزوہ کا جنگ احمد کے ساتھ موازنہ بھی کیا ہے۔ یہ جنگ روئے زمین کی واحد جنگ ہے جہاں اللہ نے اپنے فرشتوں کو براہ راست اڑائی میں حصہ لینے کا حکم فرمایا اور فتح کے بعد مسلمانوں کو شکر گزار ہونے کی تلقین فرمائی۔

مشہور عالم دین اور مترجم قرآن عبداللہ یوسف علی کے مطابق شکر گزاری کا مطلب نظم و ضبط (ڈسپلن) بھی ہو سکتا ہے کیونکہ بدر کی جنگ میں مسلمانوں نے اعلیٰ نظم و ضبط کا مظاہرہ کیا تھا جب کہ جنگ احمد میں وہ اس پر مکمل طور پر کار بند نہ ہوئے تھے۔

جنگ بدر بحیرت کے دوسرے سال ہی میں واقعہ ہوئی تھی، اس وقت مسلمان انتہائی تنگی کا زمانہ گزار رہے تھے۔ میدان جنگ میں جانے والی فوج کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے کہ تعداد اور فوجی سامان کی قلت ہر مسلمان سپاہی کے لیے تشویش کا باعث بنی ہوئی تھی دوسری طرف کفار کی فوجی آن بان سے بھی وہ از حد متذکر تھے۔ اللہ کے رسول نے اس حالت میں دعا فرمائی کہ ”اے اللہ اگر آج یہ گروہ ہلاک ہو گیا تو رہتی دنیا تک کوئی بھی تیر نام لیوانہ رہے گا۔“ رب العزت نے بھی اپنے رسول ﷺ کی اس دعا کو فوری طور پر قبول فرمایا اور فرشتوں کو اہل ایمان کی مدد کرنے کے لیے روانہ کیا۔

2- فتح بدر کے بعد مسلمانوں میں ایک بڑا اور اہم مسئلہ کھڑا ہو گیا تھا، جو جنگ میں ملے ہوئے مال کی ملکیت اور اس کی تقسیم کے متعلق تھا۔ کیوں کہ جنگ بدر اسلام کی پہلی منظم جنگ تھی اور اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی رہنمائی نہ ملی تھی کہ غنائم کی ملکیت اور تقسیم کا طریقہ کار کیا ہونا چاہیے اور ابھی تک مسلمان بھی عرب قبائل کے پرانے طریقہ کو ہی اپنائے ہوئے تھے۔

اس فتح کے بعد مال غنیمت کے تین دعویدار پیدا ہو گئے تھے، ایک وہ گروہ جو زمانہ جاہلیت کے طریقہ یعنی جس نے جولوٹ لیا وہ اسی کا ہو گیا کے مصدق اپنا حق جتار ہے تھے، دوسرا فریق وہ گروہ تھا جس نے جنگ کے بعد دشمن کا پیچھا کر کے اسے مار بھگایا اور اہل مدینہ کو محفوظ کیا تھا اور تیسرا فریق وہ جو جنگ کے دوران رسول اللہ ﷺ کی حفاظت پر مامور تھا۔ تاریخ میں ذکر ہے کہ مسلمانوں میں یہ تنازعہ نہایت شدت اختیار کر گیا تھا اور کوئی ایک فریق بھی اپنے حق سے دستبردار

ہونے کو تیار نہ تھا اور اس نزاع نے از حد تکنی اختیار کر لی تھی۔ اسی موقع پر اللہ نے سورہ انفال نازل فرمائی جس کو جنگ بدر پر الہی تبصرہ بھی کہا جاسکتا ہے۔

اس سورت کی ابتداء ہی انفال کے نام سے کی گئی ہے نہ کہ غنائم کے لفظ سے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ”تم سے انفال کے متعلق پوچھتے ہیں“ پھر اللہ تعالیٰ نے اوپر بیان شدہ قضیہ، کافیصلہ فرمادیا اور ان کو اللہ اور اس کے رسول کی ملکیت قرار دے دیا۔ انفال جمع ہے نفل کی اور عربی زبان میں نفل اس کو کہتے ہیں جو واجب یا حق سے زائد ہو۔ اسلامی عقیدہ کے مطابق مسلمانوں کی جنگ دنیا کے مادی فوائد بٹورنے کے لیے نہیں ہوتی بلکہ وہ اس کا اجر آخرت میں پائیں گے، مگر اللہ اپنے کرم سے اکثر اوقات مونموں کو دنیا میں بھی انعام و اکرام سے نوازتا ہے جو اجر آخرت کے انعام کے علاوہ ہوتا ہے اور انفال کہلاتا ہے۔ اسی سورہ کی آیت نمبر ۲۱ میں ان اموال کی تقسیم کا طریقہ بھی وضع کر دیا گیا ہے۔ اس مال کی تقسیم کے وقت انہیں غنائم یعنی مال غنیمت کا نام دیا ہے۔

3۔ یہ جنگ کفر و اسلام کے مابین پہلی اور سب سے اہم جنگ تھی اور اللہ نے بھی اپنے دین کی مضبوطی اور ترقی کے لیے اس جنگ کا ہی انتخاب فرمایا تھا۔ جنگ سے پہلے اور جنگ کے دوران خدائی مدد ہر آن مسلمانوں کے شامل حال رہی۔ بارش کا برستا، ان پر اونگھ کا طاری ہونا اور دلوں میں سکون بھر دینا وغیرہ یہ تمام انعام اسی ذات باری کی طرف سے تھے اور یہ جنگ اسلام کی بقاء کے لیے فیصلہ کن بنادی گئی تھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد اپنی تفسیر ترجمان القرآن میں لکھتے ہیں کہ ”واڑ لو میں بارش نہ ہوئی تو یورپ کا سیاسی نقشہ بدل جاتا، لیکن اگر بدر میں نہ ہوئی تو کیا ہوتا؟ تمام کردہ ارض کی ہدایت و سعادت کا نقشہ ہی

لپٹ جاتا۔^۱

¹ ترجمان القرآن: جلد دوم صفحہ 107، ترشیح آیت 11 سورہ الانفال (مولانا ابوالکلام آزاد)

بعض یورپی مورخین اس جنگ میں رونما ہونے والے غیر معمولی واقعات کی وجہ سے اسے غیبی مدد (Divine Intervention) کا نام دیتے ہیں۔ امریکن مورخ ہر برٹ برگ لکھتا ہے کہ اس جنگ کی تاریخ زیادہ تر قرآن، احادیث نبوی اور محمد ﷺ پر لکھی گئی سوانح مریوں پر مبنی ہے جو جنگ کے چند سالوں بعد ہی لکھی گئی تھیں۔^۱

مسلمانوں کو اللہ کے دین کے علم بردار اور حق و سچائی کے وارث کے طور پر نامزد کیا گیا تھا۔ اب یہ ایک ایسی قوم بن گئی تھی جس کو نہ صرف اللہ کے رسول کی سرپرستی میسر تھی بلکہ ان کی ہر لمحہ کی تربیت نے انہیں جلد ہی اس مقام پر پہنچا دیا کہ عرب و جنم کے لوگ اللہ کے دین میں داخل ہونے کو باعث افتخار سمجھنے لگے تھے۔

مدینہ اب مدینۃ الرسول کے نام سے جانا جاتا تھا، ایک بدوقوم نے انتہائی، مہذب، با اخلاق اور کامیاب حکومت کی بنیاد رکھ دی تھی جو حق اور انصاف کی علم برداری تھی۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت سے آج تک تمام مہذب دنیا میں ایک عادل حکمران، عظیم ریفارمر اور اعلیٰ پایہ کے فوجی کمانڈر کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ اللہ کی تائید و نصرت اس مختصر جماعت کے ساتھ ہر وقت رہتی تھی، دوست دشمن سب ہی آپ ﷺ کی عظمت کے معرف ہیں۔

4- اس جنگ میں مسلمان فوج کی تعداد کفار مکہ کے لشکر کے مقابلہ میں بہت ہی کم تھی لیکن جس پامردی سے اللہ کے سپاہیوں نے اپنے سے تین گنا مضبوط دشمن کو چند ہی گھنٹوں میں زیر کیا اس کی نظر نہیں ملتی۔ عرصہ دراز سے یورپیں مورخ اس جنگ کا ذکر کرتے ہوئے حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ ایک مختصر اور بے سروسامان فوج اتنی بڑی طاقت کو کیسے شکست دے سکتی ہے اور پھر خود ہی رسول اکرم ﷺ کی قائدانہ صلاحیت اور اسلامی مجاہدوں کی بہادری کے گن

1- The development of exegesis in early Islam: the authenticity of Muslim By Herbert Berg.

گاتے ہیں۔ اس جنگ میں گو تمام فوج بہادری سے معز کہ آرا رہی تھی لیکن تاریخ دان حضرت علی اور حضرت حمزہ رضوان اللہ عنہما کی بہادری اور شجاعت کا کثرت سے ذکر کرتے ہیں اور جنگ بدر کی کامیابی میں ان کا کردار کلیدی قرار دیتے ہیں۔

جنگ بدر اور اسلام کے بارے ممتاز غیر مسلم شخصیات کی آراء مشہور برطانوی مورخ مارگولیو تھجھ جنگ بدر کے بارے لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ اس عظیم جنگ کی فتح میں حضرت علیؑ اور حضرت حمزہؓ کی بہادری اور شجاعت کا بڑا حصہ تھا اور نبی ﷺ نے بعد از جنگ ان دونوں کی شجاعت کی تعریف فرمائی تھی اور ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا فرمائی تھی۔^۱

ایک امریکی تاریخ دان، ایف۔ ای۔ پیٹر رز لکھتا ہے کہ ”فتح بدر مسلمانوں کے لیے ایک بہت بڑی نفسیاتی کامیابی ہی نہ تھی بلکہ اس جنگ نے مہاجر مسلمانوں کی مالی تنگدستی اور پریشانیوں کو بھی مال غنیمت کی صورت میں کافی حد تک کم کر دیا تھا۔ قریش کا جانی نقصان بہت زیادہ تھا، خاص طور ان کے روساء کی ایک بڑی تعداد ہلاک کر دی گئی تھی جس کی وجہ سے ان کی قیادت ہمیشہ کے لیے مغلوب ہو گئی تھی۔ اس جنگ کے مال غنیمت میں سے ایک ایسی تواریخی ملی تھی جس نے تاریخ اسلام میں بہت شہرت حاصل کی ہے جو الذوق الفقار کے نام سے جانی جاتی ہے۔^۲

اس وقت یہ تکوادر ترکی کے شہر استنبول کے مشہور میوزیم (عجائب گھر) توپ کپی میں دیگر اسلامی تبرکات کے ساتھ محفوظ رکھی ہوئی ہے۔ تمام عالم اسلام میں بدر کا نام فتح کی علامت سمجھا جاتا ہے اور اس نام کے ساتھ روحانی اقدار بھی شامل ہو گئی ہیں۔ اکثر مسلم ممالک اپنی فوجی

1- Mohammed and the rise of Islam 1913 by S.Margoliouth.

2- Allah's' common wealth, 1973 by F.E.Peters

مہماں کو بدر کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔ مصر کی فوج نے 1973ء کی کارروائی میں یہی نام استعمال کیا تھا، اسی طرح پاکستان اور دیگر مسلمان ممالک بھی اپنی فوجی کارروائیوں یا مشقوں کا نام اسی جنگ کی مناسبت سے رکھتے ہیں۔

برطانوی مورخ مارگو لیوٹھ اپنی کتاب میں مزید لکھتا ہے کہ تاریخ اسلام میں کوئی واقع بھی جنگ بدر سے بڑھ کر نہیں ہے اور قرآن نے صحیح طور پر اس کو یوم نجات (Day of deliverance) کہا ہے کہ یہ وہ دن ہے جس سے پہلے مسلمان کمزور تھے مگر اس دن کے بعد وہ طاقتور بھی ہو گئے اور دولت، عزت و شہرت ان کے پاؤں چھوٹے لگ گئیں۔¹

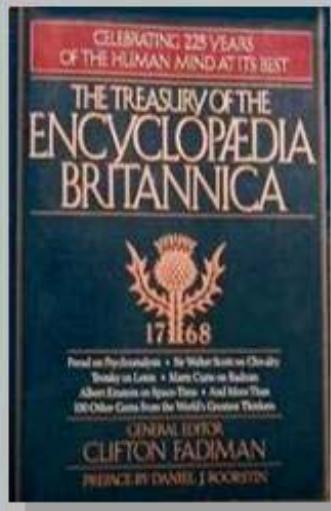
مورخ ”طور اندرے“ لکھتا ہے کہ بدر کی جنگ تاریخ اسلام ہی کی نہیں بلکہ دنیا کی تمام تاریخی جنگوں میں اہم ترین ہے۔ بدر کی فتح نے مسلمانوں کو ان کی بقاء کی گارٹی ہی نہیں دی تھی بلکہ مدینہ کے مسلمانوں کو زندہ رہنے کی ضمانت بھی مل گئی تھی جو بعد میں ایک بہترین قوم ثابت ہوئی۔² یہ جنگ اسلام کی مستقبل میں ترقی اور عروج کے لیے ایک مضبوط زینہ ثابت ہوئی۔ یورپی مورخ اور دانشور اے نکلسن کے مطابق یہ جنگ مسلمانوں کے لیے ایک بہت لمبی دوڑ (Marathon) کی حیثیت رکھتی ہے۔³ یعنی اس جنگ سے اسلامی عروج تک کا فاصلہ طے کرنا مسلمانوں کی مستقل جدوجہد اور کاوش کو ظاہر کرتا ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کی تربیت اور تعلیم سے اللہ کے کھلاڑی اس لمبی دوڑ کے اختتامی فیتہ کو کامیابی سے عبور کر گئے تھے۔

1- Mohammed and the rise of Islam 1913 by S.Margoliouth.

2- Mohammed the man and his Faith, 1960 by Toor Andre.

3- A Literary History of the Arabs, 1969 by A.Nicholson

ENCYCLOPAEDIA BRITANNICA



".... A mass of detail in the early sources show that he was an honest and upright man who had gained the respect and loyalty of others who were like-wise honest and upright men." (Vol. 12)

MUHAMMAD is the most successful of all Prophets and religious personalities."

انسانکو پیدیا بر طانیہ کا رسول اللہ ﷺ کی ذات پر تاثر

رسول اللہ ﷺ اور اسلام کی اعلیٰ اقدار کے متعلق عالمی شخصیات کی رائے:

George Bernard Shaw

(1856-1950)

ڈرامنوالیں، نقاد اور دانشمند۔ (آئرلینڈ)

”میں نے ان تحقیقیں کی، وہ ایک بہترین انسان ہیں اور میری دانست میں عیسائیت کی مخالفت سے بہت دور ہیں، انہیں انسانیت کا نجات دہنہ کہنا چاہیے۔ اگر کسی بھی مذہب کو انگلستان بلکہ نہیں، یورپ پر حکمرانی کا موقع مل سکتا ہے، تو وہ اسلام ہی ہے۔“

(The Genuine Islam. vol.1, No.8 1936)

1- جارج برناڈ شا

Bosworth Smith, Reginald.

(1839-1908)

مصنف اور دانشور۔ (انگلستان)

”وہ اپنی ذات میں سیزرا اور پوپ تھے، مگر پوپ کسی دعویٰ کے بغیر اور سیزرا کسی بھی شان و شوکت کے بغیر۔ ان کے پاس نہ فوج تھی، نہ محافظہ محلات اور نہ ہی ذرائع معاشر۔ اگر کسی شخص کو یہ دعویٰ کرنے کا حق دیا جائے کہ وہ کہے کہ اس کی فرازروائی مخفی رہانی مدد کی مرہون ملت ہے تو وہ صرف محمد ﷺ ہو سکتے ہیں، جن کو مکمل طاقت بغیر دنیاوی اسہاب کے میسر ہوئی۔“ انہوں نے چودہ سو سال میں جس کام کی تکمیل کی ہے، اس کا انہصار دنیا کی صرف پندرہ ممتاز ہستیوں کے اقتباسات کو چند تختیوں پر لکھ کر پیش کرنے سے مکمل نہیں ہوتا۔ خدا نے 6000+ آیات کے ذریعہ جو پیغام ان کو دیا تھا یہ کام ان کا چھوٹا ہے۔

2- بوس ورثھ سمتھ ریجنلڈ

Michael H.Hart

. (1932)

3- مائیکل ایچ ہارت

مصنف و ماہر اجرام فلکی (امریکہ)

”محمد ﷺ کے متعلق دنیا کے سب سے بااثر شخص ہونے کا میرا انتخاب شاید کچھ تاری صاحبان کو جیران کر دے اور چند دوسرے بھی یہ سوال اٹھا سکتے ہیں۔ لیکن وہ تارین میں واحد شخصیت ہیں جو دنیاوی سطح پر کامیاب ترین انسان تھے۔“

(A Ranking of The most influential persons in history, Newyork 1978, p.33)

4- نپولین بونا پارٹ

Napoleon Bonaparte

(1769-1821)

(فرانسی فوجی و سیاسی لیڈر شہنشاہ فرانس)

”میری دانست میں وہ وقت دو نہیں، جب میں دنیا کے اپنی زیریں اور تعلیم یافتہ لوگوں کو اکٹھا کروں گا اور قرآن کے اصولوں پر بنی ایسا عادل نہ نظام ترتیب دوں گا جو انسانیت کی خوشیوں کے لیے لیکتا ہو گا۔“

(Quoted In Christian Cher Fils Bonaparte ET Islam Paris 1914)

5-لامارٹین

Lamrtine.

(1790-1869)

(ایک مشہور فرانسیسی تاریخ دان)

”اگر اعلیٰ مقصد، وسائل کا فندان اور حیران کن تنازع ہی اعلیٰ داماغی کا معیار ہوں، تو کس کی مجال ہے کہ موجودہ تاریخ میں محمد (ﷺ) کے ساتھ کسی اور بڑے شخص کا مقابلہ کر سکے.....“

(Speaking on The Essentials of human greatness wonders:)

6- پروفیسر، کرسطیان سنوک ہرگز رنجی Christaian Snouck Hurgronje.

(1857-1936)

ایک ولندیزی دانشمند۔ ماہر مشرقی تہذیب (Oriental Culhres)۔ (ہالینڈ)

”حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی کسی بھی قوم نے اسلام کی ان کوششوں کے برائے کبھی کچھ نہیں کیا جیسا اسلام نے اقوام عالم کو تمدیر کئے کے تصور کی پذیرائی کی.....“

7- ایڈورڈ گلبن

(Edward Gibbon)

(1737-1794)

برطانوی تاریخ دان، مصنف اور ممبر پارلیمنٹ (انگلستان)

”بنی (ﷺ) کی عزت اور وقار نے کبھی بھی انسانیت کی تحریم و تعظیم کا تجاوز نہیں کیا ہے، ان کا ہر فرمان شکرگزاری کے عمل کو عقلی اور دنیٰ اقدار کے اندر رہنے کی ہدایت کرتا ہے.....“

(History of The Saracenempires, London, 1870, P.54)

8- تھامس کارلائیل

(Thomas Carlyle)

(1795-1881)

فلسفہ، مظہرگار، مورخ اور استاد (سکاٹ لینڈ)

”اس شخص (ﷺ) کے خلاف مغرب کے ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت بہتان بازی کا ایک انبار کھڑا کیا گیا، جو ہمارے لیے باعث شرم ہے۔ ایک اکیلے شخص نے کس طرح ہائی لڑائیوں میں ملوث مقابل اور خانہ بدؤں کو صرف دعشوں ہی میں ایک عظیم اور مہذب قوم میں تبدیل کر دیا تھا..... ایک سخیہ اور عظیم ہستی، جو اپنے مقصد کا شیدائی تھا۔ اُبیں دنیا کو روشن کرنا تھا اور خالق دنیا نے یہ طے کر رکھا تھا.....“

(In His Book: Heroes And Heroworship)

9- سروجمنی نائید و

(Sarojini Naidu)

(1879-1949)

شاعرہ، مضمون نگار اور دانشور (ہندوستان)

”یہ دنیا کا پہلا مذہب ہے جس نے نہ صرف جمہوریت کی تلقین کی، بلکہ اس پر عمل بھی کیا۔ جب آزاد کی آواز بلند ہوتی ہے اور نمازی آپس میں اکٹھے ہوتے ہیں تو اسلامی جمہوریت روزانہ پانچ بار عمل میں آتی ہے، جب ایک کسان اور شہنشاہ اکٹھے دوز انو ہو کر یہ اعلان کرتے ہیں۔“ اللہ سب سے بڑا ہے.....“

(Ideals of Islam, Vide Speeches & Writings, Madras, 1918)

10- اینی بیسنٹ

(Annie Besant)

(1847-1933)

مصنفہ، مقرر، صوفیہ نہ خیال کی مالک اور سو شلسٹ۔ (انگلستان)

”کوئی بھی شخص، جو عرب کے اس عظیم پیغمبر کی سوانح حیات اور کردار کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ اس جلیل القدر خالق کے فرستادہ کے احترام میں کھو جاتا ہے، گوئیں آپ کے سامنے بہت ہی با میں رکھوں گی۔ جو غالباً بہت سوں کو معلوم بھی ہوں گے، تاہم جب بھی میں خود ان کو بار بار پڑھتی ہوں تو عرب کے اس انتہائی محترم معلم کی تعظیم و تکریم کے کئی درکھل جاتے ہیں.....“

(The Life and Teaching of Muhamad)

11- شینلے لین پول

(Stanley Lane-Poole)

(1854-1931)

ماہر آثار قدیمہ، مشرقی تہذیب کا دلدادہ۔ (انگلستان)

”جنہوں نے انہیں دیکھا، وہ دیکھتے ہی ان کی تعظیم و تکریم میں ڈوب گئے، وہ جوان کے قریب آئے، ان سے محبت کرنے لگے۔ جنہوں نے ان کا ذکر کیا تو کہا، میں نے ان جیسا نہ پہلے دیکھا تھا اب۔ وہ بہت کم گوئتے، لیکن جب بولتے تو انتہائی موثر انداز اور استدلال کے ساتھ اور کوئی بھی ان کی گفتگو کو فراموش نہ کر سکتا تھا.....“

(In Speeches and Table Talk of the Prophet Muhamad)

12- واشنگٹن ارونگ

(Washington Irving)

(1783-1859)

افسانہ نویس، مضمون نگار، تاریخ دان اور سفارت کار۔ (امریکن)

”انہوں نے اپنے انتہائی عروج کے دوران بھی وہی سادہ بود و باش رکھی جو انہوں نے اپنے مشکل ترین دنوں میں اختیار کر رکھی۔ شہانہ طرز بیان یا کوئی غیر معمولی تو قیر مانا انہیں ناپسند تھا.....“

13- پروفیسر جویس میسرمن

(Prof Jules Masserman)

(1905-1994)

”داماغی و نفسیاتی امراض کا معانع۔ سابق صدر امریکہ تنظیم برائے نفسیاتی امراض۔ (امریکہ)
”پاچھرا اور ساک پیشوائی اور رہنمائی کے پہلے درجہ پر آتے ہیں۔ گاندھی اور کنفوشس ایک طرف اور سکندر، سیزر اور ہٹلر دوسرا طرف، یہ سب دوسرے یا شاید تیسرے درجہ پر آتے ہوں گے۔ عیلی اور بدھا صرف تیسرے درجہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر تم زمانوں کے سب سے بڑے پیشواء اور رہنماء، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی ہوں گے، جو ان تینوں درجات کو اکٹھا کرنے کے بعد ہی آتے ہیں۔ موسیٰ بھی اس درجہ میں کچھ کمی کے بعد ہی آئیں گے۔

14- مہاتما گاندھی

(1869-1948)

(موہن داس کرم چند گاندھی)

”موجودہ ہندوستان (بھارت) کے باñی، سیاست دان اور باñی تحریک عدم تندد
”مجھے اس شخص کی تلاش تھی، جس نے موجودہ دور میں بھی کسی اختلاف کے بغیر کروڑوں بھی نوع انسان کا دل موہ لیا ہو..... میں کامل طور پر مطمئن ہوں کہ اسلام کی کامیابی میں تلوار کا خل نہ تھا، بلکہ یہ تیغہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی انتہائی سادگی، ارادہ کی چیزیں، وعدوں کی پاسداری، بے خوفی و بے باکی، ان کا اللہ پر غیر متزلزلاً ایمان اور اپنے مشن پر یقین تھے.....“
(نوعمر ہندوستان - Young India)

15- انسائیکلو پیڈیا برطانیہ

(Encyclopaedia Britannica)

(برطانیہ) (225 سالہ قدیم)

انسانیکلو پیڈیا: (ایک کتاب (مجموعہ) جو علم و دانش کے تمام شعبوں کی تفصیل بیان کرتی ہے)
”ابتدائی ذرائع سے کثیر تعداد میں ملنے والی تفصیلات بتاتی ہیں، کہ وہ ایک دیانت دار اور راست باز شخص تھے، ان کی عزت اور وفاداری کرنے والے بھی وہ تھے جو ان ہی کی طرح دیانت دار اور راست باز تھے۔ (جلد 12)
”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام انبیاء اور دینی شخصیات میں کامیاب ترین انسان تھے۔“

16- کنور مہندر سنگھ بیدری

(Kunwar Mohinder Singh Bedi)

(1998-1909)

اردو شاعر و دانشور (بھارت)

نام لیوا ہیں محمد کے پرستار تو ہیں یعنی مجبور پڑے احمد مختار تو ہیں
عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں صرف مسلم کا محمد پڑے اجارہ تو نہیں
1992ء میں دینی (UAE) مشاعرہ میں پڑھی نعمت / منقبت سے دو شاعر

۱۔ رسول اللہ ﷺ رحمت العالمین ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا جنگی سامان

رسول اکرم ﷺ کا جنگی سامان

اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے بعد کفار مکہ اور ان کے حواری قبائل بشمول یہود کی اسلام دشمن سرگرمیوں میں شدت آجائے کی وجہ سے مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت کی خاطر مدینہ اور اس کے ارد گر درہنے والے یہودیوں اور دیگر قبائل کے ساتھ صلح کے معابرے کئے۔ مگر مشرکین مکہ کے ایماء پر یہود اور دوسرے قبائل در پرده خطرناک اسلام دشمن سرگرمیوں میں ملوث رہتے تھے، ان میں منافق دین عبد اللہ بن أبي پیش پیش تھا۔ اللہ نے ہجرت سے پہلے مسلمانوں کو جنگ کرنے کی اجازت نہ دی تھی اور مسلمان کفار مکہ کے ظلم و ستم برداشت کرنے پر مجبور تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس دور میں کسی جنگی سرگرمی میں حصہ نہ لیا تھا۔

علامہ ابن کثیر بیان کرتے ہیں کہ ”جب تک حضور ﷺ مکہ میں رہے، مسلمان بہت ہی کمزور تھے، تعداد میں بھی، چنانچہ جب لیلۃ العقبہ میں انصاریوں نے رسول الکریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تو انہوں نے کہا کہ اگر حضور ﷺ حکم دیں تو اس وقت منی میں جتنے مشرکین جمع ہیں ان پر شب خون ماریں۔ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ابھی اس کا حکم نہیں دیا گیا۔¹ کمی زندگی میں رسول اللہ ﷺ نے کوئی خاص جنگی سامان اپنے پاس نہ رکھا تھا مساواۓ چند ہتھیاروں کے جو عرب قبائل کی بود و باش کا حصہ تھے، اسی لیے تاریخ میں بیان ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے ہجرت فرمائی تو صرف ایک خاندانی تلوار جو ان کے والد ماجد کی وصیت کے

1۔ تفسیر ابن کثیر، جلد سوم صفحہ 22-521، تفسیر آیات 40,39 سورہ حج۔

مطابق انہیں ملی تھی آپ ﷺ کے پاس تھی۔

تاہم اوائل ہجرت میں ہی، مسلمانوں کی دگرگوں حالت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دشمنوں سے جنگ کی اجازت دے دی۔ یہ اجازت پہلی بار سورہ حج آیات 39 اور 40 میں دی گئی تھی، اس اجازت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی حفاظت اور اسلام کی سربندی کے لیے عسکری منصوبہ بندی کرنی شروع کر دی۔ مسلمانوں کو ترغیب دی گئی کہ وہ جنگی ساز و سامان اپنی حفاظت کی خاطرا پنے پاس رکھا کریں۔

نوٹ: جنگ بدر کے فوری بعد سورہ انفال وارد ہوئی جس کو اس جنگ پر رباني تبصرہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس کی آیت نمبر 60 میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے دیکھے اور ان دیکھے دشمنوں سے چوکنا رہنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ عسکری طور پر حسب توفیق ہتھیار بذرہا کریں اور فوری طور پر کسی بھی ناگہانی جنگ یا افتاد کا مقابلہ کرنے کے قابل بینیں۔ اسی آیت میں حکم ہوا ہے کہ مومن گھوڑے بھی پالا کریں، اس طرح ان کا اپنے دشمنوں پر رعب و دبدبہ قائم رہے گا۔ اس دور میں جنگ کے لیے گھوڑوں کی بہت اہمیت ہوتی تھی اور مسلمانوں میں اس امر کی اللہ نے تلقین فرمائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود حضور ﷺ کے پاس ایک فوجی کمانڈر کے طور پر ضرورت وقت کے مطابق کافی حرbi سامان ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کے کچھ حرbi سامان کی تفصیل یوں ہے:

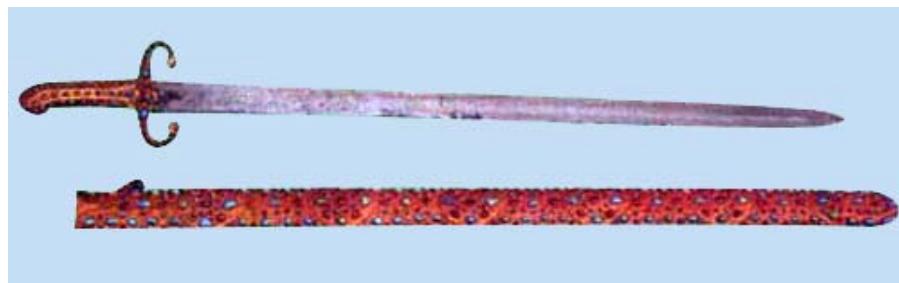
رسول اللہ ﷺ کے عسکری ہتھیار و دیگر حرbi سامان

1- عسکری ہتھیار

1- تلواریں۔ آپ ﷺ کے پاس نوتلواریں تھیں، جن کی تفصیل یوں ہے۔

(Al Mثار)

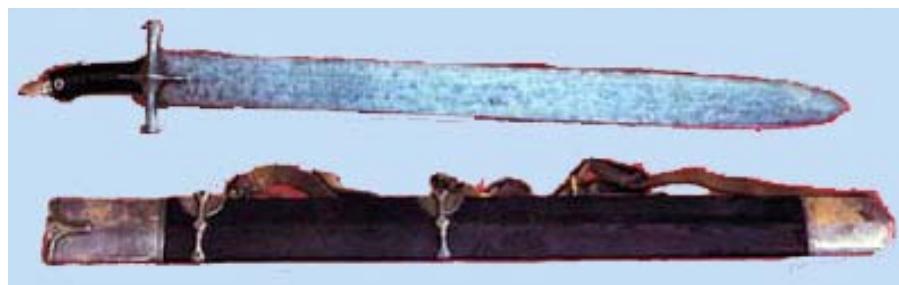
الماثور تلوار کو ماثور الغیر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ تلوار نبی ﷺ کو وراثت میں آپ ﷺ کے والد



ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی وصیت کے مطابق نبوت سے پہلے ملی تھی اور آپ کی حیات طیبہ میں ہمیشہ آپ ﷺ کے پاس رہی۔ ہجرت مکہ کے وقت بھی یہی تلوار حضور ﷺ کے ساتھ تھی۔ رسول اکرم ﷺ کے آخری ایام زندگی میں یہ تلوار کچھ اور جنگی ہتھیاروں کے ساتھ حضرت علیؓ کو دے دی گئی تھی۔

اس تلوار کی لمبائی 99 سینٹی میٹر بتائی گئی ہے۔ اس کا دستہ سونے کا بنا ہوا ہے جو دوساروں پوں کی شکل میں ہے۔ اس تلوار کی تزئین کندن اور فیروزہ کے پتھروں سے کی گئی ہے۔ تلوار پر کندہ رسول اللہ کا لفظ بہت مضم پڑھا چکا ہے اور مشکل سے پڑھا جا سکتا ہے۔ اس کے دستہ کے پاس کوفی رسم الخط میں عبداللہ بن عبدالمطلب کندہ ہے۔ تلوار کی نیام پر ایک طرف سونے کا کام کیا گیا ہے، اور دوسری طرف پھولوں کی مینا کاری کی گئی ہے۔ نیام کی کل لمبائی 85 سینٹی میٹر ہے۔

- البتار (Al-Battar) 2



یہ تلوار رسول اللہ ﷺ کو بنو قیقائع کے مال غنیمت میں سے ملی تھی۔ اس مال غنیمت سے

حضور ﷺ کو تین کمانیں، دوزر ہیں، تین تلواریں اور تین نیزے ملے تھے۔

یہ شمشیر پیغمبروں کی تلوار کہلاتی ہے اور اس پر عربی زبان میں چند انبیاء کرام کے نام کہنندہ ہیں جو داؤد، سلیمان، موسیٰ، ہارون(Aaron)، ذکریا، یحیٰ، عیسیٰ اور محمد علیہما السلام) کے ہیں۔

اس تلوار پر حضرت داؤد علیہ السلام کا ایک خاکہ بھی کندہ ہے جب انہوں نے جالوت جس کی یہ اصل تلوار تھی کا سر کاٹا تھا۔ اس تلوار پر ایک اور تحریر بھی لکھی ہوئی ہے جو انباطی



۱) (Nabataean) رسم الخط میں تحریر ہے۔

در اصل یہ تلوار جالوت (Goliath) کی تھی جو حضرت طالوت سے جنگ آزمائی کے لیے اپنی فوج کی کمان کر رہا تھا۔ دوسری طرف طالوت کی فوج اسلامی تھی اور اللہ کی سر بلندی کے لیے یہ جنگ لڑ رہی تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اس وقت تک بنی امور نہیں ہوئے تھے اور ایک عام سپاہی کے طور پر طالوت کے ماتحت اس جنگ میں شامل ہوئے۔ طالوت کا اصل نام

(1) انباطی (Nabataean) قدیم رسم الخط جواری، عبرانی اور عربی کے حروف کا مرکب ہے۔

بائیبل میں ساول لکھا ہے یہ قبیلہ بن یمیں کا ایک تیس سالہ نوجوان تھا۔ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں اس سے خوبصورت کوئی شخص نہ تھا اور ایسا قد آور کہ لوگ اس کے کندھے تک آتے تھے۔ (بائیبل۔ سموئیل، باب 9: 10، 10) داؤد علیہ السلام اس وقت ایک کم سن نوجوان تھے، اتفاق سے طالوت کے لشکر میں عین اس وقت پہنچے، جب کہ فلسطینیوں کی فوج کا گراں ڈیل پہلوان جالوت (جو لیت) بنی اسرائیل کی فوج کو دعوت مبارزت دے رہا تھا اور اسرائیلیوں میں سے کسی کو ہمت نہ پڑتی تھی کہ اس کے مقابلہ میں نکلے۔ حضرت داؤد یہ رنگ دیکھ کر بلا جھگک اس کے مقابلہ میں میدان میں کوڈ پڑے اور اسے قتل کر دیا۔ اس واقعہ نے انہیں تمام اسرائیلیوں کی آنکھ کا تارا بنا دیا۔ طالوت نے اپنی بیٹی ان سے بیاہ دی اور آخر کار وہی اسرائیلیوں کے بنی اور فرمائزدا بنے۔¹

بعض روایات کے مطابق جالوت حضرت داؤد علیہ السلام کی غلیل سے چھینکے گئے ایک پتھر سے ہلاک ہوا تھا۔ تاہم یہ روایت ضعیف ہے۔

(Dhu al-Faqar: 3- ذوالفقار)



یہ توار رسول اللہ ﷺ کو جنگ بدر میں مال غنیمت کے طور پر ملی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ رسول الکریم ﷺ نے یہ توار حضرت علیؓ بن ابی طالب کو دے دی تھی اور حضرت علیؓ نے اس توار کے

¹ تفسیر القرآن۔ جلد اول، صفحہ 191، تفسیر آیات 247 تا 251 سورہ بقرہ



الذوالفقار تلوار کی خیالی تصویر۔ تحقیق سے اس شکل کی کوئی تکویر ثابت نہیں ہوئی ساتھ جنگِ اُحد میں خوب دادشجاعت دی، اکثر ذرا رُع سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تلوار حضرت علیؑ اور ان کے خاندان کے پاس رہی تھی اور اس تلوار کے دو منہ تھے۔ غالباً اس سے مراد تلوار پر کندہ وہ دو لکریں ہیں جو اس کے درمیان سے گزرتی ہیں۔ بعض لوگوں نے ذوالفقار تلوار کے نعلے حصہ کو دو منہ والی تلوار کے طور پر دیکھایا ہے اور اس کی تصاویر بھی اکثر چھاپی جاتی ہیں لیکن تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ اصل ذوالفقار تلوار ایک ہی منہ والی تھی۔ اس وقت یہ تلوار استنبول (ترکی) کے عجائب گھر توب پ کی میں محفوظ ہے اور یہ ایک منہ والی تلوار ہی ہے اسلامی دنیا میں یہ تلوار برکت اور بہادری کی علامت سمجھی جاتی ہے۔

4- حف (Haf)



حف تلوار بھی رسول اللہ نے بنو قبیقاع کے مال غنیمت سے حاصل کی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے البتار تلوار جالوت کو شکست دینے کے بعد مال غنیمت کے طور پر

حاصل کی تھی۔ اس وقت وہ 20 سال سے کم عمر رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو لو ہے اور فولاد کے استعمال کا علم عطا فرمایا تھا جس وجہ سے وہ اسلحہ اور جنگی سامان بنانے کے ماهر تھے۔ جالوت کو شکست دینے کے بعد العبار تلوار آپ کو اس کے مال غنیمت کے طور پر ملی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے حق تلوار خود بنائی جو العبار تلوار کے مشابہ ہے، مگر لمبائی میں گیارہ سینٹی میٹر زیادہ ہے۔ انہوں نے خود اس تلوار کا استعمال کیا اور پھر یہ یہود کے کسی قبیلہ کو منتقل ہو گئی اور اسرائیلیوں کے پاس رہی تا وقٹیکہ یہ تلوار محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں میں پہنچ گئی۔

اس وقت یہ تلوار استنبول (ترکی) کے عجائب گھر توپ کی عیں محفوظ رکھی ہوئی ہے۔ اس تلوار کی لمبائی 112 سینٹی میٹر اور چوڑائی 8 سینٹی میٹر ہے۔

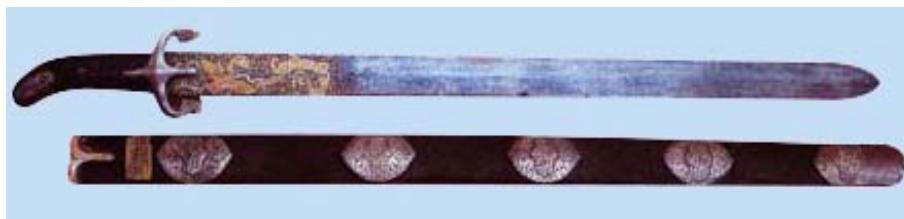
5۔ المخدوم (AL-Mikhdham)



بتایا گیا ہے کہ یہ تلوار حضرت علیؓ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو پیش کی گئی تھی۔ جنہوں نے اسے شام میں ایک جھڑپ کے بعد حاصل کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ سے پھر یہ تلوار حضرت علیؓ اور ان کے صاحبزادوں کے پاس واپس آگئی تھی۔

اس کی لمبائی 97 سینٹی میٹر ہے اور اس پر زین الدین العابدین کا نام کندہ ہے۔ اس وقت یہ تلوار استنبول (ترکی) کے عجائب گھر توپ کی عیں محفوظ ہے۔

6- الرسوب (Al Rasub)



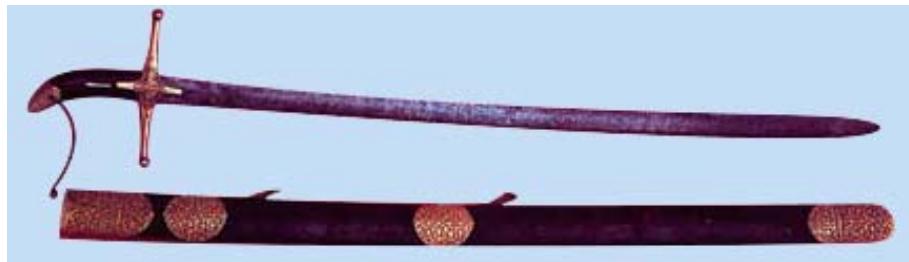
رسول اللہ ﷺ کی نو تواروں میں سے یہ تلوار الرسوب آنحضرت ﷺ کے خاندان میں دوسرے ہتھیاروں کے ساتھ محفوظ رکھی گئی تھی جس طرح اسرائیلی خاندانوں میں ان کا مقدس صندوق رکھا جاتا تھا۔ یہ تلوار 140 سینٹی میٹر لمبی ہے۔ اس تلوار پر سونے کے گول دائرے بنے ہوئے ہیں جن پر جعفر الصادق کا نام کندہ ہے۔ اس وقت یہ تلوار استنبول (ترکی) کے مشہور عجائب گھر قوپ کی میں محفوظ ہے۔

7- العصب (AL-Adb)



اس تلوار کے نام کا مطلب کاثنا یا تیز دھار ہے۔ یہ تلوار نبی ﷺ کو ان کے ایک صحابی نے جنگ بدر سے پہلے پیش کی تھی اور آپ ﷺ نے اس کا استعمال جنگ احمد میں کیا تھا۔ آپ ﷺ کے صحابہ کرام نے بھی اس کا استعمال اپنی اطاعت گزاری کے طور پر کیا تھا۔ یہ تلوار اس وقت مصر کی مشہور حسین مسجد میں محفوظ رکھی ہوئی ہے۔

8- القضیب (AL-Qadib)



القضیب ایک باریک پھل (بلید) والی تلوار ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ ایک لوہے کی چھڑی کی مانند ہے۔ یہ تلوار دفاع یا سفری رفاقت کے طور پر استعمال کی جاتی تھی مگر جنگوں میں اس کا استعمال نہیں کیا گیا۔ اس تلوار کے ایک طرف کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے اور ساتھ ہی محمد بن عبد اللہ بن عبدالمطلب بھی لکھا ہوا ہے۔

تاریخ میں کہیں نہیں ملتا کہ اس تلوار کا استعمال کسی بھی جنگ میں کیا گیا ہو۔ یہ تلوار رسول اکرم ﷺ کے گھر میں ہی رہی اور بعد میں فاطمی خلفاء نے اس کا استعمال کیا۔

اس کی لمبائی 100 سینٹی میٹر ہے اور اس کی میان جانور کی رنگ شدہ کھال سے بنی ہوئی ہے۔ اس وقت یہ تلوار بھی استنبول (ترکی) کے عجائب گھر توپ پاری میں محفوظ ہے۔

9- قلعی (Qali)



یہ تلوار قلعی یا قلعی کے نام سے جانی جاتی ہے۔ غالباً یہ نام ملک شام کی ایک جگہ یا

بھارت میں چین کے قریب ایک مقام کے نام سے ماخوذ کیا گیا ہے، بعض محقق اس لفظ کو سفید سیسے یا ٹین سے مراد لیتے ہیں جو ایک معدنی پیداوار ہے اور مختلف علاقوں میں ملتی ہے۔ پرانے پیتل اور لوہے کے سامان کو چمکدار بنانے کے لیے اس دھات کا استعمال کیا جاتا ہے جسے قلعی کرنا کہتے ہیں۔

یہ تلوار بھی اُن تین تلواروں میں سے ایک ہے جو رسول اللہ ﷺ کو بنو قندیقیاں کے مال غنیمت سے ملی تھیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے دادا نے جب مکہ میں زم زم چشمہ کی کھدائی کروائی تھی تو ہاں سے بھی قلعی تلواریں برآمد ہوئی تھیں۔

اس تلوار کی لمبائی 100 سینٹی میٹر ہے۔ اس تلوار کے دستہ پر کندہ ہے کہ ”یہ مقدس تلوار بیعت رسول سے وابستہ ہے۔“

یہ تلوار بھی اس وقت ترکی کے شہر استنبول کے عجائب گھر میں محفوظ رکھی ہوئی ہے۔

تیرکمان: (Bows)

مختلف ذرائع سے چھان بین کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے ذاتی تیرکمان جو مختلف اوقات میں چھ بتائے جاتے رہے ہیں، میں سے صرف ایک کمان ہی موجودہ دور میں آپ ﷺ کی طرف وثوق کے ساتھ منسوب کی جاسکتی ہے اس کا نام الکتوم (Al Katum)

ہے۔ یہ تیرکمان موجودہ دور میں کچھ دوسرے اسلامی تمکات کے ساتھ ترکی کے مشہور عجائب گھر توب پ کی میں محفوظ ہے۔

یہ کمان بانس اور کھجور کی لکڑی کو ملا کر بنائی گئی تھی۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس تیرکمان کی



الکوم تیر کمان

بنادو 615 عیسوی میں کی گئی۔ بعض ذرائع کا کہنا ہے کہ یہ کمان جنگ اُحد میں ٹوٹ گئی تھی اور حضرت ابو قاتدہ حارثؓ اُن ریسی انصاری کو ملی، جنہوں نے خلافت راشدہ کے دور میں اسے حکومت کے مال خانہ میں جمع کروادیا تھا۔ یہ کمان عثمانیہ دور میں سلطان شاہ احمد کے عہد (1603 تا 1617ء) میں ترک حکومت کے تصرف میں آگئی تھی۔ اب موجودہ شکل میں اس پر کچھ تعریفی شعر بھی کندہ کئے گئے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کے باقی ماندہ تیر کمان جو وقتاً فوتاً حضور ﷺ کے پاس رہے، ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

- 1 راوجا (Rawaja)
- 2 سفراء (Asafra) یہ پیلے رنگ کو نمایاں کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بونقیقائے کے مال غنیمت میں سے ملا تھا۔
- 3 بیضاء (Al-Bayda) یہ سفید رنگت میں تھا اور صنوبر کے درخت کی لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ کہا جاتا

ہے کہ یہ کمان بھی بتوفیریغہ کی غنیمت میں سے ملا تھا۔

-4 ساداد (Al Saddad) ساداد کا مطلب سیدھا ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یوں ہے کہ جب بھی

اس کمان میں سے تیر پھینکا گیا وہ اپنے نشانہ سے بکھی نہ چونکا تھا۔

-5 زوارہ (Az-Zawara) یہ کمان خم دار تھی، اور اس کے چلنے پر کوئی آواز نہیں آتی تھی۔

نیزے (Spears) -3

آپ ﷺ کے پاس پانچ عدد نیزے تھے۔ جن کے نام درج ذیل ہیں:

(1) المحتہوی (Al muthwi)

(2) المعنثہ (Al muntaha)

(3) انجحا (Al annabah)

(4) الیضااء (Al Bayda) (یہ بڑے سائز کا تھا)۔

(5) ناظح (Al nazah)

(روایت ہے کہ یہ نیزہ آپ ﷺ عیدین کے خطبہ ادا کرتے وقت تھامے رکھتے تھے اور پھر

نمایز پڑھاتے وقت سترہ کے طور پر اپنے سامنے بطور امام گاڑ لیا کرتے تھے۔ یہ بھی مردی ہے کہ

حضور ﷺ بعض اوقات اس نیزہ کو تھام کر چلا بھی کرتے تھے۔

زره بکتر (Armor)

رسول اللہ ﷺ کے پاس سات عدد زرہ تھیں، جن کے نام یوں ہیں:

(1) ذوالفضل - اس زرہ کو حضور ﷺ نے بعد میں ایک یہودی ابو عاص شام کو اپنے خاندان کے لیے تیس صاع^۱ جو، ادھار لینے کے عوض فروخت کر دیا تھا۔ ذوالفضل لو ہے کی بنی ہوئی تھی۔

رسول اکرم ﷺ کے پاس باقی ماندہ زرہ کے نام یوں ہیں:

(Dhal al wishah) ذوالوشہ (1)

(Dhal Al-Hawashi) ذوالھواشی (2)

(As-sadiyyah) اسعدیہ (3)

(Fiddah) فدھا (4)

(Al-Batra) البترہ (5)

(Al Khirniq) الخرنيق (6)

ترکش (Quiver)

رسول اللہ ﷺ کے ذاتی ترکش کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضور ﷺ کے پاس صرف ایک ہی ترکش تھا جس کا نام الکافور تھا (Al-Kafur) تھا۔ اس کے ساتھ ایک رنگ شدہ چڑیے کا پٹہ، تین

۱۔ صاع، پرانا قول کا پیمانہ۔ ایک صاع 3.18 کلوگرام کے برابر تھا۔

چاندی کے گول کنڈے، ایک بکلس اور ایک چاندی کا بنا ہوا کنارہ لگا ہوا تھا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابن تمیمہ نے بیان کیا ہے کہ ایسی کوئی معتبر تحریر نہیں ملتی جس سے ثابت ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنی کمر کے گرد کوئی پٹہ باندھا ہو۔

ڈھال (Shields)

کہا جاتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے پاس کئی ایک ڈھال تھیں ان میں دو ڈھال مشہور ہوئیں جن کے نام ارزوق (Al-Zaluq) اور الفوطق (Al-Futaq) تھے۔ حضور ﷺ کو الفوطق تھمہ میں ملی تھی اور اس کے اوپر ایک مورت بنی ہوئی تھی جس پر آپ ﷺ ہاتھ رکھ لیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مورت کو آہستہ آہستہ معدوم یا مدمم کر دیا تھا۔

خُود (Helmet)

مورخین نے رسول اللہ ﷺ کے دو خُود کا ہی ذکر کیا ہے۔ ایک کا نام المواشہ (Al-Muwashah) تھا جو لوہے کا بنا ہوا تھا جس پر تابے سے آرائش کی گئی تھی۔ دوسرے خود کا نام ذوالسیون (As-Sabugh) تھا۔

لباس و دیگر حری سامان

بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس تین بھے (لبی عربی قمیضیں) تھے، جن کو انہوں

نے دوران جنگ ہی پہنا تھا۔ ان میں سے ایک سبز رنگ کا ریشمی کھواب / زربفت کا بنا ہوا تھا۔ مشہور عام تھا کہ حضرت عروہ بن الزبیر کے پاس ایک لباس تھا جو ریشمی کھواب کے سبز کپڑے کا بنا ہوا تھا اور اس پر کڑھائی کی گئی تھی، وہ اسے جنگ کے دوران ہی پہنا کرتے تھے۔ امام احمد سے منقول ہے کہ جنگ کے دوران ریشم پہننے کی اجازت ہے۔^۱

۱۔ امام احمد بن حنبل سے منسوب یہ روایت ضعیف ہے۔

(نوٹ: رسول اللہ ﷺ کی تلواروں اور دوسరے حربی سامان پر ہمیں سونے چاندی کا ملمع اور ہیرے موتیوں کی آرائش موجودہ دور میں ملتی ہیں یہ غالباً عثمانی دور حکومت میں کی گئی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے وقت یا غافلہ راشدین کے دور میں یہ ہتھیار اپنی اصل سادہ حالت میں موجود تھے۔ حضرت ابوالامّہؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ یہ سب فتوحات ان لوگوں نے حاصل کی ہیں جن کی تلواروں پر سونے چاندی کا ملمع نہ تھا بلکہ ان کی تلواروں پر چڑھے، رانگ اور لو ہے کا معمولی کام ہوتا تھا۔ (مختصر صحیح بخاری صفحہ 1256)

نوٹ: رسول اللہ ﷺ کے دور یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہما کے وقت میں مردوں کا ریشم کے استعمال کرنے پر کوئی معتبر بیان نہیں ملتا جب کہ احادیث میں کثرت سے مردوں کو اس کے استعمال کی ممانعت کی گئی ہے۔ بخاری، مسلم، ابن ماجہ و دوسری کتب اس مسئلہ کو صراحت سے بیان کرتی ہیں۔ میری نظر سے بھی ایسی کوئی حدیث نہیں گزری جس میں عام حالت یا حالت جنگ میں ریشم کے استعمال کی اجازت دی گئی ہو مساوئے کسی خاص بیماری یعنی خارش وغیرہ کے دوران اگر مریض کی بہتری اسی سے ہو۔

ایک حدیث بار بار یوں بیان کی گئی ہے کہ، جس شخص نے دنیا میں ریشم کا لباس پہنا وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔ (بخاری، ابن ماجہ و مسلم وغیرہ) البتہ حضور نے اپنی شہادت والی انگلی اور درمیانی دو انگلیوں کو ملا کر کہا، کہ صرف اتنا جائز ہے یعنی اس کپڑے کا تیل بونا یا حاشیہ مراد ہے۔ دو احادیث اس طرح بیان ہوئی ہیں:

(۱) ”حضرت علیؑ سے روایت ہے، کہ آنحضرت ﷺ کو تھہ آیا ایک جوڑا کپڑے کا جس میں ریشم شریک تھا تانے یا بانے میں۔ آپؐ نے وہ مجھ کو تھج دیا، میں آپؐ کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اس کو کیا کروں، کیا پہنوں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں اس کو چاڑ کر اوڑھنیا بنا دے تینوں فاطموں کی۔“

تشریح: ایک فاطمہ بنت اسد حضرت علیؑ کی والدہ، دوسری فاطمہ بنت امیر حمزہ، تیسری سیدۃ النساء جناب فاطمة الزہرا صاحبزادی عالیہ شان۔ (سنن ابن ماجہ،)

(۲) ”حضرت علیؑ سے ہی روایت ہے، آنحضرت ﷺ نے باہمیں ہاتھ میں حریر لیا اور دوسریں ہاتھ میں سونا پھر دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور فرمایا یہ دونوں چیزیں حرام ہیں۔ میری امت کے مردوں پر اور حلال ہیں میری امت کی عورتوں پر۔“ (سنن ابن ماجہ، بخاری) دوسری طرف حضور نے سفید لباس کی تعریف فرمائی ہے۔ بخاری اور سنن ابن ماجہ میں اپنی احادیث بیان ہوئی ہیں جن میں سفید لباس کو بہتر قرار دیا ہے۔

ایک حدیث ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ”بہتر کپڑے تمہارے سفید ہیں۔“ (ابن ماجہ۔ 3566)
اس طرح حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”بہتر لباس جس کو تم پہن کر اللہ کی زیارت کرتے ہو، اپنی قبروں میں اور مسجدوں میں وہ سفید ہے۔“ (ابن ماجہ۔ 3568)

متفرق سامان

☆ ایک سیاہ رنگ کا علم یا جھنڈا، جس کا نام العقاب تھا۔ سنن ابی داؤد میں حدیث مردوی ہے کہ کسی صحابی نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کا علم دیکھا جو زر رنگ کا تھا۔ (زاد المعياد 1/50)

☆ سفید جھنڈے جو بعض اوقات سیاہ بھی بیان کئے گئے ہیں۔

☆ ایک خیمه یا شامیانہ جو اکان، کھلاتا تھا۔

☆ ایک ہاتھ لمبی خدار لکڑی جو رسول اللہ ﷺ گھوڑے پر سواری کرتے وقت یا پیدل چلتے وقت اپنے پاس رکھتے تھے۔

☆ ایک ڈنڈا (Baton) جس کا نام العرجون (Al-Arjun) تھا۔

☆ ایک عصاء جس کا نام الممشوق (Al-Mamshuq) تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ وہی عصاء تھا جسے بعد میں خلفاء راشدین اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے۔

☆ کہا جاتا ہے کہ ایک زمانہ میں حضور ﷺ کے پاس دس گھوڑے تھے۔ ان میں ایک کا نام سکب، تھا اور جنگ احمد میں آپ ﷺ اس پر سوار تھے۔ ایک اور گھوڑے کا نام نراز تھا جو شاہ سکندر ریم مقوش نے ہدیہ کے طور پر بھیجا تھا بقیہ میں سے چھ گھوڑوں کے نام یوں کہے جاتے ہیں: ضرب، ورد، ضریں، ملاوح، سمجھ اور بجھ۔

☆ تین چھرتے، ایک کا نام دلہل تھا۔ جس کے بادشاہ نے بھیجا تھا۔ آپ ﷺ نبوت کے اوائل میں اسی کو استعمال فرماتے رہے تھے اس کے بعد حضرت علیؑ اور حضرت حسن و حضرت حسینؑ

اس پر سوار ہوتے تھے، ان کے بعد محمد بن حفییہ کے پاس رہا۔

دوسرے چھر کا نام فضہ تھا جس کو صدیق اکبرؒ نے ہدیہ کیا تھا۔

تیسرا کا نام ایلیہ تھا جو شاہ ایلہ نے بھیجا تھا۔

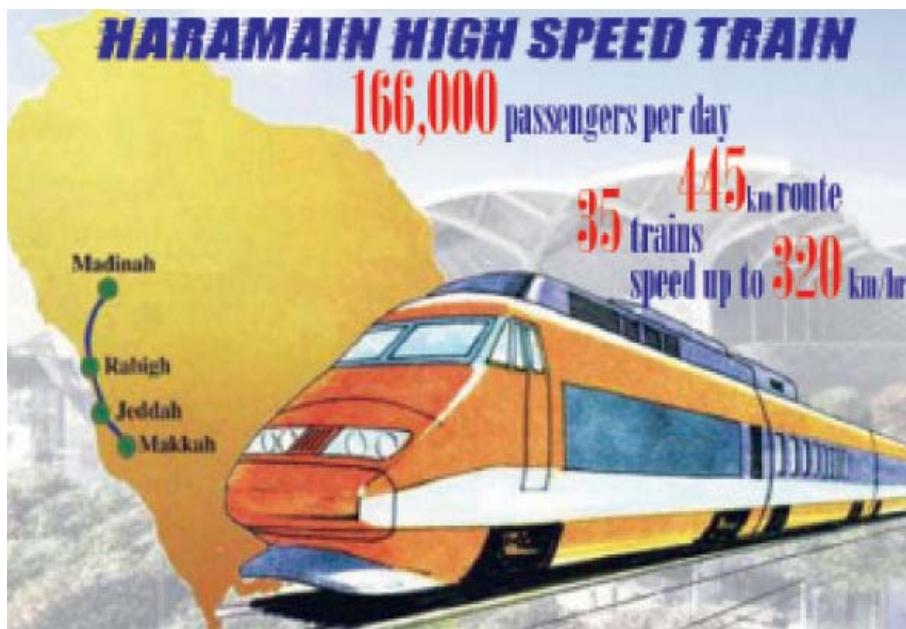
☆ ایک گدھا تھا جس کا نام یغفور تھا۔

☆ سواری کی دو اونٹیاں قصویٰ، اور عصباء تھیں۔ ہجرت کے وقت آپ ﷺ قصویٰ پر سوار تھے

اور جستہ الوداع کا خطبہ بھی اسی پر سوار ہو کر دیا تھا۔

حر میں برق رفتار ریل

موجودہ دور میں سعودی حکومت کا شاندار کارنامہ



حرمین برق رفتاریل

(HARMAIN HIGH SPEED RAIL)



اس تیز رفتاریل کا منصوبہ سعودی حکومت اور الشعلہ گروپ (کنسورشیم) کے مابین ایک معاهدہ کے تحت اکتوبر 2011ء میں طے ہوا، جس کے تحت الشعلہ کنسورشیم کو اس سبک رفتاریل منصوبہ کو بنانا ہے جو کہ تا مدینہ کا سفر تین گھنٹوں میں طے کرے گی اور تکمیل کے بعد اس کا نظم و نسق بھی اسی گروپ کے پاس رہے گا۔ یہ کنسورشیم 14 کمپنیوں پر مشتمل ہے جن میں دو کا تعلق سعودی عرب اور بقیہ 12 کمپنیوں کا تعلق ہسپانیہ (اپین) سے ہے۔ معہدہ کے تحت یہ کنسورشیم تکمیل کے بعد پہلے 12 سال کے لیے سعودی کمپنی اینکو (INECO) کے ساتھ مل کر اس نظام کے چلانے کا ذمہ دار ہو گا۔ اس گروپ میں شامل تمام کمپنیاں تکنیکی لحاظ سے منصوبہ کے مختلف شعبوں

پر کام کرنے کی انتہائی مہارت رکھتی ہیں۔ تیز رفتار گاڑیاں ہسپانیہ ہی کی کمپنی تالگو (TALGO) فراہم کرے گی۔

جیسا کہ ابتداء ہی میں ذکر کیا گیا ہے کہ حریمین ریل کا معاهدہ اکتوبر 2011ء میں لکھا گیا تھا، جس کی رو سے کام کی تکمیل 2014ء تک ہونی تھی، لیکن یہ منصوبہ مختلف مشکلات کے باعث اپنی اصل تکمیل کی تین سالہ معیاد سے پچھے ہے، تاہم اب امید کی جا رہی ہے کہ سال 2018ء کے اوائل تک یہ پراجیکٹ مکمل ہو جائے گا، کیونکہ اس کو درپیش تکمیلی اور مالی مشکلات پر قابو پالیا گیا ہے۔

حریمین برق رفتار ٹرین بھی تیز رفتار لائنز بھی کہا جاتا ہے۔² مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے جدہ اور شاہ عبداللہ اقتصادی شہر³ کو بھی اپنے ساتھ مسلک رکھے گی۔ ان چاروں اسٹیشنوں کا تعمیر شدہ رقبہ لندن کے مشہور ٹرینیا لگر سکوائر⁴ کے ریل اسٹیشن جو یورپ کا انتہائی مصروف سینٹر ہے سے 30 گنا بڑا ہے۔ ابتدائی طور پر اس ٹرین کے ذریعہ چھ کروڑ افراد کے سالانہ سفر کرنے کا اندازہ لگایا گیا ہے جو یورو ریل (Euro-Rail) سینٹ پنکری⁵، لندن اسٹیشن کے سالانہ مسافروں سے چھ گنا زیادہ ہے، امید کی جاتی ہے کہ سال 2042ء تک یہ تعداد ساڑھے تیرہ کروڑ ہو جائے گی۔

حریمین ریل کے یہ چاروں اسٹیشن عالمی طور پر مختلف رنگوں کے امترا� سے ترتیب دیئے گئے ہیں۔ مدینہ اور مکہ کے اسٹیشن گہرے رنگوں کے ذریعہ ظاہر کئے گئے ہیں۔ مکہ اسٹیشن سونے

¹ Haramain High Speed Train. (HHR)

² Desert High Speed Line.

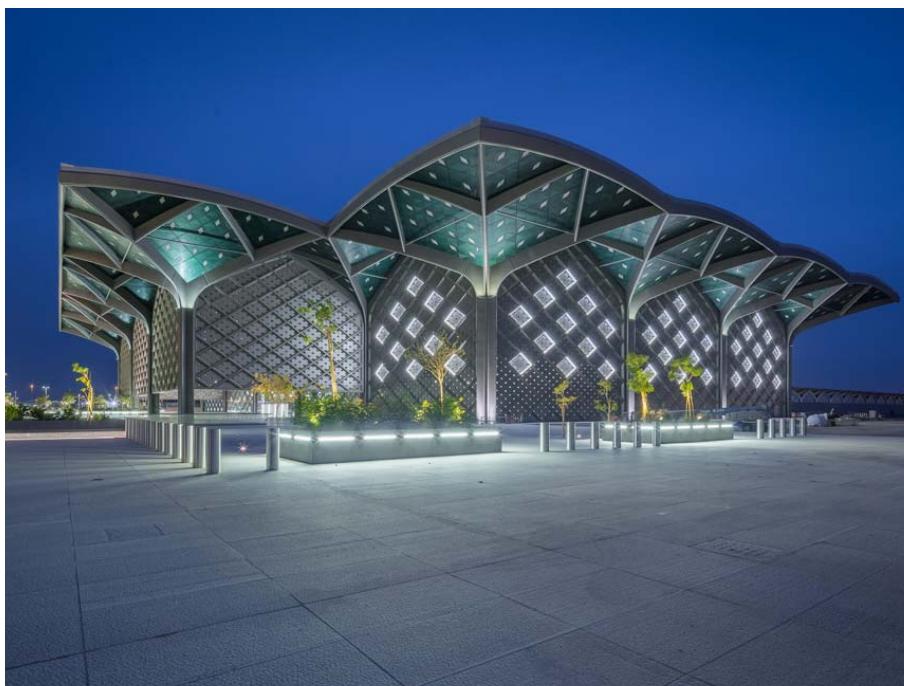
³ King Abdullah Economic City (KAEC)

⁴ Trafalgar Square- London.

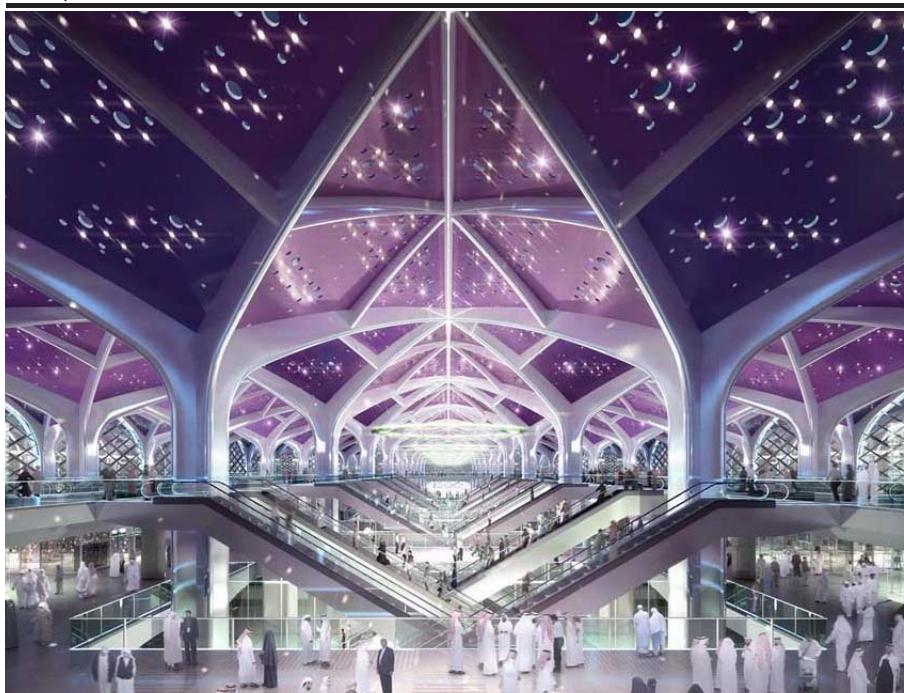
⁵ Euro Rail Saint Pancra, Londen.



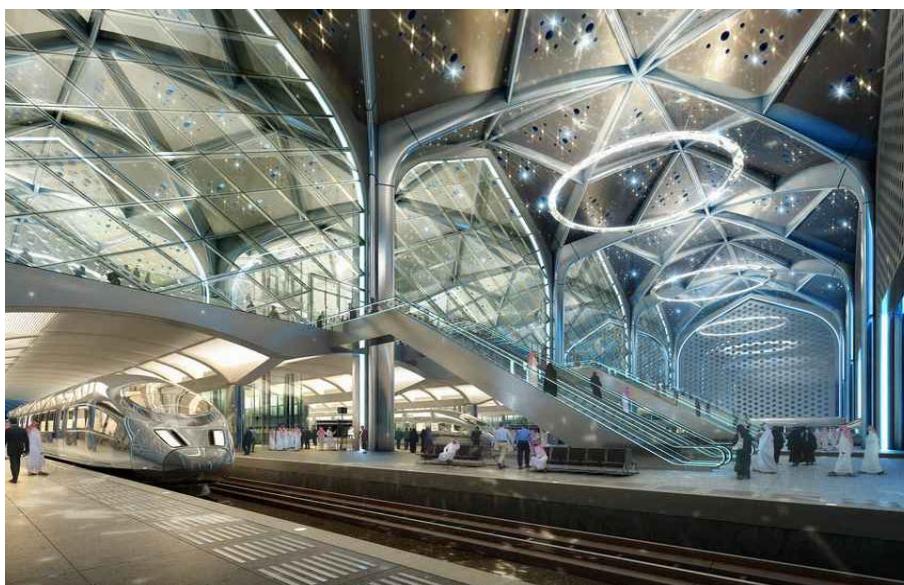
ملکہ الکریمہ ریلوے اسٹیشن (شہرے عالمی رنگ کے ساتھ)



مدینۃ المنورہ ریلوے اسٹیشن (بزر عالمی رنگ کے ساتھ)



جدہ ریلوے اسٹشن کا اندرورنی منظر (اغوانی عالمتی رنگ کے ساتھ)



کنگ عبد اللہ اقتصادی شہر کا ریلوے اسٹشن (نیلے اور سلوپ عالمتی رنگ کے ساتھ)

کے پتا کی شکل میں با بركت کعبہ اور اس شہر کی عظمت کی علامت ہے، جب کہ نمایاں سبز رنگ مدینہ میں مسجد نبوی کے روحانی فیضان کا مظہر ہے، جدہ اسٹیشن ارغوانی (Purple) رنگ کے ساتھ اسی شہر سے مناسبت رکھتا ہے۔ نیلا اور سلوور رنگ شاہ عبداللہ اقتصادی شہر کی جدت کا مظہر ہے۔

ان تمام اسٹیشنوں کے ڈیزائن مشترک ہیں اور 25 میٹر اونچی بیرونی محرابوں کو اندر ورنی 9 میٹر اونچائی والی پلیٹ فارم پر واقع محرابوں کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ یہ محرابیں آپس میں خصم ہوتی ہوئیں ایک گنبد نما چھت بناتی ہیں۔ ہر اسٹیشن سورج کے راستے کے مطابق بنایا گیا ہے۔ مدینہ اسٹیشن کا رخ مشرق کی طرف اور مکہ اسٹیشن کا رخ شمال کی طرف ہے۔ چھت کے کھلے حصوں سے دن کی روشنی انتظار گاہوں میں پہنچائی گئی ہے، رات کے وقت روشنی کا اس طرح استعمال کیا گیا ہے کہ چھدے ہوئے حصوں سے یہ روشنی یوں ظاہر ہوتی ہے کہ جیسے آسمان پر ستارے جگگار ہے ہوں۔ محрабوں پر لٹکے ہوئے فانوس اجتماعی حصوں کو خوبصورتی سے منور کرتے ہیں۔ مزید ہر اسٹیشن کی تعمیر میں اسلامی کلچر اور تہذیب کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔ موسم کی شدت اور دھوپ کی حدت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہر مقام پر مسافروں کے آرام کی خاطر مناسب ٹھنڈی ہوادی گئی ہے۔

453 کلومیٹر لمبا یہ منصوبہ بے شمار زیمنی اور موسمی دشواریوں کے باوجود تکنیکی اور فنی لحاظ سے ایک شاہکار ہونے کی حیثیت کے ساتھ ساتھ مشرق وسطی کا سب سے بڑا نقل و حمل کا منصوبہ ہے، یہ رانسپورٹ منصوبوں میں دنیا کے چند مشکل ترین کاموں میں شامل ہوتا ہے۔

صحراًی ریت اور جھکڑ تعمیری کام میں دشواری پیدا کر رہے تھے، جس وجہ سے بھی یہ منصوبہ اپنے اصل وقت پر مکمل نہ ہو سکا۔ ریلوے لائن کا ایک 20 کلومیٹر کا جکڑ اس کرتے ہوئے ریت کے ٹیلوں کی زد میں رہتا ہے، جو سالانہ 30 میٹر کے قریب اپنی جگہ تبدیل کر سکتا ہے اور اس علاقہ



حریمن برق رفتاریل کا انجن جس پر چاروں اسٹیشنوں کے عالمتی رنگوں کی پیاس بنی ہیں



حریمن برق رفتاریل کی اپر کلاس بوجی کا اندر ورنی منظر

کے ریلوے ٹریک کو مکمل ڈھانپ سکتا ہے۔ مزید 197 کلومیٹر کا علاقہ صحرائی ریت اور جھگڑوں کی وجہ سے کئی مشکلات سے دوچار ہو سکتا ہے۔ جن میں گاڑی کے ڈرائیور کی قوت بینائی کا متاثر ہونا، ریل کے پہیوں میں ریت کا گھس جانا اور روڑی والے ٹریک میں ریت آجائے سے ٹریک میں لپک کی کمی ہو جانا شامل ہیں۔

ان مشکلات سے نپنے کے لیے مختلف طریقوں سے کام لیا گیا ہے۔ جن میں ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ رکاوٹ کی دیواروں کا بنانا، خندقیں کھودنا۔ اور ٹریک (لائن) پر روڑی بچھانے کی بجائے کھلے علاقے میں سلیب ٹریک کا استعمال کیا گیا ہے کیونکہ روڑی میں سے ریت سراہیت کر کے تھے میں اکٹھی ہو جاتی ہے اور نکالی نہیں جاسکتی لیکن سلیب پر پڑی ریت آسانی سے صاف ہو جاتی



ٹرین کا کیمپن برائے طعام

ہے۔ ٹرین (گاڑی) کے پہلوں کے قریب ہوا پھیلنے والی مشینیں نصب کی گئی ہیں تاکہ پٹری کو ریت سے صاف رکھا جائے۔ گاڑی کے ڈبوں اور ڈرائیور کے کپبن کو مضبوطی سے سرمہر (سیل) کیا گیا ہے تاکہ ریت اور طوفانی جھکڑوں سے مکمل بچاؤ ہو سکے وغیرہ۔

حرمین سبک رفتار ٹرین کا کل فاصلہ 453 کلومیٹر ہے اور یہ تیز رفتار اور جدید طرز کی ریل گاڑی مکہ سے مدینہ تک کا سفر تین گھنٹے میں طے کرتے وقت جده کے تاریخی شہر اور شاہ عبداللہ اقتصادی شہر (راہیخ) سے بھی گزرے گی۔ اس ٹرین کا راستہ وہ مشہور تاریخی حرمین روٹ ہے جو



جزیرہ نما عرب کے مغربی ساحل کے جنوبی شہر مکہ کو مدینہ سے ملاتا تھا۔ مدینہ سے چلتے ہوئے یہ ریل سطح سمندر سے 654 میٹر کی بلندی پر سے اپنا سفر شروع کرتی ہوئی شاہ عبداللہ اقتصادی شہر راتیخ اور جدہ جو دونوں سطح سمندر پر واقع ہیں سے گزرتی ہوئی شہر مکہ جو سطح سمندر سے 277 میٹر بلند ہے پر اختتام پذیر ہوگی۔ جدہ میں اس ٹرین کو شاہ عبدالعزیز بین الاقوامی ہوائی اڈہ سے ایک خاص لائین اور دو فلائی اور زلٹ کے ذریعہ حاج کرام کی خدمت کے لیے ملایا گیا ہے، جہاں اللہ کے مہمانوں کی دیکھ بھال کے لیے خاص سہولتیں مہیا کی گئیں ہیں۔

یہ ریل خالصتاً مسافر بردار گاڑی ہے، اس کا دو ہر اٹر یک ہے، جس وجہ سے اس کی رفتار اور کار کردگی میں کوئی خلل نہیں آئے گا۔ اس ٹرین کی رفتار 350 کلومیٹر تک رکھی گئی ہے تاہم اسے 300 کلومیٹر کی رفتار سے زیادہ نہیں چلا�ا جائے گا۔ یہ ریل صحرائی موسم کو زیر نظر رکھ کر تیار کی گئی ہے اور شدید موسم و گرمی کو روکنے کے لیے خاص قسم کی ایر کنڈی شنگ کا بندوبست کیا گیا ہے، جس کے لیے وافر بھلی کی سپلائی دی جائے گی تاکہ کسی بھی خرابی کے باوجود ٹرین کا ایر کنڈی شنگ سسٹم مزید دو گھنٹے تک کام کرتا رہے۔ اس میں مسافروں کے آرام کا خاص خیال رکھا گیا ہے اور یہ ٹرین جدید سہولیات سے لیس ہے۔

اندازہ کیا گیا ہے کہ ابتدائی مراحل میں اس ٹرین کے ذریعہ 19,600 مسافر فی گھنٹہ مکہ سے جدہ سفر کریں گے اور مکہ سے مدینہ فی گھنٹہ 3800 مسافر سفر کریں گے۔ جیسا کہ ابتدائی میں بتایا گیا ہے کہ سالانہ چھ کروڑ مسافر اس ریل سے فائدہ اٹھائیں گے۔ تاحال انتظامیہ نے سفری ٹکٹ کی قیمت مقرر نہیں کی، جو امید ہے پراجیکٹ کے اختتام کے بعد ہی مقرر ہوگی۔

اس پراجیکٹ کے ڈائریکٹر باسم بن احمد غلامان نے 2016ء میں سعودی عمرہ سوسائٹی

مکہ کے ایک اجلاس میں بتایا تھا کہ حریمین ریل کا ابتدائی بجٹ 62 بلین سعودی ریال جو 13.6 بلین یورو اور 16.5 بلین امریکی ڈالر کے برابر ہے منظور کیا گیا تھا، تاہم بعد کی مشکلات کے باعث جس میں پراجیکٹ کا بند ہو جانا اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ قیمتوں میں اضافہ کی وجہ سے پراجیکٹ بنانے والے کنسورشیم کی 500 ملین یورو کی مانگ کے برعکس سعودی حکومت نے مزید 150 ملین یورو جو 638 ملین سعودی ریال یا 170 ملین امریکی ڈالر کے برابر ہے ادا یگی کے لیے منظور کر دیئے تھے۔

انہوں نے مزید کہا کہ اس پراجیکٹ میں 19 لاکھ (1.9 ملین) میٹر موافقانی کیبل (تار)، 40 لاکھ (4 ملین) ٹن بجری، استعمال کی گئی ہے، مزید 1500 (CCTV) کیمرے برائے انتظامی کنٹرول نصب کئے گئے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ موجودہ اسٹیشن سہولیات کے لحاظ سے سب اسٹیشنوں سے بہتر ہے، لیکن اخراجات کے لحاظ سے مکہ کا الروسیفہ اسٹیشن ان سب پر سبقت لے گیا ہے۔

اس پراجیکٹ کے لیے بھلی پیدا کرنے کے 39 سینٹر بنائے گئے ہیں اور مسافروں کی سہولت کی خاطر کمپیوٹر کے 147 Wi-fi پوائنٹ پیغامات بھیجنے اور وصولی کے لیے نصب کئے گئے ہیں، مزید مسافروں کو ریل اسٹیشنوں سے بس اور کار ٹشپ پر جانے کی مفت سہولت دی گئی ہے۔ پراجیکٹ ڈائریکٹر نے مزید بتایا کہ بھلی بنانے والے چھ مرکزی پلانٹ 2 بلین سعودی ریال کے خرچ سے بنائے گئے ہیں۔

سعودی دور میں مدینہ کی ترقی کے لیے کئے گئے منصوبوں میں سے یہ پراجیکٹ نہ صرف مدینہ کی تاریخ کا ایک انتہائی اہم جز ہے، بلکہ سعودی عرب کی تاریخ میں بھی ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس پراجیکٹ کی کل عملی زندگی 120 سال معین کی گئی ہے۔

سیل العرم
اور
النصار مدینہ

سیلِ العرم اور انصارِ مدینہ

”آخر کار، ہم نے ان پر بند توڑ سیلا ببھیج دیا، اور ان کے پچھلے دو باغوں کی جگہ دو اور باغ ان کو دیئے، جن میں کڑوے کیلے پھل اور جھاؤ کے درخت تھے اور کچھ تھوڑی سی بیس ریاں۔ یہ تھا ان کے کفر کا بدله جو ہم نے ان کو دیا، اور ناشکرے انسان کے سوا ایسا بدله ہم اور کسی کو نہیں دیتے۔“

(سورہ سبأ آیات 16-17)

وجہ سیلا ب اللہ کی نارِ اضکَّ

یہ قرآنی آیات اللہ تعالیٰ نے قوم سبا پر اپنی نارِ اضکَّ کے اظہار کے لیے بیان فرمائی ہیں۔ اس قوم پر اللہ نے اپنا بے پناہ فضل اور احسان کئی صدیوں تک جاری رکھا تھا، تاہم جب یہ قوم اپنی سرکشی کی وجہ سے الہی احکامات کی تعمیل کی بجائے کفر میں مبتلا ہو گئی تو ان پر ایک سخت عذاب، آبی طوفان کی شکل میں بھیجا گیا۔ عربی زبان میں سیل، سیلا ب کے معنی پر کہا جاتا ہے اور عرم جنوبی عرب کی زبان کے لفظ عرم سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی بند کے ہیں۔

اسلامی تاریخِ مدینہ یا ابتدائی اسلامی تاریخ میں اوس اور خزر ج قبائل کا انتہائی اہم کردار رہا ہے۔ یہ دونوں قبائل رسول اللہ ﷺ کے انصار کہلاتے ہیں۔ انہی دونوں قبیلوں نے ہجرت سے پہلے آنحضرت ﷺ کی کمی زندگی کے آخری دور میں ان سے روابط قائم کیے اور بیعت عقبہ اول و ثانی میں حلقہ گبوش اسلام ہوئے۔ ان دونوں قبائل ہی نے اللہ کے نبیؐ کو مکہ سے ہجرت فرمائیں اور آپؐ کی حفاظت کے ضامن ٹھہرے تھے۔ ہجرت کی

ابتدا اور اس کے بعد کی تاریخ کے دوران دونوں قبائل کا کردار ہمیشہ قابل تحسین و تقلید رہا ہے۔ ان حقائق کی بناء پر یہ مناسب ہو گا کہ ان دونوں قبائل کے اصل مسکن کا تفصیلی جائزہ لیا جائے کہ کن وجہ کی وجہ سے انہوں نے اپنا وطن چھوڑا تھا۔

یمن اوس و خزر رج کا آبائی مسکن

یمن کے مشہور مورخ و جغرافیہ دان، ابو محمد الحسن ابن احمد الحمدانی نے بیان کیا ہے کہ بنو اوس اور بنو خزر رج ملک یمن کے رہنے والے تھے اور دوسری صدی عیسوی میں اس ملک میں سیلا ب کی تباہ کاریوں کی وجہ سے دیگر قبائل کے ساتھ وہاں سے اخلاع کر گئے تھے اور یہ دونوں قبیلے شرب (مدینہ) میں سکونت پذیر ہوئے۔

اس کتاب میں مصنف علی حافظ نے بھی ابتداء ہی میں انصار کے تعارف بارے صفحہ 32,31 پر ایسا ہی کہا ہے، تاہم وہ سکونت مدینہ کا آغاز دو صدی قبل از مسیح بیان کرتے ہیں۔ اکثر تاریخ دان و محقق یمن کے اس شدید سیلا ب جس کا ذکر قرآن کریم میں بھی آیا ہے، کے آنے کے زمانہ پر حقیقی اتفاق نہیں رکھتے۔ مورخ الاصفہانی کے مطابق اس بند کے ٹوٹنے کا وقت ظہور اسلام سے چار صدی پہلے کا ہے، جس کے مطابق یہ واقعہ تیسری صدی عیسوی کا ہو سکتا ہے۔¹ کیونکہ آنحضرت ﷺ پر پہلی وحی چالیس سال اور چندہ ماہ کی عمر میں وارد ہوئی تھی، اس لحاظ سے یہ 611 عیسوی کا واقع بنتا ہے۔ مگر یاقوت الحمدانی اس بند کے ٹوٹنے کا وقت جبشی دور کا بتاتا ہے، جو 340 عیسوی سے 378 عیسوی کا ہے۔² مولانا ابوالاعلیٰ مودودی یہ واقعہ 450-51 میں عیسوی کا بیان کرتے ہیں۔³

1- Al-Isfahni,s Annals, vol 8.

2 Yaqut al-hamawi: mu'a jam al-Buldan, vol 4. P383.

3 Tafhim ul quran, vol 4, Page 197. Commentary On Verses 15,16 Surra saba.

قوم سبا اور اس کی سلطنت

قرآن میں سیل العرم کا ذکر کیا گیا ہے، یعنی بند توڑ سیلا ب جس نے مارب بند (ڈیم) کو تباہ کر دیا تھا اور یہ وقت قوم سبا کے زوال کا وقت تھا۔ اس قوم نے ڈیم سے دو ہزار سال تک حکمرانی کی تھی اور یہ ایک متعدد اور خوشحال سلطنت مانی جاتی تھی۔ تاریخ دان سبا قوم کا موازنه اس وقت کی فونیشیائی تہذیب¹ سے کرتے ہیں اور ان دونوں میں ممااثلت پاتے ہیں۔ فونیشیا ریاست 1500 تا 300 قبل مسیح میں بحیرہ روم کے مشرقی ساحل پر واقع تھی اور موجودہ ممالک لبنان، اسرائیل، غزہ، شام اور جنوب مغربی ترکی کے علاقوں پر مبنی تھی۔ یہ ایک انتہائی طاقتور، متعدد اور امیر قوم تھی۔

سبائی سلطنت کی تجارت اور زراعت کی اجارہ داری تمام خطہ میں کئی صدیوں تک قائم رہی۔ سورہ سبا میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان جن کو ہم نے برکت عطا کی تھی نمایاں بستیاں آباد کر دی تھیں تاکہ ان راستوں پر امن کے ساتھ چلیں پھریں۔“ یعنی ان کے شہروں سے ”برکت والے شہروں“ یعنی شام و فلسطین² تک متواتر آبادیاں قائم کر دی تھیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدیم یمنی علاقہ سے شام تک کا تمام تجارتی راستہ انسانی آبادیوں سے پُر تھا اور ایک غیر آباد علاقہ میں غیر یمنی حالت میں سفر کرنے کے برعکس ان راستوں کے مسافر پر امن طور پر اپنی الگی منزلوں کا تعین کر سکتے تھے۔

تاریخی اعتبار سے سبا جنوبی عرب کی ایک بہت بڑی قوم کا نام ہے جو چند بڑے قبائل پر مشتمل تھی۔ امام احمد بن جریر، ابی حاتم و ترمذی نے یہ روایت رسول اللہ ﷺ سے منقول کی ہے کہ سبا عرب کے ایک شخص کا نام تھا جس کی نسل سے کئی قبیلے پیدا ہوئے تھے۔

1 Phoenician Civilization.

2 قران میں شام اور فلسطین کے علاقوں کو کئی جگہ برکت والی بستیاں کہا گیا ہے۔

قدیم تاریخی ذرائع میں اس قوم کا ذکر آٹھویں صدی قبل از مسح سے کثرت ملنا شروع ہوتا ہے، گواں سے قبل بھی قوم سبا کا ذکر مختلف حوالہ جات میں پایا جاتا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملکہ سبا سے رابطہ اور اسے دعوت حق دینے کا ذکر قرآن اور بابل میں ملتا ہے جو کہ ایک ہزار سال قبل از مسح (965-926ق م) کا ہے۔ اس قوم کا قدیم تحریروں میں ذکر اسیر یا سلطنت کے بادشاہ سارگون¹ دوئم کی جنگی فہرستوں میں بھی ملتا ہے، جس میں ٹیکس دہنگان کی تفصیل بیان کی جاتی تھی۔ اس ریکارڈ میں سبائی بادشاہ اتحاد عمارہ² کا نام بھی شامل تھا۔

آثار قدیمہ کی جدید تحقیقات کے سلسلے میں یمن سے تقریباً تین ہزار کتابت فراہم ہوئے ہیں جو اس قوم کی تاریخ پر اہم روشنی ڈالتے ہیں۔ اس کے ساتھ عربی روایات اور رومی و یونانی تواریخ کی فراہم کردہ معلومات کو بھی اگر جمع کر لیا جائے تو اچھی خاصی تفصیل کے ساتھ قوم سبا کی تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے۔

ان معلومات کی رو سے اس کی تاریخ کے اہم ادوار یوں ہیں:

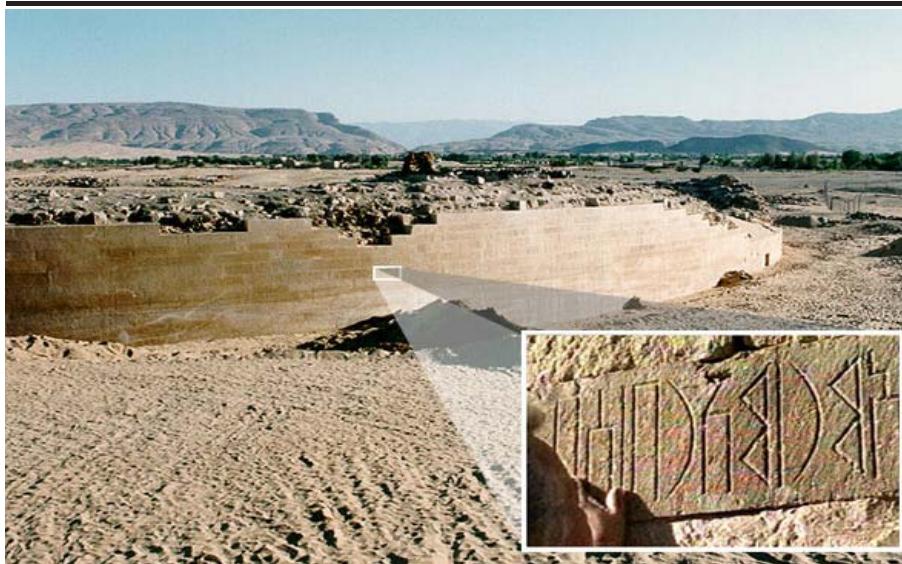
- 1 650 قبل مسح سے پہلے کا دور جو بعض مورخین کے مطابق 2500ق م تک جاتا ہے کیونکہ اُر³ (UR) کے کتابت جو اسی زمانہ سے منسوب ہیں ان میں اس کا ذکر سا بوم کے نام سے کیا گیا ہے۔ اس کے بعد بابل اور آشور (اسیریا) کے کتابت میں اور اسی طرح بابل میں بھی کثرت سے اس کا ذکر ملتا ہے۔ (مثال کے طور پر ملاحظہ ہو زبور، 15:72، یرمیا 20:60، ایوب 19:20)۔ یونان و روم کے مورخین اور جغرافیہ نویس ٹھیوفراستس (288

قبل از مسح) کے وقت سے مسح کے بعد کی گئی صدیوں تک کی تاریخ میں مسلسل اس کا ذکر

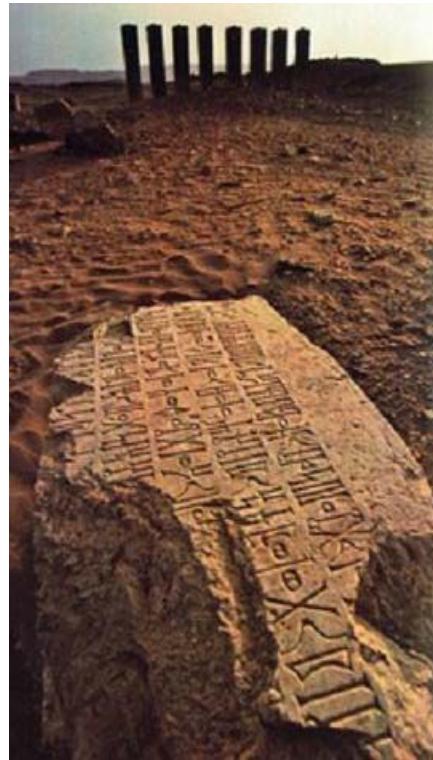
Sargon II, 702-705,Bc .1

Yith 1-Amara (It, Amara). .2

(Hebrew) (UR) .3



سما قوم کی تحریریں۔ مارب کے کھنڈرات سے ملی ہیں





مارب شہر کے کھنڈرات یہ شہر سہا قوم کا دارالخلافہ تھا



مارب کے کھنڈرات

کرتے چلے گئے ہیں۔ اس قوم کے عروج کا وقت گیارہ سو برس قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہما السلام کے ادوار میں ایک دولت مند قوم کی حیثیت سے قوم سبا کا شہرہ دور دور تک پھیل چکا تھا۔ آغاز میں یہ ایک آفتاب پرست قوم تھی، پھر جب اس کی ملکہ¹ حضرت سلیمان (965-925ق م) کے ہاتھ پر ایمان لے آئی تو قوی خیال ہے کہ اس کی غالب اکثریت مسلمان ہو گئی تھی لیکن بعد میں نہ معلوم کب اس قوم میں دوبارہ شرک اور بت پرستی نے زور کپڑ لیا اور اس نے المقه (چاند دیوتا)، عشتہ (زہرہ) ذات حیم اور ذات بعدان (سورج دیوتی) وغیرہ اور دوسرے دیوتی دیوتاؤں کی



معبد المقه (چاند دیوتا) کا مندر جسے ملکہ بلقیس کا مندر بھی کہا جاتا تھا

پوجا شروع کر دی تھی۔ المقه اس قوم کا سب سے بڑا دیوتا تھا۔ یمن میں بکثرت ایسے

کتباب ملے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سارا ملک ان دیوتاؤں اور خصوصاً المقه کے

¹ ملکہ کا نام بلقیس تھا ہم وہ ملکہ سباء کے نام سے بھی جانی جاتی ہیں۔ عبرانی (Hebrew) زبان میں اسے ملکہ شیبا (Queen of Sheba) کہا گیا ہے۔

معبدوں سے بھرا ہوا تھا اور ہر اہم واقعہ پر ان کے شکریے ادا کئے جاتے تھے۔

- 1- 650 قبل از مسیح سے پہلے کے دور میں ملوک سبا کا لقب مکرب سبا تھا۔ اغلب یہ ہے کہ یہ لفظ 'مقرب' کا ہم معنی تھا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ بادشاہ انسانوں اور خداوؤں کے درمیان اپنے آپ کو واسطہ قرار دیتے تھے، یا دوسرے الفاظ میں یہ کہاں بادشاہ (Priest-King) تھے۔ اس زمانہ میں ان کا پایہ تخت صرواح تھا جس کے کھنڈرات آج بھی مارب سے مغرب کی جانب ایک دن کی راہ پر پائے جاتے ہیں اور خربیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اسی دور میں مارب کے مشہور بند کی بناء کھنگی اور وقتاً فوتاً مختلف بادشاہوں نے اسے وسیع کیا۔

بت پرستی کے اس دور میں بھی قوم سبا میں ایک قلیل عصر ایسا بھی تھا جو دوسرے معبدوں کو ماننے کی بجائے خدائے واحد کو مانتا تھا۔ موجودہ زمانہ کی اثری تحقیقات کے سلسلے میں یمن کے کھنڈرات سے جو کتابت ملے ہیں ان میں سے بعض کتابت اسی قلیل عصر کی نشان دہی کرتے ہیں۔ 650 ق م کے لگ بھگ زمانے کے بعض کتابت بتاتے ہیں کہ مملکت سبا کے متعدد مقامات پر ایسی عبادت گاہیں بنی ہوئی تھیں جو ذسموی یا ذوسماوی (یعنی رب السماء) کی عبادت کے لیے مخصوص تھیں۔

بعض مقامات پر اس معبدوں کا نام ملکن ذسموی (وہ بادشاہ جو آسمانوں کا مالک ہے) لکھا گیا ہے۔ یہ عصر مسلسل صدیوں تک یمن میں موجود رہا، چنانچہ 378 عیسوی کے ایک کتبے میں بھی اللہ ذسموی کے نام سے ایک عبادت گاہ کی تعمیر کا ذکر ملتا ہے۔ پھر 465 عیسوی کے ایک کتبے میں یہ الفاظ پائے جاتے ہیں۔ ”بنصرور دا انھن بعل سمین وارضین“ (یعنی اس خدا کی مدد اور تائید سے جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے)۔ اسی زمانہ کے ایک اور کتبے میں جو 458 عیسوی کا جانا جاتا

ہے اس خدا کے لیے رحمان کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔ اصل الفاظ یوں ہیں کہ ”بر دار حمن“، یعنی رحمان کی مدد سے۔^۱ قرآن حکیم میں سورہ سبا آیت 20 میں بھی اس تھوڑے سے گروہ کا ذکر آیا ہے اور اسے مومین کہا گیا ہے۔

- 2 - 650 ق م سے 115 ق م کے دور میں سبا کے بادشاہوں نے مکب کا لقب چھوڑ کر ملک (بادشاہ) کا لقب اختیار کر لیا، جس کے معنی یہ ہیں کہ حکومت میں مذہبیت کی جگہ سیاست اور سیکولرزم کا رنگ غالب ہو گیا۔ اس زمانے میں ملوک سبانے صرواح کو چھوڑ کر مارب کو اپنا دارالسلطنت بنایا اور اسے غیر معمول ترقی دی۔ یہ مقام سطح سمندر سے 3900 فٹ کی بلندی پر صنعت واقع ہے اور آج بھی اس کے ہندرات شہادت دے رہے ہیں کہ یہ کبھی ایک بڑی متمدن قوم کا مرکز تھا۔

- 3 - 300 عیسوی تک کا دور۔ اس زمانہ میں سبا کی مملکت پر حمیر کا قبیلہ غالب ہو گیا جو قوم سبا کا ہی ایک قبیلہ تھا اور تعداد میں دوسرا تمام قبائل سے بڑا تھا۔ اس دور میں مارب کو اجاڑ کر زیدان پا یہ تخت بنایا گیا جو قبیلہ حمیر کا مرکز تھا، بعد میں یہ شہر ظفار کے نام سے موسم ہوا۔ آج کل موجودہ شہر یہم کے قریب ایک مدور پہاڑی پر اس کے ہندرات ملتے ہیں اور اسی کے قریب علاقہ میں ایک چھوٹا سا قبیلہ حمیر کے نام سے آباد ہے جسے دیکھ کر کوئی شخص تصور نہیں کر سکتا کہ یہ اسی قوم کی یادگار ہے جس کے ڈنکے کبھی دنیا بھر میں بجتے تھے۔ اسی زمانہ میں سلطنت کے ایک حصہ کی حیثیت سے پہلی مرتبہ لفظ یہیت اور یہیت کا استعمال ہونا شروع ہوا اور رفتہ رفتہ یہیں اس پورے علاقہ کا نام ہو گیا جو عرب کے جنوبی مغربی کو نے پر عیر سے عدن تک اور باب المندب سے حضرموت تک واقع ہے۔ اسی

^۱ تفسیر القرآن، جلد چہارم صفحہ 194۔ تفسیر آیت 20 سورہ سبا۔

دور میں سبائیوں کا زوال شروع ہوا۔

4- 300 عیسوی کے بعد سے آغاز اسلام تک کا دور۔ یہ قوم سبا کی تباہی کا دور ہے اس دور میں ان کے ہاں مسلسل خانہ جنگیاں ہوئیں، بیرونی قوموں کی مداخلت شروع ہوئی، تجارت بر باد ہوئی، زراعت نے دم توڑا اور آخر کار آزادی تک ختم ہو گئی۔ زیدانیوں، حمیریوں اور ہمدانیوں کے باہمی تنازعات سے فائدہ اٹھا کر جبشیوں¹ نے یمن پر قبضہ کر لیا۔

340 عیسوی سے 378 عیسوی تک یمن پر جبشیوں کا قبضہ رہا پھر آزادی تو بحال ہو گئی مگر مarb کے مشہور بند میں رخنے پڑنے شروع ہو گئے یہاں تک کہ آخر 450 عیسوی یا 451 عیسوی میں بند کے ٹوٹنے سے وہ عظیم سیلا ب آیا جس کا ذکر قرآن نے سورہ سبا آیات 15 تا 17 میں کیا ہے۔² آیت 19 میں اللہ نے ان کی نافرمانی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ”انہوں نے اپنے اوپر خود ظلم کیا، آخر ہم نے انہیں افسانہ بنایا کر رکھ دیا اور انہیں بلکل تتر کر دیا“، یعنی سبا کی قوم ایسی منتشر ہوئی کہ اس کی پرانگی ضرب المثل بن گئی۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے زوال نعمت کا دور شروع ہوا اور سیلا ب نے ملک میں تباہی پھیلا دی، تو سبا قوم کے مختلف قبیلے اپنے دن چھوڑ چھوڑ کر عرب کے مختلف علاقوں میں چلے گئے۔ غسانیوں نے اردن اور شام کا رُخ کیا، اوس و خزر ج کے قبیلے یثرب اور شام میں جا بیسے، خزاں نے جدہ کے قریب تہامہ کے علاقہ میں سکونت اختیار کی وغیرہ وغیرہ۔ یہاں تک کہ سبا قوم کا نام بھی دنیا میں باقی نہ رہا صرف ان کا ذکر افسانوں ہی میں رہ گیا۔

عروج سبا کی وجہ

قوم سبا کا عروج دراصل دو بنیادوں پر قائم تھا، ایک زراعت اور دوسرے تجارت، انہوں

1. جوشہ کے رہنے والے

2. اس طوفان کے آنے کا زمانہ بعض مورخین نے دوسری صدی عیسوی بیان کیا ہے۔



مارب ڈیم کے بند کی دیواریں جن سے پانی کو روکا جاتا تھا



نے مارب کے ارد گرد کے علاقے میں زراعت کو خوب فروغ دیا اور آپاٹی کی خاطر شہر کے جنوب مغرب میں ایک عظیم الشان ڈیم تعمیر کیا تھا جو فی الحالاظ سے اس زمانہ کا آبی شہر کا تھا۔¹ جغرافیائی موزونیت کے مطابق مارب ڈیم یا سد مارب صح مقام پر تعمیر کیا گیا تھا۔ عرب جغرافیہ دان یا قوت الحماوی لکھتا ہے کہ ”قدرتی طور کوہ بلق² نے تین اطراف سے وادی عدانہ³ کو گھیرے میں لیے ہوئے ایک جھیل بناتا تھا“، قریبی دریا کے علاوہ برساتی پانی کو بھی جھیل میں اکٹھا کیا جاتا تھا جس کا بہاؤ صرف ایک ہی طرف تھا۔ اس طرح انہوں نے ایک بہت بڑا آبی ذخیرہ اکٹھا کر رکھا تھا۔⁴

زراعت کے لیے بند سے نہریں نکالی گئی تھیں، جن کی بدولت اس قوم کی زرعی پیداوار میں تمام علاقہ میں اجراہ داری تھی۔ نہروں کو پانی پہنچانے کی خاطر ڈیم پر مضبوط دروازے⁵ لگے ہوئے تھے۔ اس سرسبزی اور ہریالی کو اللہ تعالیٰ نے سورہ سبا میں دو باغوں سے تشیہ دی ہے۔

مارب ڈیم کی اونچائی 16 میٹر، چوڑائی 60 میٹر اور لمبائی 620 میٹر تھی۔ اس ڈیم سے 9600 ہیکٹر یا 23,700 ایکٹر زمین کو سیراب کیا جاتا تھا۔ جنوبی سمت میں 5300 ہیکٹر یا 13000 ایکٹر اور مغربی سمت میں 4300 ہیکٹر یا 10.700 ایکٹر رقبہ سیراب ہوتا تھا۔

اس ڈیم کی ابتدائی تعمیر کا زمانہ مورخین نے 1750 قبل از مسح سے 1700 قم بیان کیا ہے۔

تجارت کے لیے اس قوم کو خدا نے بہترین جغرافی مقام عطا کیا تھا۔ جس سے اس

Donald Routledge Hill: A history of Engineering In Classical and Medieval Times. Chp 2. 1
Routledge, 1996.

Balaq Mountain. 2

Adhanah. 3

Yaqut al-Hamawi: Mujam Al buldan. vol4. p282. 4

Sluice Gates. 5

نے خوب فائدہ اٹھایا۔ ایک ہزار برس سے زیادہ مدت تک یہی قوم مشرق اور مغرب کے درمیان تجارت کا واسطہ بنی رہی۔ ایک طرف ان کی بندرگاہوں میں چین کا ریشم، انڈونیشیا اور مالا بار کے گرم مسالے، ہندوستان کے کپڑے اور تلواریں، مشرقی افریقہ کے زنگی غلام، بندر، شتر مرغ کے پر اور ہاتھی دانت پہنچتے تھے اور دوسری طرف یہ ان چیزوں کو مصر اور شام کی منڈیوں میں پہنچاتے تھے جہاں سے روم و یونان تک یہ مال روانہ کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ خود ان کے علاقہ میں لوہا، عود، عنبر، مشک، مُر، قرفہ، تصب الذ ریرہ، سیلخہ اور دوسری خوبصوردار چیزوں کی بڑی پیداوار تھی جنہیں مصر و شام اور روم و یونان کے لوگ ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے۔

اس عظیم الشان تجارت کے دو بڑے راستے تھے۔ ایک بحری، دوسرا بری، بحری تجارت کا اجارہ ہزار سال تک انہی سبائیوں کے ہاتھ میں تھا، کیونکہ بحر احمر کی موسمی ہواوں، زیر آب چٹانوں، اور لنگر اندازی کے مقامات کا راز یہی لوگ جانتے تھے اور دوسری کوئی قوم اس خطروناک سمندر میں جہاز چلانے کی ہمت نہ رکھتی تھی۔ اس بحری راستے سے ہی یہ لوگ اردن اور مصر کی بندرگاہوں تک اپنا مال پہنچایا کرتے تھے۔

بری راستے عدن اور حضرموت سے مارب پر جا کر ملتے تھے اور پھر وہاں سے ایک شاہراہ مکہ، جده، یثرب، العلاء، تبوک اور ایلہ سے گزرتی ہوئی پیڑا تک پہنچتی تھی۔ اس کے بعد ایک راستہ مصر کی طرف اور دوسری راستہ شام کی طرف جاتا تھا۔ اس بری راستے پر، جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے، یکن سے حدود شام تک سبائیوں کی نوآبادیاں مسلسل قائم تھیں اور شب روز کے تجارتی قافلے یہاں سے گزرتے تھے۔ آج بھی ان میں سے بہت سی نوآبادیوں کے آثار اس علاقے میں موجود ہیں اور وہاں سبائی اور حمیری زبان کے کتبے بھی ملتے ہیں۔

پہلی صدی عیسوی کے لگ بھگ زمانے میں اس تجارت پر زوال آنا شروع ہو گیا۔ مشرق

اوسمط میں جب یونانیوں اور پھر رومیوں کی طاقت و سلطنتیں قائم ہوئیں تو شور چننا شروع ہو گیا کہ عرب تاجر اپنی اجارہ داری کے باعث مشرق کے اموال تجارت کی من مانی قیمتیں وصول کر رہے ہیں اور ضرورت ہے کہ ہم خود اس میدان میں آگے بڑھ کر اس تجارت پر قبضہ کریں۔ اس غرض کے لیے سب سے پہلے مصر کے یونانی الاصل فرمازرو ابٹیمیوس ثانی (285-246ق.م) نے اس قدیم نہر کو پھر سے کھولا جو 17 سو برس پہلے فرعون سہوستریس نے دریائے نیل کو بحر احمر سے ملانے کے لیے کھدوائی تھی۔ اس نہر کے ذریعہ سے مصر کا بحری بیڑا پہلی مرتبہ بحر احمر میں داخل ہوا۔ لیکن سبائیوں کے مقابلہ میں یہ کوشش زیادہ کارگر نہ ہو سکی۔ پھر جب مصر پر روم کا قبضہ ہوا تو رومی زیادہ طاقت و تجارتی بیڑا بحر احمر میں لے آئے اور اس کی پشت پر انہوں نے ایک جنگی بیڑا بھی لا کر ڈال دیا۔ اس طاقت کا مقابلہ سبائیوں کے بس میں نہ تھا۔ رومیوں نے جگہ جگہ بندرگاہوں پر اپنی تجارتی نوآبادیاں قائم کیں، ان میں جہازوں کی ضروریات فراہم کرنے کا انتظام کیا اور جہاں ممکن ہوا وہاں اپنے فوجی دستے بھی رکھ دیئے، حتیٰ کہ ایک وقت وہ آگیا کہ عدن پر رومیوں کا فوجی تسلط قائم ہو گیا۔ اسی سلسلہ میں رومی اور جبشی سلطنتوں نے سبائیوں کے مقابلے میں باہم ساز باز بھی کر لیا، جس کی بدولت بالآخر اس قوم کی آزادی تک ختم ہو گئی۔

بحری تجارت ہاتھ سے نکل جانے کے بعد صرف بری تجارت سبائیوں کے پاس رہ گئی تھی۔

مگر بہت سے اسباب نے رفتہ رفتہ ان کی کمر توڑ دی۔ پہلے نبطیوں نے پیڑیا سے العُلا کے بالائی حجاز اور اردن کی تمام نوآبادیوں سے سبائیوں کو نکال باہر کیا۔ پھر 106ء میں رومیوں نے نبطی سلطنت کا خاتمه کر دیا اور حجاز کی سرحد تک شام و اردن کے تمام علاقے ان کے مضبوط ہاتھوں میں چلے گئے۔ اس کے بعد جبش اور روم کی متحده کوشش یہ رہی کہ سبائیوں کی باہمی کشکش سے فائدہ اٹھا کر ان کی تجارت کو بالکل تباہ کر دیا جائے۔ اسی بنا پر جبشی بار بار یمن میں مداخلت کرتے

رسے۔ یہاں تک کہ آخر کار انہوں نے پورے ملک پر قبقة کر لیا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ کے غضب نے اس قوم کو انتہائی عروج سے گرا کر اس گڑھے میں پھینک دیا جہاں سے پھر کوئی مغضوب قوم کبھی سرنہیں نکال سکی ہے۔ ایک وقت تھا کہ اس کی دولت کے انسانے سن سن کر یونان و روم والوں کے منہ میں پانی بھرا تھا۔ اسٹرابو^۱ لکھتا ہے کہ یہ لوگ سونے اور چاندی کے برتن استعمال کرتے ہیں، اور ان کے مکانوں کی چھتوں، دیواروں اور دروازوں تک میں ہاتھی دانت، سونے چاندی اور جواہر کا کام بنا ہوا ہوتا ہے۔ پلینی^۲ کہتا ہے کہ روم اور فارس کی دولت ان کی طرف ہی چلی جا رہی ہے، یہ اس وقت دنیا کی سب سے زیادہ مالدار قوم ہیں اور ان کا سر سبز و شاداب ملک باغات، کھیتیوں اور مواثی سے بھرا ہوا ہے۔ آرٹی میڈورس^۳ کہتا ہے کہ یہ لوگ عیش میں مست ہو رہے ہیں اور جلانے کی لکڑی کے بجائے دار چینی، صندل اور دوسری خوبیوں کی لکڑیاں جلاتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے یونانی مورخین روایت کرتے ہیں کہ ان کے علاقے کے قریب سواحل سے گزرتے ہوئے تجارتی جہازوں تک خوبیوں کی لپٹیں پہنچتی ہیں۔ انہوں نے تاریخ میں پہلی مرتبہ صنعت کے بلند پہاڑی مقام پر وہ فلک شگاف عمارت (Skyscraper) تعمیر کی جو قصر غمدان کے نام سے صدیوں تک مشہور رہی ہے۔ عرب مورخین کا بیان ہے کہ اس کی 20 منزلیں تھیں اور ہر منزل 36 فٹ بلند تھی۔

یہ سب کچھ بس اسی وقت تک رہا جب تک اللہ کا نصل ان کے شامل حال رہا۔ آخر کار جب انہوں نے کفر ان نعمت کی حد کر دی تو رب قدر یہ کی نظر عنایت ہمیشہ کے لیے ان سے پھر گئی اور ان

STRABO. (63 BC) A Greek Geographer, Philosopher and Historian.¹PLINY. The Elder, A Roman Author ²ARTE MIDORUS DALDIANUS (2nd Century CE) Known From Five Volume Greek Work³

کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ جب اللہ کی نظر عنایت ان سے پھر گئی تو پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں یہ عظیم الشان بندلوٹ گیا اور اس سے نکلنے والا سیلا ب راستے میں بند پر بند توڑتا چلا گیا، یہاں تک کہ ملک کا پورا نظام آب پاشی تباہ ہو کرہ گیا۔¹

ڈیم پر کنڈہ سب سے پرانی تحریریں جو پائی گئی ہیں، وہ اس کی تعمیر و مرمت سے متعلق ہیں۔ ان میں 760 سے 740 قم کے حاکم وقت حاکم یادا عامر و تاراول کے نام کی ہے اس کے بعد 720-740 قم کے حاکم یادا ال بین دوم سے منسوب ہے۔ اسی طرح 700 سے 680 قم کے حاکموں کے نام بھی مرمت کے سلسلہ میں کنڈہ ملتے ہیں²

سعودی حکومت نے 31 مئی 2015ء کو یمن پر ہوائی حملے کئے جس کی وجہ سے اس پرانے تاریخی ڈیم کو سخت نقصان پہنچا تھا اور اقوام متحده کی ذیلی تنظیم برائے تعلیم، سائنس و تہذیب و تمدن (UNESCO) نے اس واقعہ کی شدید مذمت کی تھی۔

قوم سبا کی عسکری طاقت

عسکری لحاظ سے بھی سبائی قوم اپنے عروج کے دور میں انہائی مضبوط اور طاقت و رتھی اور جزیرہ نما عرب کے علاوہ بابل اور شام کے علاقوں میں بھی ان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ ان کو اپنی فوجی طاقت پر ناز تھا جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعوت حق سبا کی ملکہ بلقیس کو ملی تھی تو اس نے اپنے امرا اور فوجی جرنیلوں سے مشورہ کیا

1۔ تفسیر القرآن، جلد چہارم صفحہ 197، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، تفسیر آیات 15 تا 19 سورہ سبا۔

2. Hommel, explorations 101 Bible Lands: (Philadelphia: 1903) 739 Yada' Amarwatar Son of Yada'el Zarih (760-740 BC) And Yada el Bayin II (700-680 BC) Sourcc: Ocean Highways: Geo graphical Recorded C.R. Makham, Ocean High Ways, Geographical Review. Vol-1.

اور ان کی رائے بھی طلب کی تھی، جس کے جواب میں اس کے جرنیلوں نے کہا تھا کہ ”هم طاقتوں اور لڑنے والے لوگ ہیں، تاہم فیصلہ کا اختیار آپ کو ہے۔“



سعودی ہوائی حملہ کے بعد



سعودی ہوائی حملہ سے پہلے



مارب ڈیم کی دیوار سعودی حملہ کے بعد

مارب میں جدید ڈیم کی تعمیر

1986ء میں شیخ زاید بن سلطان النہیان حاکم متحده عرب امارات نے مارب کے قدیم تاریخی ڈیم کے گھندرات سے تین کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک نیا ڈیم یعنی حکومت کو تختہ کے طور پر بنا کر دیا ہے۔ شیخ زاید کا قبیلہ ستر ویں صدی عیسوی میں مارب کے علاقہ کی سکونت چھوڑ کر اپنے موجودہ علاقہ میں آباد ہوا تھا۔ اس ڈیم کا افتتاح خود شیخ زاید نے کیا تھا۔



موجودہ (جدید) ڈیم ابوظہبی کی مدد سے 1986ء میں تعمیر کیا گیا تھا

مصنف کا تعارف

علی حافظ مدینہ منورہ میں 1327ء ہجری (1909ء) میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیمِ مدینہ کے مختلف مکالوں میں حاصل کی۔ اس کے بعد آپ مسجد نبوی کی درسگاہ میں داخل ہوئے جو اس زمانہ میں یونیورسٹی کا درجہ رکھتی تھی جہاں سے علماء کو کئی سال تعلیم کے بعد انسان دینی تھیں۔ آپ نے وہاں سے مغلیٰ کی سند حاصل کی۔

مصنف نے اپنی لازمیت کا آغاز مدینہ کے ڈائریکٹریٹ خزانہ سے شروع کیا۔ بعد ازاں آپ محمد زراعت کے ڈائریکٹر اور مدینہ میونسپلی کے سربراہ متعین ہوئے اور 1385ء ہجری (1965ء) میں اسی مقام سے اپنا ذاتی کاروبار شروع کیا۔ 1356ء ہجری (1937ء) میں اپنے بھائی عثمان حافظ کے ساتھ مل کر مدینہ اخبار کا اجرا کیا۔ ابتدا میں یہ اخبار هفت روزہ تھا پھر ہفتہ میں دو روزہ ہوا اور اب یہ جدہ کا صفت اول کا اخبار ہے۔ یہ اخبار ہبھی بار 1382ء ہجری (1962ء) میں جدہ سے شائع ہوا۔ دونوں بھائیوں نے مل 30 سال اس کی اشاعت جاری رکھی۔ اب یہ اخبار ادارہ مدینہ پریس کے زیر انتظام شائع ہوتا ہے۔ دونوں برادران ایکھی بھی تو اپنے اخبار میں لکھ رہے ہیں۔

مصنف نے اپنے بھائی عثمان حافظ کے ساتھ مل کر جزیرہ نما عرب کے صحراؤں میں بدوں کے بچوں کو تعلیم کے زیور سے آرائیتہ کرنے کے لیے 1356ء ہجری (1937ء) میں کام شروع کیا اور اپنے پہلے سکول کی بنیاد مدینہ سے 83 گلوبیٹر دور مساجید نامی گاؤں میں رکھی۔

آپ عرصہ دراز تک مدینہ میونسپل کونسل کے سربراہ اور مجلس شورہ کے رکن رہے۔ 1394ء ہجری (1974ء) میں سعودی مصنفوں کا نفرنس کے لیے آپ کا انتخاب ہوا جو شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی میں منعقد ہوئی۔ آپ کو وہاں طلائی تمغہ اور رائیڈ کا خطاب ملا۔ آپ انٹرنشنل پریس کا نفرنس جو مسلم ولڈ لیگ کے زیر انتظام 1399ء ہجری (1978ء) میں قبری کے مقام پر منعقد ہوئی تھی، کے رکن تھے۔ اسی طرح آپ 1400ء ہجری (1979ء) میں چکارتا میں منعقدہ، سلامی انفریشن کا نفرنس کے بھی رکن تھے۔

آپ کے شائع شدہ کاموں میں، تاریخ مدینہ کے ابواب، جس کا پہلا ایڈیشن 1388ء ہجری (1968ء) میں شائع ہوا۔ دوسرا ایڈیشن 12 ربیع الاول 1405ء ہجری (1984ء) میں چھاپا گیا جس میں مدینہ میں بعد کے ترقیاتی کاموں کی تفصیل بطور ایک تتمہ شامل کی گئی۔ آپ کی کتاب 'سوق عکاظ' مکتبہ الصغیرہ نے شائع کی تھی۔ ان کا مقالہ 'اسلام میں انسانی حقوق' ٹوکیو میں انٹرنشنل پریس کا نفرنس میں پڑھا گیا اور اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا گیا۔ آپ کے متعدد مقالہ جات مختلف کافرنوں میں پڑھے جاتے رہے۔

سعودی حکومت کی طرف سے مصنف کی ملکی خدمات کے صلہ خاص طور پر پریس، نشر و اشاعت، صحافت اور بلدیاتی امور کی ترقی میں آپ کے کردار کی قدر شناسی کی خاطر مختلف اوقات میں آپ کو گران قدر اعماق سے نوازا گیا۔